بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستان کیوں ٹوٹا؟

پاکستان کیوں ٹوٹا؟

ڈاکٹر صفدر محمود

اِدارۂ ثقافتِ اسلامیّہ
۲ ۔ کلب روڈ ، لاہور

طبع چہارم

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : سراج منیر
ناظم، ادارہ ثقافت اسلامیہ
۲ - کلب روڈ، لاہور (پاکستان)

پرنٹنگ : [illegible] پرنٹرز، لاہور

قیمت : ۱۲۰ روپے

جو قوم اپنی تاریخ

فراموش کر دیتی ہے،

اُس کا جغرافیہ

اُسے فراموش کر دیتا ہے!

فہرستِ مضامین

ضمیمہ جات :

پیش لفظ

دسمبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کا قیام ہماری تاریخ کا سب سے زیادہ اذیت ناک سانحہ ہے ۔ اس سے نہ صرف ہمارے علاقے میں طاقت کا توازن بگڑا، بلکہ پاکستانی قوم کی نفسیات بھی بری طرح متاثر ہوئی ۔ اس لئے اس حادثے کے دُوررس اثرات سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں ۔ گمان غالب یہی ہے کہ یہ واقعہ سیاسی طور پر غیر ترقی یافتہ ممالک میں علیحدگی پسند رجحانات کو ہوا دے گا اور خود پاکستان کے اندر بھی علیحدگی پسندوں کو فتنہ انگیزی پر اکسائے گا ۔ اس پس منظر میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجوہ کا جاننا اور انہیں سمجھنا نہایت ضروری ہے ۔

بنگال میں علیحدگی پسندی کی تحریک چند مہینوں یا برسوں کی پیداوار نہیں تھی بلکہ اس کی جڑیں پاکستان کی سیاسی تاریخ کے مختلف ادوار میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ اس عرصے میں مختلف حکومتوں نے قومی یکجہتی کے لئے متعدد کوششیں کیں مگر ان کی یہ مساعی مختلف عوامل کے باعث بارآور نہ ہوسکیں ۔ زیر نظر تصنیف میں ان عوامل کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے ۔

پاکستان کے دولخت ہونے کے عمل کی صحیح تفہیم کے لیے پاکستان کی تاریخ اور سیاست کا اس کے حقیقی تناظر میں مطالعہ ناگزیر ہے ۔ چنانچہ میں نے ہر

ممکن کوشش کی ہے کہ اس تصنیف میں وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات اور ان کے نتائج و عواقب کا تفصیلی مطالعہ پیش کر دیا جائے تاکہ قومی سطح پر ہمارا تاریخی شعور بیدار ہو اور ہم ماضی کی روشنی میں مستقبل کی راہ متعین کر سکیں ۔ اس کتاب میں قومی راہنماؤں بالخصوص بھٹو، یحییٰ خاں اور مجیب الرحمٰن ، سیاسی جماعتوں ، پریشر گروپوں اور فوج کے کردار کے علاوہ بھارتی مداخلت اور عالمی طاقتوں کے اس سانحے میں کردار کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے ۔

بالفاظ دیگر اس تصنیف کو ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ تک پاکستان کی تاریخی اور سیاسی زندگی کا اجمالی مطالعہ قرار دیا جا سکتا ہے ۔ پاکستانی دانشور ابھی تک اس سوال کے جواب کے متلاشی ہیں کہ سقوطِ مشرقی پاکستان کا المیہ سیاسی راہنماؤں کی ناکامی کا نتیجہ تھا یا فوجی حکمرانوں کی ہوسِ اقتدار کا شاخسانہ؟ بعض مصنفین اسے بین الاقوامی سازش قرار دیتے ہیں جبکہ دوسروں کے نزدیک یہ فوجی شکست تھی ۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ مذکورہ بالا تمام عوامل نے مختلف انداز میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی راہ ہموار کی ۔ میں نے اس کتاب میں دستیاب مواد کی بنا پر ان سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کی ہے ۔

اگرچہ سقوطِ مشرقی پاکستان ہماری قومی تاریخ کا سب سے زیادہ الم ناک واقعہ ہے تاہم اس کے معروضی تجزیے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے اور اس موضوع پر پاکستانی ، بھارتی ، بنگلہ دیشی مصنفین کی بیشتر کتب ان کے مخصوص نقطہ نظر کی آئینہ دار ہیں ۔ اس سلسلہ میں منظرِ عام پر آنے والی، عینی شاہدوں کے مشاہدات پر مبنی، تحریروں میں سارا زورِ بیان واقعہ کے المیاتی پہلو کو اجاگر کرنے پر صرف کر دیا گیا ہے ۔ ان تحریروں میں ذاتی پسند و ناپسند کی جھلک واضح ہے اور انہیں مستند تاریخی مآخذ کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا ۔ تاریخ کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے میں نے ان مختلف النوع سیاسی عوامل کے غیر جانبدارانہ مطالعے کی کوشش کی ہے جو بالآخر بنگلہ دیش کے قیام پر منتج ہوئے ۔

مخصوص ذرائع سے قطع نظر، کتاب میں استعمال کیے جانے والے مواد کا دستاویزی ثبوت مہیا کیا گیا ہے اور اس کے مآخذ کا حوالہ پیش کیا گیا ہے تاکہ سند رہے ۔ موضوع زیرِ بحث سے متعلق بعض اہم معلومات اس کتاب کے ذریعے

پہلی دفعہ منظر عام پر آرہی ہیں ۔ اس اعتبار سے یہ کتاب اس سلسلہ میں لکھی جانے والی دوسری کتابوں سے مختلف ہے ۔ توقع ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے قارئین کو سقوطِ مشرقی پاکستان کے اسباب و عوامل سمجھنے میں مدد ملے گی ۔ اس کتاب کے مطالعے سے شاید یہ سمجھنے میں بھی مدد ملے کہ ترقی پذیر ممالک میں علاقائی تحریکیں کیسے چلتی ہیں اور کیونکر کامیاب ہوتی ہیں ، تاکہ موجودہ علاقائی رجحانات کو سمجھا جا سکے ۔ اپنی تاریخ کے اس پس منظر کو سمجھے بغیر قومی اتحاد اور ملکی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا اور یہی اس کتاب کے لکھنے کا مقصد تھا ۔ اللہ تعالیٰ قوم و ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے ۔

آخر میں مجھے شعیب بن عزیز کا شکریہ ادا کرنا ہے جس نے اس کتاب کے انگریزی مسودے کو اُردو کے قالب میں ڈھالا۔

صفدر محمود

لاہور

* * * * * * * * * *

باب ۱

احساسِ محرومی کے عمل کا آغاز (۱۹۴۷ء۔۱۹۵۸ء)

قائد اعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلم لیگ کی انتھک جدوجہد بالآخر رنگ لائی اور اسلامیانِ ہند، جنوبی ایشیا میں اپنے لیے ایک علیحدہ ارضِ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ۔ آزادی کے بعد قومی قیادت کے ساتھ ساتھ نوزائیدہ مملکت کی انتظامی ذمہ داریاں بھی مسلم لیگ کے کندھوں پر آپڑیں اور مرکز اور صوبوں میں مسلم لیگی حکومتیں قائم ہوئیں ۔ پاکستان کو روزِ اول ہی سے لا تعداد سنگین مسائل کا سامنا تھا ۔ ملک کے دونوں حصوں کو متحد رکھنے اورایک متفقہ آئین کی تیاری کے مسئلے کے علاوہ اہل پاکستان کو نا مساعد سماجی، اقتصادی اورانتظامی صورت حال سے بھی عہدہ برا ہونا تھا ۔ ملک و قوم کو درپیش آزمائشی دور ایک بے لوث اور مخلص قیادت کا متقاضی تھا مگر بد قسمتی سے قائد اعظم اور لیاقت علی خان کے جانشین اس زرِ خالص سے محروم تھے ۔ مسلم لیگ جو پاکستان کے اتحاد اور یک جہتی کے لیے اہم کردار ادا کر سکتی تھی ، رفتہ رفتہ اپنا مقام کھو بیٹھی اور حقیقت یہ ہے کہ حکمران پارٹی کی حیثیت سے اس کی کارکردگی مایوس کن تھی ۔(۱) چنانچہ تحریک پاکستان کے دوران میں عوام کے دلوں میں موجزن اخوت و یگانگت کے جذبات کو ملکی یکجہتی اور اتحاد کے مقصد کے لیے بروئے کار نہ لایا جا سکا ۔

تخلیقِ پاکستان کو ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے اپنے مخصوص نقطہ نظر سے دیکھا ۔ مسلمانوں کے نزدیک پاکستان کا قیام ایک عظیم کامیابی کی حیثیت رکھتا تھا ۔ جبکہ اس موقعہ پر ہندوؤں کا ردعمل شکست اور اہانت کے احساسات سے مملو تھا ۔ مسلمانوں کے دل طمانیت سے سرشار تھے کہ ان کی جدوجہد بار آور ثابت ہوئی مگر ہندو تاریخ کے اس فیصلے کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے ۔ اور دل ہی دل میں اس "نقصان" کا ازالہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے ۔

پاکستان جغرافیائی طور پر ایک وحدت نہیں تھا ۔ اس کے دونوں حصے ایک دوسرے سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر واقع تھے اور دونوں کے درمیان دشمن کا علاقہ تھا ۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کا بحری رابطہ طویل اور دشوار گزار تھا اور بھارت کے لیے کسی وقت بھی اس کی ناکہ بندی ناممکن نہ تھی ۔ اسی خطرے کے پیش نظر قائد اعظم نے دونوں صوبوں کو ملانے کے لیے بھارت کے درمیان سے گزرنے والے خشکی کے راستے کا مطالبہ کیا تھا جسے حکومت برطانیہ نے مسترد کر دیا تھا ۔(۲)

بنگالی سیاستدان دونوں صوبوں کے درمیان موجود جغرافیائی اور ثقافتی بُعد سے پوری طرح باخبر تھے اور انہوں نے اختلافات کی تشہیر کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا ۔ انہوں نے دستور ساز اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں اپنی تقاریر کے دوران میں علیحدگی کے نکات کو خاص طور پر اجاگر کیا ۔ دستور ساز اسمبلی کے ایک ممتاز بنگالی رکن ابوالمنصور احمد نے اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

"پاکستان ایک منفرد ملک ہے ۔ اس کے دو بازوؤں کے درمیان ایک ہزار میل سے زائد کا فاصلہ ہے ۔ مذہب اور مشترکہ جدوجہدِ آزادی کے سوا ان کے درمیان کوئی قدر مثلاً زبان ، ثقافت غرض کچھ بھی مشترک نہیں ، حقیقت یہ ہے کہ دونوں صوبوں میں وہ مشترکہ اقدار عنقا ہیں جنکی موجودگی کسی قوم کی تشکیل کے لیے ناگزیر ہوتی ہے ۔"(۳)

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی جدوجہدِ آزادی کا مقصد ایک ایسے خطۂ ارضی کا حصول تھا جہاں وہ نظریۂ اسلام کے مطابق زندگی بسر کرسکیں ۔ چنانچہ پاکستانی قومیت کی حقیقی بنیاد روحانی اور نظریاتی اقدار تھیں ، اگرچہ نسلی اور لسانی تفاوت

موجود تھا ۔ اس کے باوجود یہاں وطنیت اور قومیت کی بنیاد مشترکہ نظریے پر تھی ۔ البتہ موجودہ دور کے تقاضوں نے مشترکہ نظریاتی بنیاد کو اہم بنا دیا تھا ۔ اتحاد خواہ نظریاتی ہو، سیاسی یا معاشی ، دونوں صوبوں میں توازن برقرار رکھنا ، تلوار کی دھار پر چلنا تھا ۔

ان امکانات کے پیش نظر ضرورت اس امر کی تھی کہ تعلقات عامہ کے جدید ترین ہتھیاروں سے کام لیتے ہوئے ، نظریاتی اور سماجی و اقتصادی عوامل کو بروئے کار لاکر قومی یکجہتی کے مقاصد کے حصول کے لیے غیر معمولی مساعی کی جائیں مگر بد قسمتی سے یہ دونوں کام ممکن نہ ہوسکے ۔ ثقافتی اور لسانی اختلافات بھی ملکی یکجہتی کے لیے مضر ثابت ہوئے اور سب سے بڑھ کر مختلف ادوار میں سیاسی ، آئینی لغزشوں نے بھی پاکستان دشمنوں کو ملک کے دونوں حصوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو گہرا کرنے کے مواقع فراہم کئے ۔

قیام پاکستان کے بعد رفتہ رفتہ وہ جوش و جذبہ سرد پڑگیا جس کا مظاہرہ تحریک آزادی کے دوران میں دیکھنے میں آیا تھا ۔ ان حالات میں دونوں صوبوں کو متحد رکھنے کے لیے گہری فراست ، تحمل اور سیاسی رواداری کی ضرورت تھی اس موڑ پر آئینی نظام کے قیام کے بغیر نوزائیدہ مملکت کا استحکام ممکن نہیں تھا مگر ہوا یہ کہ ملک کے حکمرانوں نے سیاسی اور جمہوری اداروں کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھا اور انہیں پھلنے پھولنے کا موقع نہ دیا گیا ۔ چنانچہ آزادی کے فوراً بعد مرکزی حکومت کی بعض عاقبت نا اندیشانہ پالیسیوں کی وجہ سے بنگالیوں نے یہ محسوس کرنا شروع کردیا کہ انہیں نظر انداز کیا جا رہا ہے ۔ یہاں تک کہ قیام پاکستان کے صرف سات ماہ بعد یعنی مارچ ۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی کے ایک مسلم لیگی رکن نے کہا کہ "محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ نظام میں مشرقی بنگال کو واقعتاً نظر انداز کیا جا رہا ہے ۔"(۲) دستور اسمبلی میں دیا گیا یہ بیان اہلِ بنگال کے احساسِ محرومی کی عمومی صورت کا ترجمان تھا اور اس احساسِ محرومی میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ بعد ازاں ملک میں جمہوریت کی ناکامی نے قومی یکجہتی کے قیام کے لیے کی جانے والی تمام مساعی کو ناکام بنا دیا ۔

ملک کے دونوں حصوں کے عوام کئی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف

تھے اور ان کے سماجی طرزِ عمل میں واضح تفاوت موجود تھا ۔ مغربی پاکستان کی سیاست پر اکثر و بیشتر جاگیرداروں کا تسلط تھا جبکہ مشرقی پاکستان کے سیاستدانوں کی بڑی تعداد وکلاء ، اساتذہ اور ریٹائرڈ سرکاری ملازمین پر مشتمل تھی ۔ پاکستان کی دوسری دستور ساز اسمبلی میں مغربی پاکستان کے ۴۰ اراکین میں سے ۲۸ جاگیردار تھے جبکہ مشرقی پاکستان کی نمائندگی ۲۰ وکلاء اور نو ۹ ریٹائرڈ ملازم کر رہے تھے ۔ بنگالی اراکین اسمبلی میں ایک بھی جاگیردار نہیں تھا ۔(۵) مختلف طبقوں کے نمائندوں کی حیثیت میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے رہنما متضاد نظریات اور عزائم کے حامل تھے اور ان کے لیے ایک دوسرے کے مسائل کی صحیح تفہیم ممکن نہ تھی ؛ چنانچہ ان کے باہمی سیاسی مراسم مشترکہ مقاصد کی بجائے وقتی مصالح پر مبنی تھے ۔ دوسری طرف دونوں صوبوں کی انتظامیہ کے طرزِ عمل میں بھی واضح عدم مماثلت موجود تھی ۔ ایک ماہر انتظامات کے مطابق "بنگالی افسر مغربی پاکستانی افسروں کی نسبت زیادہ مساوات پسند، جمہوریت نواز، عوام دوست اور منکسر المزاج تھے ۔"(٦)

جغرافیائی عوامل سے قطع نظر ملک کے دونوں صوبوں کی سماجی و ثقافتی صورتِ حال بھی ایک دوسرے سے حد درجہ مختلف تھی ۔(۷) مغربی پاکستان ثقافتی ہم آہنگی سے محروم تھا جبکہ ملک کا مشرقی حصہ تہذیبی اور لسانی طور پر ایک وحدت تھا اور یہاں کے عوام کو اپنی انفرادیت کا بھر پور احساس تھا ۔ اس سلسلے میں بنگال کی صورتحال کا موازنہ پنجاب سے کرنا مناسب نہیں ہوگا ۔ اگرچہ بنگال کی طرح پنجاب کو بھی تقسیم کے عمل سے گزرنا پڑا ۔ تاہم آزادی کے بعد پنجاب کے دونوں حصوں کے درمیان کوئی رابطہ نہیں رہا تھا ، لیکن اس کے برعکس مشرقی پاکستان کے باشندوں کے دوستانہ مراسم سرحد پار مغربی بنگال میں آزادی کے بعد بھی قائم تھے ۔(۸) مشرقی پاکستان کے ایک محقق نے اس صورتحال کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "سیکولر ادب و فن اور عوام کا مخصوص طرزِ زندگی جو ہماری ثقافت کے عناصرِ ترکیبی ہیں ، بنگال کے دونوں حصوں میں یکساں بنیادوں اور مظاہر کے حامل ہیں ۔"(۹)

پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان یکجہتی کے ضامن مشترکہ عوامل صرف مذہب اور بھارت کا خوف تھے ۔ یہ عوامل خاصے نتیجہ خیز ثابت ہو سکتے

تھے مگر مختلف وجوہ کی بناء پر ان عوامل سے مطلوبہ فوائد حاصل نہ کیے جاسکے۔ اولاً اس مقصد کے لیے سیاسی استحکام اور اعلیٰ قومی قیادت کا وجود ناگزیر تھا جس کا حصول ممکن نہ ہوسکا۔ سیاسی جماعتیں انتشار کاشکار تھیں جبکہ سیاستدانوں کی اکثریت صوبائیت سے بالا تر ہو کر سوچنے کے لیے تیار نہیں تھی اور وہ مذہب کو اقتدار کی جنگ میں ہتھیار کے طور پر استعمال کررہے تھے۔ ثانیاً اقتصادی اور ثقافتی حقیقتوں نے رفتہ رفتہ اتحاد کی ضامن قوتوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ مشرقی پاکستان کے دانشوروں کے نزدیک اسلام کی وہ اہمیت نہ رہی جو اسے مغربی پاکستان میں حاصل تھی۔ اس حقیقت کی تائید کئی مستند مبصرین کی آراء اور ایک معروف ماہرِ سیاسیات کی طرف سے کیے جانے والے سروے سے بھی بخوبی ہوتی ہے۔(۱۰) آزادی سے قبل ہندوؤں کی بالا دستی کے خوف نے ایک علیحدہ ملک کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ آزادی کے بعد بھی جنوبی ایشیا میں بھارت کے غلبے کے خلاف پاکستان کی جدوجہد کے پس پشت یہی احساس کارفرما تھا۔ چنانچہ اس احساس نے پاکستانی قوم میں یک جہتی کو استحکام بخشا۔(۱۱) یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے تنازعہ کو ایک عرصہ تک پاکستانی قوم کے اجتماعی مسئلے کی حیثیت رہی۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا، مسئلہ کشمیر کے بارے میں بنگالیوں کے جذبات میں تبدیلی آتی چلی گئی۔ کشمیر کے جغرافیائی محل وقوع کے پیشِ نظر بنگالی یہ سوچنے لگے کہ یہ مسئلہ صرف مغربی پاکستان کے لئے اہم ہے۔ مشرقی پاکستان میں مضبوط بھارتی لابی نے اس سوچ کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں بھارتی خطرہ کھل کر سامنے آگیا۔"

بھارتی کردار

اس موقع پر شیخ مجیب الرحمن نے بھارت کے خلاف ایک لفظ تک کہنے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں عوامی لیگ کی قیادت نے اپنے اس موقف کو بھارت کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کرنے کے لیے استعمال کیا۔ لارڈ برڈووڈ نے ۱۹۵۳ء ہی میں اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ "یہ کہنا مشکل ہے کہ پاکستان آنے والے برسوں میں ایک متحدہ قوت کے طور پر بھارت کے مقابل رہ سکتا ہے یا نہیں"۔(۱۲)

ان کا خیال یہ تھا کہ "اگر کبھی پاکستان کا مشرقی بازو کراچی کے کنٹرول سے علیحدگی کا فیصلہ کرے تو یہ کوئی غیر فطری واقعہ نہ ہوگا۔" (۱۴)

تحریکِ پاکستان کے دوران میں بنگالی مسلمانوں کا خیال یہ تھا کہ آزادی ان کے لیے خوشحالی کا پیغام لے کر آئے گی اور پاکستان کے قیام کے بعد ان کے دن پھر جائیں گے مگر ظاہر ہے کہ ایسا فوری طور پر ممکن نہیں تھا۔ صوبے کی معیشت اور تعلیم پر ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ اگرچہ مسلمان اکثریت میں تھے، تاہم دیہی علاقوں میں ہندو ان سے اچھوتوں کا سا سلوک کرتے تھے۔ (۱۵) قیامِ پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان کی اسّی (۸۰) فیصد قومی دولت پر ہندو قابض تھے۔ شہری املاک اور عمارتوں کی اکثریت جس کی شرح بعض مقامات پر ۸۵٪ سے بھی زیادہ تھی، انہی کے قبضے میں تھیں۔ مشرقی پاکستان میں موجود ۱۲۹۰ ہائی سکول اور ۴۷ کالجوں کے ۹۵٪ پر بھی ہندوؤں ہی کا کنٹرول تھا۔ (۱۶) قیامِ پاکستان کے بعد ہندو اساتذہ نے بنگالی نوجوان کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ اساتذہ طلبا کے لیے جو کتب تجویز کرتے، ان میں سے بیشتر نظریۂ پاکستان کے خلاف مواد پر مشتمل ہوتیں۔ متعدد تعلیمی اداروں میں بابائے قوم کے بجائے گاندھی اور جواہر لال نہرو کی تصاویر آویزاں کرنے کو ترجیح دی گئی۔ (۱۷)

مغربی پاکستان کے برعکس مشرقی پاکستان سے نقل مکانی کرکے بھارت جانے والے ہندوؤں کی تعداد بہت کم تھی۔ یہاں تک کہ جن ہندو خاندانوں نے مشرقی پاکستان چھوڑنے کا فیصلہ کیا، ان کے مرد مشرقی پاکستان ہی میں مقیم رہے اور صرف بچے اور عورتیں نقل مکانی کرکے کلکتہ یا مغربی بنگال کے دیگر شہروں میں آباد ہوئیں۔ (۱۸) ہندو جو کچھ مشرقی پاکستان میں کماتے بھارت بھیج دیتے۔ ان کے ساتھ ہی مشرقی پاکستان سے اشیائے صرف سمگل ہوکر بھارت جانا شروع ہوگئیں اور بھارت سے پاکستان دشمن لٹریچر آنے لگا۔ بدقسمتی سے مشرقی پاکستان کے دانشوروں میں شروع ہی سے ایک ایسا طبقہ موجود تھا جس کی ہمدردیاں بھارت کے ساتھ تھیں۔ اس طبقے نے کلکتہ سے آنے والی ہر چیز کو خوش آمدید کہا۔ (۱۹)
اس صورتحال کا اندازہ پاکستان مسلم لیگ کے خازن ایچ۔ ایم۔ حبیب اللہ کی اس رپورٹ سے بھی کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے وزیر اعظم چوہدری محمد علی کو پیش

کی تھی ۔ اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ "چین، برما اور بھارت سے در آمد کیا جانے والا سستا کیمونسٹ لٹریچر صوبے میں چائے خانوں، عام مقامات ، ریستورانوں سکولوں، ریلوے بک اسٹالوں غرض ہر جگہ پایا جاتا ہے"۔(۲۰)

ہندو مارواڑیوں نے صوبے میں سرگرم عمل کیمونسٹوں کی کاروائیوں میں تعاون کرنے کے ساتھ ساتھ مصنوعی قلت اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعے بے پناہ منافع بھی کمایا ۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد ملک کے مختلف حصوں میں صوبائیت کے رجحانات منظر عام پر آنے لگے اور ڈھاکہ میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان ایک گہری دشمنی پروان چڑھنے لگی ۔(۲۱) بائیں بازو کے سیاستدانوں نے صوبائی خود مختاری کے مسئلے سے بھرپور فتنہ اٹھایا اور انہوں نے عوامی مقبولیت کے میدان میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اس مسئلے کو استعمال کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا ۔ یہ طرز عمل بالآخر "بنگال بنگالیوں کا ہے" کے نعرے پر منتج ہوا ۔ ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں عوامی حمایت حاصل کرنے کے لیے عوامی لیگ نے ایسے اشتعال انگیز نعرے لگائے جس کے نتیجے میں جذبات کو ہوا ملی اور صوبائیت کے شعلے بھڑک اٹھے ۔(۲۲) حقیقت یہ ہے کہ عوامی لیگ بنیادی طور پر ایک علاقائی سیاسی جماعت تھی ۔ خود حسین شہید سہروردی آزادی سے قبل متحدہ بنگال کے نظریے کے بہت بڑے داعی تھے اور انہوں نے مئی ۱۹۴۷ء میں بنگال کی تقسیم کو سب کے لیے تباہی قرار دیا تھا ۔ (۲۳) اگرچہ بعد ازاں سہروردی نے اپنا موقف تبدیل کرلیا تاہم ملکی سیاست کے میدان میں عوامی لیگ علاقائی مقاصد کا حامل ایک مضبوط پریشر گروپ ہی رہا اور اس نے ایک قومی سیاسی جماعت کا کردار ادا کرنے کی کبھی کوئی قابل ذکر کوشش نہ کی ۔ دونوں صوبوں کے درمیان بدگمانی اور شکر رنجی کی مستقل فضا پیدا کرنے میں لسانی مسئلے نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ۔ فروری ۱۹۴۸ء میں مشرقی پاکستان سے ایک ہندو رکن ڈاکٹر دریندر ناتھ دت نے دستور ساز اسمبلی کے ضوابط میں ترمیم پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ بنگالی کو بھی سرکاری زبان قرار دیا جائے ۔(۲۴) اس وقت تک اراکین اسمبلی انگریزی یا اردو میں اظہار خیال کر سکتے تھے ۔ لیاقت علی خان نے تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مذکورہ ترمیم کا مقصد پاکستانیوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے سے

سوا کچھ نہیں اور یہ کہ صرف اردو ہی پاکستان کی قومی زبان ہوگی ۔(۲۵) اس اعلان سے قومی سطح پر بحث ومباحثے کا آغاز ہوگیا ۔ بنگالیوں نے جنہیں اپنی زبان سے بہت محبت تھی اردو کی برتری تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔(۲۶) یہ لسانی تنازعہ بالآخر تحریک کی شکل اختیار کر گیا ۔ طالب علموں اور دیگر تعلیم یافتہ طبقوں کا تاثر یہ تھا کہ مرکزی حکومت جس پر اہل پنجاب کا غلبہ ہے ، بنگالیوں سے ان کی مادری زبان چھین لیناچاہتی ہے ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ گورنر جنرل اور وزیر اعظم دونوں میں سے کوئی بھی پنجابی نہیں تھا۔ بعض شکست خوردہ سیاستدانوں نے، جنہیں مسلم لیگ میں شامل کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا، عوام میں اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لیے مسلم لیگی حکومت کے خلاف اس تحریک کی حمایت کی ۔ مرکز مخالف ان اجتماعی مظاہروں کو کیمونسٹوں کا فعال تعاون بھی حاصل تھا ۔(۲۰)

صوبے کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین صورت حال پر قابو پانے سے قاصر رہے ۔ چنانچہ حالات بتدریج خراب ہوتے گئے اور مارچ ۱۹۴۸ء میں جب قائد اعظم صوبے کا دورہ کرنے والے تھے، خواجہ ناظم الدین نے صورت حال کی نزاکت سے گھبرا کر طلبا کو مطمئن کرنے کے لیے ان کے تمام مطالبات تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا ۔ ان مطالبات کے سرسری مطالعے ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ پس پردہ کون سے عناصر تھے ۔ مطالبات یہ تھے :

۱ ۔ مشرقی پاکستان اسمبلی کا رواں اجلاس بنگالی کو مشرقی پاکستان کی سرکاری زبان اور صوبے میں تمام سطحوں پر ذریعہ تعلیم بنانے کی قرار داد منظور کرے گا ۔

۲ ۔ اسمبلی مرکزی حکومت کو سفارش کرے گی کہ بنگالی کو ملک کی سرکاری زبانوں میں شامل کیا جائے ۔

۳ ۔ تحریک کے دوران میں گرفتار ہونے والے تمام سیاسی قیدی رہا کیے جائیں ۔

۴ ۔ تحریک کی حمایت اور خبریں شائع کرنے پر کلکتہ اور پاکستان کے اخباروں پر پابندی واپس لی جائے ۔

۵ ۔ وزیر اعلیٰ ریڈیو پر اعلان کریں کہ یہ تحریک حب وطن کے مقاصد اور جذبات کی ترجمان تھی ۔

۶ ۔ وزیر اعلیٰ اپنا وہ بیان واپس لیں جس میں انہوں نے مظاہرین کو کیمونسٹ اورملک دشمنوں کے ایجنٹ قرار دیا تھا ۔(۲۸)

اگرچہ وزیر اعلیٰ سے ملاقات کرنے والی ایکشن کمیٹی طلباء پر مشتمل تھی مگر اس کے تمام تر مطالبات سیاسی تھے ۔ صوبائی حکومت کی طرف سے ان مطالبات کو تسلیم کرنے کا اعلان طلبا کی پہلی فتح تھی ۔

قائد اعظم ۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ پہنچے جہاں ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اعلان کیا کہ "پاکستان کے قیام کے خلاف اپنی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد پاکستان کے دشمن اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ہمارے ملک کی سالمیت کے درپے ہیں وہ اس مقصد کے لیے صوبائیت کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے ہیں ۔ آپ جب تک اپنی قومی سیاست میں سے اس زہر کو نکال باہر نہیں پھینکتے قومی استحکام کا حصول ممکن نہیں ۔" (۲۹) قائد اعظم کی نصیحت نے لسانی تحریک کا زور تو توڑ دیا مگر یہ مسئلہ مکمل طور پر حل نہ ہو سکا ۔ ۱۹۵۲ء میں جب مرکزی حکومت نے بنگلہ زبان کے لیے عربی رسم الخط اختیار کرنے کی کوشش کی تو اس مسئلہ نے ایک بار پھر سر اٹھایا ۔ فروری ۱۹۵۲ء میں خواجہ ناظم الدین نے جو اس وقت پاکستان کے وزیر اعظم تھے، ڈھاکہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو پاکستان کی واحد سرکاری زبان ہوگی ۔ اس بے موقع اعلان کے نتیجے میں مظاہروں کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہوگیا ۔

اب یہ تحریک اس مرحلے میں داخل ہوچکی تھی کہ مرکز اور صوبے میں تصادم ناگزیر ہوگیا تھا ۔ صوبائی اسمبلی نے متفقہ طور پر بنگلہ کو قومی زبان کے طور پر تسلیم کرنے کی قرارداد منظور کی ۔ مگر مرکزی حکومت نے معاملے کو طے کرنے کی بجائے بلا وجہ طول دینے کی غیر دانش مندانہ پالیسی اختیار کی ۔ ان حالات میں جبکہ بنگلہ زبان کے مطالبے کو حزب اختلاف کے علاوہ حکومتی پارٹی کے اراکین کی بھی حمایت حاصل تھی، مرکزی حکومت کو حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے تھی ۔

بنگالیوں نے لسانی مسئلے پر فیصلے میں تاخیر کو مغربی پاکستان کی ایک اقلیت کی طرف سے اکثریت پر اپنی مرضی تھوپنے کی کوشش قرار دیا (۳۰) انہوں نے اپنے مطالبات کی حمایت میں وسیع پیمانے پر ہڑتالیں اور احتجاجی مظاہرے کیے اور ۲۱ فروری کو پولیس کے ہاتھوں دو طالب علم ہلاک ہوگئے ۔ امن وامان کی نازک صورت حال کے باعث فوج طلب کرنا پڑی ۔ امن عامہ تو بحال ہوگیا ۔ مگر یہ

واقعات قومی یکجہتی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا گئے ۔ مرکزی حکومت بنگالیوں کا اعتماد کھو بیٹھی اور مسلم لیگ کے خلاف عوام میں نفرت کے جذبات جنم لینے لگے ۔ ڈھاکہ میں ہلاک شدگان کی یاد میں شہید مینار تعمیر کیا گیا ۔ ۱۹۵۴ء میں دستور ساز اسمبلی نے بنگالی کو ایک قومی زبان کے طور پر تسلیم کر لیا اور یوں یہ تحریک اپنے انجام کو پہنچی ۔ اہلِ مشرقی پاکستان کی اس لسانی تحریک نے کئی "داستانوں، علامتوں اور نعروں" کو جنم دیا ۔ اور اس کے نتیجہ میں انہیں اپنی جدوجہد کو تیز تر کرنے کے لیے ایک مشترکہ عوامی مقصد کے ساتھ ساتھ 'اولین شہید' بھی میسر آ گئے ۔ ۲۱ فروری کے واقعات نے اہلِ بنگال کے لے ایک نئی ادبی اور ثقافتی روایت کی بنا ڈالی ۔ (۳۱)

آئین سازی اور علاقائی خود مختاری کے مطالبے سے متعلق اختلافات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال نے بھی مشرقی پاکستان میں سیاسی انتشار اور صوبہ پرستی کے رجحانات کو ہوا دی ۔ ان اختلافات نے صوبوں کے درمیان سیاسی مناقشت اور بدگمانیوں میں اضافہ کیا ۔ ملک کے اس غیر صحت مندانہ سیاسی ماحول نے آئین سازی کے نازک اور مشکل مرحلے کو مزید دشوار بنا دیا ۔ آئین سازی کے حوالے سے صوبوں کے اختلافات کا محور یہ چار نکات تھے ۔ وفاقی مقننہ میں علاقائی نمائندگی کی شرح، مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم ، قومی زبان اور طرزِ انتخاب ۔ ان مسائل نے پاکستان کی سیاست میں صوبائیت کے رجحانات کو غیر معمولی طور پر فروغ دیا ۔ یہاں تک کہ لیاقت علی خان کو پاکستان بننے کے صرف تین سال بعد دستور ساز اسمبلی کے اراکین سے اپیل کرنا پڑی کہ وہ صوبائیت کے رجحان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں ۔ (۳۲)

دستور سازی کا کام BASIC PRINCIPLES COMMITTEE (BPC) کے سپرد کیا گیا جس نے ۱۹۵۰ میں اپنی عبوری رپورٹ پیش کی ۔ اس رپورٹ میں دو ایوانی مقننہ کی تجویز پیش کی گئی تھی جس کے ایوانِ بالا میں صوبوں کو مساویانہ اور ایوانِ زیریں میں آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی گئی تھی ۔ مشرقی پاکستان میں اس رپورٹ پر شدید احتجاج کیا گیا ۔ بنگالیوں کا خیال تھا کہ ان کی عددی اکثریت مقننہ کے مشترکہ اجلاس میں اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی اور یوں مشرقی

پاکستان ، مغربی پاکستان کی نو آبادی بن کر رہ جانے گا ۔ (۳۳) ڈھاکہ میں سیاسی کارکنوں کا ایک کنونشن طلب کرکے رپورٹ کی مخالفت کے لیے عوام کو متحد کرنے کے لیے ایک ایکشن کمیٹی تشکیل دی گئی ۔ اس کمیٹی نے پورے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا ، احتجاجی مظاہرے کرائے ، اور متبادل آئینی تجاویز مرتب کیں ۔ جن کی منظوری فروری ۱۹۵۰ء میں ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے گرینڈ نیشنل کنونشن میں دی گئی ۔ ان تجویز کے تحت مرکز کو صرف دفاع اور امور خارجہ کے شعبے تفویض کیے گئے تھے اور ان شعبوں میں بھی اس کے اختیارات بعض شرائط کے تابع تھے ۔ وفاقی حکومت کو صرف بعض مخصوص اشیاء پر ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا تھا (۳۴) ان تجویز نے مستقبل میں صوبائی خود مختاری کے تمام مطالبات کی اساسی دستاویز کا کام کیا ۔ اہل مشرقی پاکستان کے احتجاج کے نتیجے میں بی ۔ پی ۔ سی عبوری رپورٹ واپس لے لی گئی ۔

دسمبر ۱۹۵۲ء میں وزیر اعظم ناظم الدین نے بی ۔ پی ۔ سی کی ایک اور رپورٹ تیار کی ۔ اس رپورٹ میں دونوں حصوں کو پیریٹی کی بنیاد پر نمائندگی دی گئی تھی ۔ اب اس رپورٹ کو پنجاب نے اس بناء پر مسترد کردیا کہ اس طرح مرکز پر بنگالیوں کی بالا دستی قائم ہو جائے گی ۔ اس کے بعد محمد علی بوگرہ نے اپنا فارمولا پیش کیا ۔ یہ فارمولا بھی پیریٹی کے اصول پر مبنی تھا ۔ اس میں صوبوں کو ایوانِ بالا میں برابر کی اور ایوان زیریں میں آبادی کی بنیادوں پر نمائندگی دی گئی تھی ۔ اس فارمولے کا مقصد مقننہ کے مشترکہ اجلاس میں دونوں حصوں کے درمیان پیریٹی قائم کرنا تھا ۔ اس فارمولے کے مضمرات کے پیش نظر پنجاب کے نمائندوں نے مطالبہ کیا کہ مغربی پاکستان کے صوبوں کو ایک وحدت میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ کوئی خطہ کسی چھوٹے صوبے کے ساتھ مل کر دوسرے پر مستقل بالا دستی قائم نہ کر سکے ۔ یہ تجویز بنگالیوں کے لیے قابلِ قبول نہیں تھی ۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس کا مقصد ملک کے باقی حصہ کو ان کے خلاف متحد کرنا تھا ۔ (۳۵) ۱۹۵۳ء میں محمد علی نے وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالنے کے بعد بنگالی رہنماؤں کے ساتھ ایک سمجھوتہ کیا ۔ یہ سمجھوتہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان پیریٹی اور علاقائی خود مختاری پر مبنی تھا ۔ یہی وہ سمجھوتہ تھا ، جس نے

۱۹۵۶ء کے آئین کی منظوری کی راہ ہموار کی مگر اس وقت تک علاقائیت پاکستانی سیاست میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی تھی ۔

ادھر معاشی میدان میں مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے کہیں پیچھے تھا ۔ یہ معاشی پسماندگی ماضی کا ورثہ ہونے کے ساتھ ساتھ کسی حد تک غلط منصوبہ بندی کا نتیجہ بھی تھی ۔ قیام پاکستان سے پہلے مشرقی پاکستان کی معیشت کلکتہ سے وابستہ تھی ۔ یہاں کی بنیادی فصل پٹ سن تھی جس کی تیاری کے لیے کارخانے اور برآمدی بندرگاہ کلکتہ میں واقع تھی ۔ آزادی کے بعد مشرقی پاکستان میں پٹ سن کا کوئی کارخانہ موجود نہیں تھا ۔ اسے اپنی برآمدات کے لیے چٹاگانگ کی غیر معیاری بندرگاہ پر انحصار کرنا پڑا ۔ (۳) بنگالیوں کو یہ رنج بھی تھا کہ اگرچہ ملک کے زرمبادلہ سے آمدن کا ۶۰ سے ۸۰ فیصد تک کا حصہ پٹ سن کی برآمد سے حاصل ہوتا ہے تاہم اس کی بڑی مقدار مغربی پاکستان پر صرف کی جاتی ہے ۔ (۴۰) بعض اندازوں کے مطابق ۴۸-۱۹۴۷ء اور ۶۰-۱۹۵۹ء کے دوران سرکاری شعبے میں مشرقی پاکستان میں ۲۷۵۰ ملین روپے خرچ کیے گئے جبکہ اس عرصے میں مغربی پاکستان میں ان اخراجات کا اندازہ ۸۰۱۷ ملین روپے تھا ۔ نجی شعبے میں کل ترقیاتی اخراجات کا بمشکل ۲۰ فیصد حصہ مشرقی پاکستان میں صرف کیا گیا ۔

معروف ماہر اقتصادیات ڈاکٹر محبوب الحق کے مطابق پنج سالہ منصوبوں کے دوران میں اور ان سے پہلے کے عرصے میں ، وسائل کی بڑی مقدار مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان میں منتقل ہوتی رہی ۔ اول الذکر عرصے میں انتقال پذیر ہونے والے ان وسائل کی مالیت ۱۰۰ ملین اور موخرالذکر عرصہ میں ۲۱۰ ملین روپے تھی دوسرے لفظوں میں مشرقی پاکستان کی حقیقی دولت پنج سالہ منصوبوں کے دوران میں ۱٪ اور منصوبوں کے پہلے کے عرصے میں ۲٪ کی شرح سے مغربی پاکستان کو ملتی رہی ۔ علاوہ ازیں دونوں صوبوں کے درمیان تجارت کا توازن بھی ہمیشہ مشرقی پاکستان کے حق میں غیر موافق رہا ۔

۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۳ء کے درمیان مشرقی پاکستان کے لیے مغربی پاکستان کی برآمدات کی مالیت ، مشرقی پاکستان سے ہونے والی برآمدات سے ۹۰۹ ملین روپے زیادہ تھیں (۴۱) ۔ ان اعداد و شمار کے بالکل درست ہونے پر شک کیا جا سکتا ہے

تاہم انہیں سرے سے مسترد کرنا ممکن نہیں ۔

یہ امر بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ مرکزی حکومت نے مشرقی پاکستان کی معاشی ترقی کی بجائے مغربی پاکستان میں صنعتوں کے قیام میں زیادہ دلچسپی لی تاہم مرکزی حکومت کے فیصلے کے کئی اسباب تھے ۔ اولاً مغربی پاکستان میں مختلف النوع صنعتوں کے لیے خام مال پیدا ہوتا تھا ۔ خاص طور پر کپڑے کی اہم صنعت کے لیے کپاس کی پیداوار ملک کے اسی حصے سے مخصوص تھی ۔ ثانیاً ۱۹۴۷ء میں بھارت سے ہجرت کرنے والے تقریباً تمام مسلمان سرمایہ دار مغربی پاکستان میں آباد ہوئے اور انہوں نے ملک کے مشرقی حصے میں سرمایہ کاری سے گریز کیا ۔ مغربی پاکستان میں سرمایہ کاروں کی کل تعداد کا ۸۳ فیصد حصہ ایسے ہی مہاجرین پر مشتمل تھا (۳۹) ۔ اس کے برعکس ہندو سرمایہ کاروں کی ایک بڑی تعداد تقسیم کے وقت نقلِ مکانی کر کے بھارت چلی گئی جس سے معیشت میں خلا پیدا ہو گیا ۔ ثالثاً بھارت سے لاکھوں مہاجرین ہجرت کر کے مغربی پاکستان میں آباد ہوئے ، جنہیں روزگار فراہم کرنا ضروری تھا ۔ علاوہ ازیں کراچی میں دارالحکومت کے قیام کا فیصلہ بھی مغربی پاکستان کی صنعتی ترقی کے فروغ کا باعث بنا ۔ ادھر آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ امریکی امداد اپنے ساتھ افراط زر ملے کر آئی ۔ جس کے نتیجہ میں معاشی صورت مزید بگڑ گئی ۔ افلاس ، بیماری اور بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی آفات نے مشرقی پاکستان کے دانشوروں کے اس پروپیگنڈہ کے لیے سازگار فضا مہیا کر دی کہ مشرقی پاکستان کی جدوجہد نو آبادی بن کر زندہ رہنے سے انکار کا دوسرا نام ہے ۔ بے شک ہم اگست ۱۹۴۷ء کے بعد سیاسی طور پر آزاد ہو چکے ہیں تاہم ہمیں اقتصادی آزادی ابھی تک حاصل نہیں ہوئی (۴۰) ۔ ۱۹۵۶ء تک مغربی پاکستان کے عوام خصوصاً دانشور اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ صوبے کی اقتصادی پسماندگی علاقائی خود مختاری کے بغیر دور نہیں کی جا سکتی ۔ تعلیمی حلقوں ، اخبارات اور سیاسی جماعتوں کے پلیٹ فارموں سے ان خیالات کا عام اظہار کیا جاتا اور آخر کار علاقائی خود مختاری کی بحث ایک "عظیم قومی مناظرے" کی شکل اختیار کر گئی (۴۱) ۔

ملک کے مشرقی حصے میں مسلم لیگ کا کردار مایوس کن تھا ۔ آزادی سے

قبل اس جماعت نے ہندوستانی مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑی تھی اور اسے اُن کی امنگوں کا ترجمان سمجھا جاتا تھا ۔ ۴۶-۱۹۴۵ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ نے صوبائی اسمبلی کی ۹۶٫۷ فیصد مسلم نشستیں جیت کر بنگال میں شاندار فتح حاصل کی تھی (۴۲) ۔

مسلم لیگ اپنے شاندار ماضی اور نظریۂ پاکستان کی علمبردار جماعت ہونے کی حیثیت میں قومی یکجہتی کا عظیم سرچشمہ ثابت ہو سکتی تھی مگر ہوا یہ کہ آزادی کے بعد اس کی قیادت بعض خود غرض اور کوتاہ بین سیاست دانوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جنہوں نے اسے سازشوں کی آماجگاہ بنا دیا ۔ مسلم لیگ کے اندرونی جوڑ توڑ اور اقتدار کی سیاست سے مایوس ہو کر پرانے کارکن اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور انہوں نے علیحدہ جماعتیں قائم کر لیں ۔ مشرقی پاکستان میں اس کی مقبولیت میں کمی کی بڑی وجہ عوام کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے میں ناکامی تھی (۴۳) ۔ بنگالیوں میں یہ تاثر بھی جنم لے چکا تھا کہ مسلم لیگ کے راہنماؤں کا رویہ مشرقی پاکستان سے ہتک آمیز ہے اور یہ کہ ہم " بنگالی "کوئی مفتوح قوم ہیں اور ان کا تعلق فاتحین سے ہے (۴۴) ۔ آزادی کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں مسلم لیگ اپنی گرفت کھو بیٹھی اور ۱۹۵۴ء کے عام انتخابات میں اسے افسوسناک شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ مشرقی پاکستان میں سیاسی میدان سے مسلم لیگ کی رخصتی کے ساتھ ہی قومی یکجہتی کی آرزو موہوم ہو گئی (۴۵) ۔

مرکزی حکومت نے مشرقی پاکستان سے ہمیشہ عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں یہاں کے عوام کی بدگمانیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ حکومت نے اس کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہ کی ۔ حکمران پارٹی بھی دستور ساز اسمبلی کے بنگالی اراکین کی شکایات اور مطالبات سے صرفِ نظر کرتی رہی (۴۶) ۔ اکثر پالیسیاں نوکر شاہی کے ہاتھوں تشکیل پاتیں جسے مشرقی پاکستان کے مسائل کا بہت کم ادراک حاصل تھا ۔ صوبے کے لیے گورنروں اور وزراء کا انتخاب کرتے ہوئے حکمران طبقہ عوامی نمائندوں کو اعتماد میں لینا ضروری نہ سمجھتا ۔ مشرقی پاکستان کے عوام کا خیال یہ تھا کہ بعض بنگالی وزرائے اعظم اور گورنر جنرل ان کے حقیقی ترجمان نہیں ۔ مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ اور پاکستان کے وزیر اعظم

خواجہ ناظم الدین نے بنگالی عوام کی حالت بہتر بنانے میں شاید ہی کوئی کردار ادا کیا ہو ۔ ان کی وزارتِ عظمیٰ کے زمانے میں "قومی وقار زبوں حالی کا شکار ہوگیا، صوبائیت کو فروغ ملا، علاقائی مفادات نے قومی نقطۂ نظر پر غلبہ حاصل کر لیا، سیاسی طور پر انہوں نے جمود کی فضا کو جنم دیا" (۴۷) اور بقول زیڈ اے سلہری ان کی پالیسیوں نے "ملک کو افسوسناک طور پر تقسیم کر دیا" (۴۸)۔ ان کے جانشین محمد علی بوگرہ تو مشرقی پاکستان کے عوام کے منتخب نمائندے بھی نہیں تھے ۔ اسی طرح دستور ساز اسمبلی کے مختلف بنگالی رکن یا تو مشرقی پاکستان کے باشندے نہیں تھے یا پھر عوام سے اپنا رابطہ منقطع کر چکے تھے ۔ بنگالیوں کے ذہنوں میں یہ یقین راسخ ہو چکا تھا کہ وہ ملکی معاملات میں کبھی بھی فیصلہ کن کردار ادا نہیں کر سکتے ۔ ناظم الدین گورنر جنرل کے ہاتھوں برطرف ہوئے ۔ محمد علی بوگرہ اپنے اقتدار کے دوران میں تمام عرصہ اس مغربی پاکستانی ٹولے کے اسیر رہے جس نے انہیں حکومت کے ایوان تک پہنچایا تھا ۔ بنگالی اراکین اسمبلی نے اپنی عددی قوت کے بل بوتے پر گورنر جنرل کے اختیارات کو محدود کرنا چاہا مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گورنر جنرل نے اسمبلی ہی کو برطرف کرنے کا اعلان کر دیا ۔ مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی شکست کے بعد تقریباً ایک سال تک مغربی پاکستانی افسر شاہی کی حکمرانی رہی ۔ یہ تھا وہ اندازِ نظر جس سے بنگالیوں کی اکثریت پاکستان کے پہلے دس برسوں کی تاریخ کو دیکھتی تھی (۴۹) ۔ ۷۹ اراکین پر مشتمل ملک کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں مشرقی پاکستانیوں کی ۴۴ نشستیں تھیں اور یوں انہیں اسمبلی میں اکثریت حاصل تھی ۔ خواجہ ناظم الدین اور دوسرے بنگالی راہنما ایک سیاسی سمجھوتے کے نتیجے میں مزید نصف درجن نشستیں مغربی پاکستان کے حوالے کرنے پر رضامند ہو گئے ۔ اس طرح اسمبلی میں مشرقی پاکستان کی اکثریت ، اقلیت میں تبدیل ہو گئی ۔ سر ناظم الدین نے یہ ایثار کرتے ہوئے اپنے صوبے کے عوام کو اعتماد میں لینا ضروری نہ سمجھا (۵۰) ۔ ان تمام عوامل نے بنگالیوں کے احساس محرومی کو فروغ دیا اور یوں مشرقی پاکستان میں علاقائی رجحانات مستحکم ہوتے چلے گئے ۔

مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی جگہ سنبھالنے والی بیشتر سیاسی جماعتیں علاقائی حیثیت کی حامل تھیں ۔ ان جماعتوں میں سہروردی اور مولانا بھاشانی کی

عوامی لیگ اور فضل حق کی کرشک سرامک پارٹی کو نمایاں مقام حاصل تھا ۔ عوامی لیگ نے بہت جلد ایک عوامی تحریک کا مقام حاصل کر لیا ۔ عوامی لیگ کی قیادت نے تحریک پاکستان کے دوران میں فعال کردار ادا کیا تھا ۔ ثانیاً بنگالی کو ملک کی سرکاری زبان بنانے کی مہم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کا سہرا اسی جماعت کے سر تھا ۔ ثالثاً عوامی لیگ ایک ترقی پسند جماعت کے طور پر متعارف تھی جبکہ مسلم لیگ کو مغربی پاکستان کے مفادات کا پاسدار سمجھا جانے لگا تھا ۔ رابعاً عوامی لیگ علاقائی مفادات کی پرجوش علمبردار تھی اور اس کے پروگرام میں عوام کے لیے غیر معمولی کشش موجود تھی ۔ عوامی لیگ کا وعدہ تھا کہ وہ بنگالیوں کو مغربی پاکستانیوں کے شکنجے سے آزاد کرا کے دم لے گی ۔ خاصاً سیکولر پارٹی کی حیثیت سے اسے غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں کی ، جو سیاسی اور معاشی میدان میں غیر معمولی اثر و رسوخ کے حامل تھے ، بھرپور امداد میسر آگئی ۔ ان عوامل کی بنا پر عوامی لیگ طالب علموں اور بائیں بازو کے عناصر کی ہردلعزیز سیاسی جماعت بن گئی اور یہی دو طبقے مشرقی پاکستان کی سیاست کی روحِ رواں کی حیثیت رکھتے تھے ۔ ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان میں عام انتخابات منعقد ہوئے ۔ عوامی لیگ ، کرشک سرامک پارٹی ، نظام اسلام پارٹی اور گاناتانتری دل پر مشتمل یونائیٹڈ فرنٹ نے ۲۱ نکات پر مبنی "منشورِ آزادی" کا اعلان کیا اور اسی دعوے پر انتخاب میں حصہ لیا ۔ انتخابی مہم کے دوران میں یونائیٹڈ فرنٹ نے عوامی مقبولیت حاصل کرنے کے لیے علاقائیت کا پرچار کیا اور مغربی پاکستان کے خلاف نفرت کو ہوا دی (۵۱) ۔ مشرقی پاکستان مسلم لیگ اس پروپیگنڈے کا مقابلہ نہ کر سکی ، چنانچہ اسے عبرت ناک شکست ہوئی اور وہ ۳۰۹ میں سے صرف ۹ نشستیں حاصل کر سکی ۔ وزیر اعلیٰ سمیت تمام صوبائی وزیروں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ نئی قیادت کا نقطۂ نظر غیر معمولی طور پر متعصبانہ اور علاقائی رجحانات کا حامل تھا ۔ مغربی پاکستان میں یونائیٹڈ فرنٹ کی کوئی سیاسی بنیاد موجود نہیں تھی اور اس کے لیے قومی قیادت کا منصب حاصل کرنا ممکن نہیں تھا ۔ قومی نقطۂ نظر کی حامل قیادت کا فقدان ملکی یکجہتی کے لیے غیر معمولی طور پر مضر ثابت ہوا اور یوں پاکستان کی سیاست صوبہ پرستی کا شکار ہو کر رہ گئی ۔

انتخابات کے بعد صوبے میں صنعتی بدامنی ، بلووں ، مظاہروں اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا ۔ اس سے پیشتر یونائیٹڈ فرنٹ انتخابات کے دوران میں

طبقاتی تضادات ، بنگالی اور غیر بنگالی کے امتیاز کو ہوا دینے کی شعوری کوششیں کر چکا تھا(۵۲) ۔ چنانچہ صوبے میں کئی مقامات پر انتظامیہ اور مزدوروں یعنی بنگالیوں اور غیر بنگالیوں کے درمیان خوفناک تصادم ہوئے جن میں متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے ۔ ان فسادات سے چند روز پیشتر مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ فضل حق نے کلکتہ کا دورہ کیا ۔ انہوں نے وہاں رائٹر اور نیو ٹائمز کے نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پاکستان کے مسائل کا حقیقی حل آزادی ہے ۵۳۔ بعض اخباری اطلاعات کے مطابق اپنے اعزاز میں منعقد ہونے والے ایک استقبالیہ میں انہوں نے کہا کہ "ہمیں یقین ہے کہ ہم مشترکہ زبان اور ثقافت کے رشتوں میں بندھے ہوئے دونوں بنگالوں کے درمیان قائم کی جانے والی مصنوعی حد بندیوں کو دور کر دیں گے" ۵۴۔ یہ بیانات یونائیٹڈ فرنٹ کے علاقائی خود مختاری کے نظریے کے بارے میں خدشات کا باعث بنے ۔ بعد میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے نتیجہ میں فضل حق کی وزارت کو برطرف کر دیا گیا اور مشرقی پاکستان میں گورنر راج نافذ ہو گیا ۔ نامزد گورنر سکندر مرزا نے کیمونسٹ پارٹی کو خلاف قانون قرار دے دیا ، اخباروں پر سنسر لگا دیا گیا اور بڑے پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں ۔ اس موقع پر شرپسندوں کی بہت بڑی تعداد بھارت فرار ہو گئی ۔ مرکزی حکومت کی طرف سے یونائیٹڈ فرنٹ کی حکومت کی برطرفی اس بنا پر عمل میں لائی گئی تھی کہ وہ "ملک کی یکجہتی کے خلاف سرگرم عمل تھی(۵۵)بنگالی وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے فضل حق کو غدار قرار دیتے ہوئے الزام عائد کیا کہ وہ "مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لیے سازشوں میں مصروف تھے" ۵۶ ۔ اگرچہ گورنر راج کا نفاذ صوبے کی سیاسی صورت حال کا ناگزیر نتیجہ تھا ۔ مگر بنگالی قوم پرستوں نے اسے مرکز اور مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے استعمال کیا ۔ ان کے پروپیگنڈے کا نچوڑ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی جمہوری حکومت کی برطرفی دراصل مرکز کی ، جس پر مغربی پاکستان کی افسر شاہی اور سیاستدانوں کا غلبہ ہے ، گہری سازش کا شاخسانہ ہے ۔

اگست ۱۹۵۵ء میں چوہدری محمد علی نے وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالا ۔ اس وقت تک گورنر جنرل کا عہدہ غلام محمد کے پاس تھا۔ چوہدری محمد علی اپنی ذاتی خوبیوں کی بنا پر قومی حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ تاہم ان

کی تعیناتی ایک مسلمہ روایت کو پس پشت ڈالتے ہوئے عمل میں لائی گئی تھی ۔ اب تک ہوتا یہ آیا تھا کہ وزیر اعظم اور گورنر جنرل میں سے ایک مشرقی پاکستان اور دوسرا مغربی پاکستان سے لیا جاتا تھا ۔ محمد علی کی تعیناتی نے مشرقی پاکستان میں شدید ردِ عمل کو جنم دیا اور عوامی لیگ سے متعلق تمام اراکین دستور ساز اسمبلی نے، جن کی تعداد ۱۲ تھی ایک بیان میں کہا کہ اس تعیناتی نے مشرقی پاکستان کے عوام کا اعتماد بلا کر رکھ دیا ہے[۵۷]۔ ادھر مشرقی پاکستان میں یونائیٹڈ فرنٹ کے ابو حسین سرکار کو جنہیں اسمبلی میں اکثریت حاصل نہیں تھی ، وزارت بنانے کی اجازت دے کر ایک اور بے انصافی کی بنا ڈالی گئی ۔ ابو حسین کی وزارت تقریباً چھ ماہ تک قائم رہی اور اس عرصے میں وہ اسمبلی میں بجٹ تک پیش نہ کر سکے[۵۸] دریں اثناء ایوان کی سب سے بڑی پارٹی عوامی لیگ سرکار وزارت کا تختہ الٹنے کی سازش تیار کر چکی تھی ۔ ان متحارب گروپوں کے درمیان طاقت کا توازن غیر مسلم اراکین کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے صورتِ حال سے ہر ممکن فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ۔ اسی باعث وہ آئینی بل میں اپنی مرضی کے مطابق ترمیم کرانے میں کامیاب ہو گئے ۔ مارچ ۱۹۵۶ء میں چوہدری محمد علی نے فضل حق کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا اور بجٹ کی مدت میں دو ماہ کا اضافہ کر دیا اس طرح سرکار وزارت کو ایوان کا سامنا کیے بغیر اقتدار میں رہنے کا موقع مل گیا ۔ دوسری طرف عوامی لیگ کے راہنما ہر ممکن شرائط پر اقلیتی نمائندوں کی حمایت حاصل کرنے پر تُلے بیٹھے تھے ۔ ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء کو بھارتی ڈپٹی ہائی کمشنر نے کانگرس کے اراکین کو عشائیہ پر مدعو کیا جہاں سرکار وزارت کی حمایت چھوڑ کر عوامی لیگ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا گیا ۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ بھارتی سفارت کار کے ایماء پر کیا گیا تھا [۵۹]۔ یہ واقعہ اس حقیقت کی نشاندہی بھی کرتا ہے کہ اس وقت جب پاکستانی راہنما سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف تھے ، بھارتی حکومت ایک اقلیت کے ذریعے پاکستان کی سیاست میں عملی طور پر دلچسپی لے رہی تھی ایسا لگتا ہے کہ پاکستانی قیادت بھارت کے عزائم سے مکمل طور پر بے خبر تھی ۔

ستمبر ۱۹۵۶ء میں سہروردی کو مرکز میں حکومت بنانے کی دعوت دی گئی ۔ مشرقی پاکستان میں سرکار کی جگہ عوامی لیگ کے پارلیمانی راہنما عطاء الرحمٰن نے وزارت اعلیٰ کا منصب سنبھالا جس نے مرکز اور مشرقی پاکستان کے عوام کو وقتی طور پر یہ

احساس دلایا کہ انہیں نظرانداز نہیں کیا گیا ۔ کابینہ میں مغربی پاکستان کی نمائندہ جماعت ری پبلکن کے پاس صرف چار محکمے تھے جبکہ اس کے مقابلے میں تنہا سہروردی کے پاس سات محکموں کا انتظام تھا ۔ سہروردی ایک تجربہ کار سیاستدان تھے اور انہوں نے ایک مختصر دور حکومت میں کمال سیاسی فراست کا ثبوت دیتے ہوئے بعض متنازعہ مسئلوں کا تصفیہ کیا ۔ ان میں سے ایک اہم مسئلہ طرزِ انتخاب کا تھا(۶۰)۔ اسی طرح سہروردی نے دونوں صوبوں کے لیے زرمبادلہ کی یکساں مقدار مخصوص کر دی ۔ اس فیصلہ پر مغربی پاکستان میں تنقید کی گئی تاہم بنگالی اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے ۔ ان کا مطالبہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی پسماندگی دور کرنے کے لیے انقلابی اقدامات کیے جائیں ۔ سہروردی کے اس اعلان کے باوجود کہ ۱۹۵۶ء کے آئین میں ۹۸ فیصد خود مختاری فراہم کر دی گئی ہے ، مولانا بھاشانی نے اس مسئلے کو پورے زور شور سے اٹھایا(۶۱)۔ ان کا موقف تھا کہ مشرقی پاکستان کے عوام صوبائی خودمختاری کے مسئلہ پر مکمل طور پر متحد ہیں(۶۲)۔ ان کی مہم کے نتیجے میں مشرقی پاکستان اسمبلی میں ہونے والی ہر بحث کی تان صوبائی خودمختاری کے مسئلہ پر آکر ٹوٹتی ۔ اپریل ۱۹۵۷ء میں مشرقی پاکستان کی اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی ، جس میں کرنسی ، دفاع اور امورِ خارجہ کے سوا تمام محکمے صوبوں کی تحویل میں دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا(۶۳)۔ قرارداد کے محرک مظفر احمد کی تقریر بنگال کے سیاسی دانشوروں کی سوچ کی صحیح عکاس تھی ۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مشرقی پاکستان کو استحصالِ مسلسل کا نشانہ قرار دیا(۶۴)۔

مغربی پاکستانیوں کی دلجوئی کے لیے سہروردی نے اس قرارداد کو "سیاسی سٹنٹ" قرار دیا ۔ تاہم مجیب الرحمٰن سمیت ان کے ساتھیوں نے ان کی تائید سے انکار کر دیا ۔ آخر کار مرکزی حکومت نے سہروردی کو اختیار دیا کہ وہ مشرقی پاکستان کے لیے خود مختاری کے تعین کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دیں ۔ یہ کمیٹی کبھی معرض وجود میں نہ آسکی اور خود مختاری کا مسئلہ وقت کے ساتھ مزید گھمبیر ہوتا گیا ۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں برطرفی سے بچنے کے لیے سہروردی کو مستعفی ہونا پڑا ۔ اس موقع پر مجیب الرحمٰن نے کہا کہ سہروردی کا استعفی مغربی پاکستانیوں کے "مخصوص مفادات" کا کیا دھرا ہے کیونکہ وہ مشرقی پاکستان میں صنعتوں کے قیام اور بڑی تعداد میں زرمبادلہ کی تخصیص پر ان سے ناراض تھے(۶۵)۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندو

بھارت کو غذائی اجناس ، سونے اور دیگر اشیاء کی وسیع پیمانے پر سمگلنگ کرتے رہے ۔ جس کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان کی معیشت پر منفی اثرات مرتب ہوئے ۔ سہروردی کے بعد چندریگر نے وزارت اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد سمگلنگ کی روک تھام کے لیے مؤثر اقدامات کا فیصلہ کیا اور انہوں نے بھارت کے ساتھ مشرقی پاکستان کی سرحدوں کو سیل کر دیا ۔ سمگلنگ کی مہم کے نگران جنرل امراؤ خان نے ریڈیو پر خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ ہر سال ۶۰ کروڑ روپے کا سرمایہ بھارت کو سمگل کر دیا جاتا ہے اور اس دھندے میں مشرقی پاکستان کانگرس کے اراکین اور بڑے بڑے سیٹھ ملوث ہیں۔اس خطاب کے بعد مذکورہ افراد کی ایک بڑی تعداد فرار ہو کر بھارت چلی گئی (۶۶)۔ سمگلنگ کے مسئلے کی سنگینی کے باوجود حکومت ہندوؤں کے دباؤ کے سامنے جھک گئی ۔ دراصل مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کے لیے کانگرس پارٹی کے بغیر حکومت چلانا ممکن ہی نہیں تھا اور کانگرس نے واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیا تھا کہ اگر سمگلنگ کے خلاف فوجی کاروائی بند نہ کی گئی تو وہ عوامی لیگ کی حمایت سے دستبردار ہو جائے گی (۶۷)۔ چنانچہ عوامی لیگ نے سہروردی کے توسط سے مرکزی حکومت پر دباؤ ڈالا ۔ جس کے نتیجہ میں وزیر اعظم چندریگر نے اپنے احکامات واپس لے لیے ۔ یہ ایک واقعہ مشرقی پاکستان کے معاملات میں ہندوؤں کا اثرورسوخ اور عمومی طرز عمل بخوبی سمجھنے کے لیے بہت کافی ہے ۔

عوام جمہوریت کے نام پر حکومت میں آئے دن کی تبدیلیوں سے تنگ آ چکے تھے ۱۹۵۸ء میں یہ جمہوری تماشا اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا ۔ ۳۱ مارچ کو فضل حق نے عطاءالرحمن کی وزارت کو برطرف کر دیا ۔ فضل حق کا موقف یہ تھا کہ برسر اقتدار وزارت کو ایوان کی اکثریت کی حمایت حاصل نہیں ۔ سہروردی نے مرکزی حکومت پر دباؤ ڈالا جس نے فضل حق کو بھی برطرف کر دیا ۔ اس سے پیشتر کہ نیا گورنر حلف اٹھاتا ، فضل حق نے ابو حسین سرکار کو وزیر اعلیٰ کے طور پر نامزد کر دیا ۔ گلے بارہ گھنٹوں کے دوران میں ابو حسین سرکار کو بھی ان کے منصب سے ہٹایا جا چکا تھا اور عطاء الرحمن کی کابینہ دوبارہ اقتدار سنبھال چکی تھی ۔ اقتدار کی اس تمام کشمکش میں نیشنل عوامی پارٹی نے ایک کے بعد دوسری وزارت کی حمایت اور پھر مخالفت کر کے انتہائی منفی کردار ادا کیا (۶۸)۔ ۱۸ جون ۱۹۵۸ء کو عوامی لیگ کی حکومت کو ایوان میں شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ کیونکہ "نیپ" نے حکومت

کی حمایت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تھا ۔ نیپ نے کرشک سرامک پارٹی کو مندرجہ ذیل شرائط پر اپنی حمایت کی پیشکش کی ۔

۱ ۔ مخلوط طرزِ انتخاب
۲ ۔ "صوبائی خودمختاری" کے اصول پر غیر مشروط حمایت
۳ ۔ آزادانہ خارجہ پالیسی
۴ ۔ وحدتِ مغربی پاکستان کا خاتمہ
۵ ۔ یونائیٹیڈ فرنٹ کے ۲۱ نکات پر عمل درآمد(۶۹)۔

۲۰ جون کو ابو حسین سرکار نے حکومت تشکیل کی مگر اس کا اقتدار چند روزہ ثابت ہوا ۔ "نیپ" ایک بار پھر سرکار حکومت سے دستبردار ہو گئی اور اس نے عوامی لیگ کے ساتھ پانچ نکات کی بنیاد پر معاہدہ کر لیا ۔ ۲۳ جون کو سرکار وزارت کو شکست ہوئی ۔ مشرقی پاکستان کی سیاسی صورتِ حال اتنی غیر مستحکم اور بے معنی ہو چکی تھی کہ ۲۴ جون کو صوبے میں صدارتی راج نافذ کر دیا گیا اور وزارت اور اسمبلی دونوں کو برطرف کر دیا گیا ۔

عوامی لیگ کی حکومت نے ۱۹۵۸ء میں دوبارہ برسرِاقتدار آنے کے بعد اسمبلی میں سپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی ۔ سپیکر نے تحریک کے خلاف رولنگ دیتے ہوئے اجلاس برخواست کرنے کا اعلان کیا اور خود ایوان سے غائب ہو گیا ۔ عوامی لیگ اور کرشک سرامک پارٹی کے اراکین کے درمیان تند و تیز جملوں کے تبادلے نے جھگڑے کی شکل اختیار کر لی ۔ ایوان میں کرسیاں چلنے لگیں ۔ ستمبر میں اسمبلی کا اجلاس دوبارہ طلب کیا گیا مگر متحارب گروہوں کے جذبات کی شدت بدستور قائم تھی ۔ چنانچہ کچھ دیر بعد ایوان میدانِ کارزار کا منظر پیش کرنے لگا ۔ اراکین اسمبلی کا یہ مجادلہ ڈپٹی سپیکر شاہد علی کی ہلاکت پر منتج ہوا ۰ ۔ ادھر مغربی پاکستان میں بھی مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کے درمیان رسہ کشی اپنے رنگ دکھا رہی تھی ۔

عوام سیاسی راہنماؤں کو کافی عرصے سے مرکز اور صوبوں میں ایک ہی کھیل میں مصروف دیکھ کر تنگ آ چکے تھے ۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اقتدار ایک مطلق العنان گروہ کی جاگیر بن چکا ہے ۔ سیاسی غیر استحکام کے نتیجہ میں ملک کی

اقتصادیات تیزی سے متاثر ہو رہی تھی ۔ اسے تاریخ کی ستم ظریفی کہا جا سکتا ہے کہ حکمران ٹولے کی اکثریت کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا ۔ اس ٹولے کی ہوس اقتدار اور محلاتی سازشوں نے دونوں صوبوں کو یکساں طور پر نقصان پہنچایا ۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لا کے نفاذ کے بعد جنرل محمد ایوب خان نے صدارت کا منصب سنبھالا ۔ انہوں نے سیاستدانوں کو پارلیمانی نظام کی ناکامی کا ذمہ دار قرار دیا مگر بنگالی سیاستدانوں کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ دراصل ملک میں پارلیمانی جمہوریت کو کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا ۔ انہوں نے الزام لگایا کہ صدر سکندر مرزا نے مرکز اور مشرقی پاکستان میں اعلیٰ عہدوں پر فائز سرکاری افسروں کے ساتھ مل کر پارلیمانی حکومت کے کام میں مسلسل دخل اندازی کا عمل جاری رکھا (۷)۔

سکندر مرزا اور ان کے دوستوں نے مغربی پاکستان میں بھی اس انداز سے جمہوری عمل میں مداخلت کی اور عجیب اتفاق ہے کہ سکندر مرزا کے مددگار تمام سول سرونٹ مغربی پاکستان سے متعلق تھے یا یہاں آکر آباد ہوئے تھے ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حکمرانوں کے اعمال کا نتیجہ دونوں صوبوں کے عام آدمی کو بھگتنا پڑا اور کوئی بھی اہلِ نظر پارلیمانی جمہوریت کی ناکامی کے ذمہ دار افراد کو ملک کا بہی خواہ قرار نہیں دے سکتا ۔

پارلیمانی جمہوریت کا یہ دور سیاسی عدم استحکام اور آئینی بحران کا دور تھا ۔ اس تمام عرصے میں ملکی سیاست صوبائی قیود سے باہر نہ نکل سکی اور اس دوران میں علاقائی خودمختاری ، لسانی تنازعات اور معاشی تفاوت کو اس کے بنیادی موضوعات کی حیثیت حاصل رہی ۔ ان تمام عوامل اور اقتدار کے ڈھانچے میں مشرقی پاکستان کی عدم شرکت سے بنگالیوں میں احساسِ محرومی پیدا ہوا جس نے مشرقی اور مغربی پاکستان میں سیاسی اختلافات کو ہوا دی ۔ انتخابات کے ذریعے قومی یکجہتی کے عمل کو تیز کیا جا سکتا تھا ۔ مگر فوج اور نوکر شاہی کے حکمران گروہ نے ان کے انعقاد کے امکانات ہی معدوم کر دیئے ۔ بد قسمتی سے حکمرانوں کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ ملک کے سیاسی مسائل کا حل فوجی طرزِ حکومت کی بجائے جمہوری عمل کے فروغ اور سیاسی اداروں کی بالادستی میں مضمر ہے ۔ ایسے جمہوری ادارے جن میں عوام کو مؤثر شرکت کا احساس حاصل ہو اور وہ سمجھیں کہ وہ اپنی تقدیر کے خود مالک

ہیں ۔ عوام نے اس خواب کی تکمیل کے لیے پاکستان بنایا تھا اور یہی احساس مضبوط پاکستان کی ضمانت تھا ۔ جب یہ احساس کمزور ہوا تو ملک کی بنیادیں بھی کمزور ہوتی چلی گئیں ۔

حواشی

۱۔ مسلم لیگ کے تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مسلم لیگ کا دورِ حکومت" (۵۴ ۔ ۱۹۴۷ء)

2. Lord Birdwood, A Continent Decides, p .33 .

3. Constituent Assembly of Pakistan, Debates, Vol 1, 16 January 1956 p - 1816.

۴: پاکستان کی آئین ساز اسمبلی ، روئداد ، جلد ، ۱، ۱ ۔ مارچ ۱۹۴۸ ، ص ۔ ۸۲ عزیز احمد کی تقریر۔

5. Mushtaq Ahmad, Government and Politics in Pakistan, p. 115
6. Ralph Braibanti, Research on the Bureaucracy of Pakistan, p.47.
7. For detailed study, see Donald Lokhart Atwell, East Pakistan: A study in Political Geography, unpublished Ph D. Dissertation. Clark University, Worester, Massachusetts.
8. Keith Callard, Pakistan: A political Study, p.157.
9. Safar A Akanda, "East Pakistan and Politics of Regionalism". Unpublished Ph D thesis, University of Denver, 1970, p. 47
10. Khalid b. Saeed, The Political System of Pakistan. pp.183-84. Ref: Lord Birdwood, p- 144.
11. Lord Birdwood, p-125

۱۲: ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے نتائج و عواقب کے لیے ملاحظہ ہو باب دوم

13. Lord Birdwood, p- 125
14. Lord Birdwood, p- 125

۱۵: انور رضا ، یادوں کے جھروکے ۔ ص ۷۷ ۔ یہ کتاب مصنف کے طویل عرصہ تک مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں ذاتی تاثرات پر مشتمل ہے ۔ مزید ملاحظہ ہو :

۱۶: بلراج مدھوک نے ان حقائق کا ذکر اپنے محترم شیاما پرشاد مکرجی کی سوانح حیات میں کیا ہے ۔ تفصیل کے لیے خواجہ سرور کا مقالہ Pakistan Horizon کراچی کے مشرقی پاکستان بحران نمبر میں ملاحظہ فرمائیے (کراچی ۱۹۷۱ء) ص ۔ ۵

۱۷: بحوالہ انور رضا ، ص ۔ ۱۲۵

مزید دیکھیے الطاف الطاف گوہر ۔ "دامان خیال" (اُردو) ڈائجسٹ ، لاہور ، اکتوبر ۱۹۷۵ ،
ص ۔ ۱۷ ۔ ۱۹

. M.D.Dhillon, Respite of Revolution, P-5
19. S.M Zafar, Through the Crisis, p-33.

۲۰ ملاحظہ ہو متن رپورٹ شائع شدہ New Times (راولپنڈی) ۱۹ ، مارچ ۱۹۷۱ء

۲۱: ملاحظہ ہو متن رپورٹ شائع New Times (راولپنڈی ۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء)

۲۲: بحوالہ مشتاق احمد ، ص ۔ ۱۵۱

۲۳: حسین شہید سہروردی (وزیر اعظم پاکستان ۔ ۱۹۵۶ء ۔ ۵۷) نے گاندھی سے ملاقات کی اور ان کے عظیم تر بنگال کے منصوبے پر تبادلہ خیال کیا ۔ ملاقات کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "میں نے اپنے ذہن میں موجودہ متحدہ بنگال کا خاکہ گاندھی کے سامنے پیش کیا ہے ۔ "میں سمجھتا ہوں کہ بنگال کو تقسیم کرنے کا منصوبہ ہم سب کے لیے تباہی اور بربادی کا باعث ہوگا۔"
The Pakistan Time ۱۳ مئی ۱۹۴۷ء

24. Constituent Assembly of Pakistan, Debates, Vol. II (25 February 1959), P-15.

۲۵: ایضاً ص ۔ ۱۷

۲۶ بحوالہ انور رشا ۔ ص ۶۶ ۔ ۶۷

27. Lord Birdwood, op. cit., p. 145; and Rounaq Jahan, Pakistan Failure in National Integration, p-41
28. Kamruddin Ahmad, The Social History of East Pakistan, p-110
29. Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah, Speeches as Governor-General, pp.87-88
30. Stanley Maron, "The Problem of East Pakistan", Pacific Affairs, June 1955, p.133

۳۱: رونق جہاں ۔ ص ۔ ۳۸

32. Constituent Assembly of Pakistan, Debates, Vol. I (2 March 1948), p-140.

ایضاً ۔ ۸ اور ۲۱ نومبر ۱۹۵۰ء ۔ ملاحظہ ہو تقریر نور احمد ۔

۳۴: بحوالہ رونق جہاں ، ص ۔ ۴۳

35. Donald Lokhart Atwell, opcit., p-269.
36. Hugh Tinker, India and Pakistan: A Political Analysis, p-17

۳۷: بحوالہ قمر الدین احمد ۔ ص ۔ ۱۵۳

38. Statistical Bulletin, February 1959.
39. Economic Survey of East Pakistan, 1964-65 (Government of

East Pakistan, Finance Department, Dacca), p–8.

40 Muzaffar Ahmad, Why Regional Autonomy? (Pamphlet), pp.1 19. Also see Hugh Tinker,opcit. p.71; and H.M. Habibullah's Report, The New Times, Rawalpindi, 19 March, 1971.

:۴۱ بحوالہ سفار اے آکنڈا، ص ـ ۱۶۴

:۴۲ بحوالہ قمر الدین احمد ـ ص ـ ۷۰

44 Constituent Assembly of Pakistan, Debates, Vol. I, 7 September 1955, p. 530. Speech by Ataur Rehman Khan

:۴۵ تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر صفدر محمود کی کتاب "مسلم لیگ کا دور حکومت" لاہور ـ ۱۹۸۶ء

:۴۶ مصنف کا نور الامین مرحوم (وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان ۱۹۴۵ء ـ ۵۴ء) کے ساتھ انٹرویو ـ مزید ملاحظہ ہوں تقاریر شمس الدین کھندکر، روئداد قانون ساز اسمبلی، مشرقی بنگال، جلد III ۱۶ مارچ ۱۹۴۹ء ـ ص ۱۶۴ ـ ۶۵

47. Z. A. Suleri, Politicians and Ayub, pp. 45–46.

:۴۸ ایضاً ـ ص ـ ۶۸

49. Keith Callard, op.cit., p.173.

:۵۰ بحوالہ قمر الدین احمد، ص ـ ۱۰۶

:۵۱ سید نور احمد، مارشل لا سے مارشل لا تک، ص ۴۱۴

:۵۲ اُردو ڈائجسٹ، اگست ۱۹۷۱ء ـ ص ـ ۴۰

:۵۳ The New York Times ۲۳ مئی ۱۹۵۴ء، مزید ملاحظہ ہو ـ ایم رفیق افضل

Political Parties in Pakistan , P 133

54 Pakistan: Problem of Partition Round Table, Vol. XLIX, No 176 (September 1954,p.401

:۵۵ بحوالہ رونق جہاں، ص ـ ۲۷ ـ مزید ملاحظہ ہو The Dawn ۳۱ مئی ۱۹۵۴ء

:۵۶ The Dawn ۳۱ مئی ۱۹۵۴ء

57 Syed Shabbir Hussain. The Lengthening Shadows, p 136

:۵۸ بحوالہ قمر الدین احمد ص ـ ۱۴۲

:۵۹ اس امر کا انکشاف ابو حسین سرکار نے ایک پریس کانفرنس میں کیا تھا ـ بحوالہ سید نور احمد ـ ص ۴۵۴

:۶۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں دستور ساز اسمبلی کے فارمولے کے مطابق مشرقی پاکستان میں مخلوط اور مغربی پاکستان میں جداگانہ انتخابات کا فیصلہ کیا گیا (The Dawn) ۱۳

اکتوبر ۱۹۵۴ء) لیکن اپریل ۱۹۵۷ء میں ملک کے دونوں حصوں کے لیے مخلوط انتخابات کا قانون بنا دیا گیا ۔ قومی اسمبلی روئداد جلد III ۲۹ اگست ۱۹۵۷ء ، ص ۔ ۳۳،

۶۱: کونسل کے اجلاس میں سہروردی کے تقریر (فروری ۱۹۵۷ء)

۶۲: The Dawn ۶ مارچ ۱۹۵۷ء

۶۳ The New York Times ۴ اپریل ۱۹۵۷ء

۶۴: The Morning News. ۴ اپریل ۱۹۵۷ء

۶۵: The Dawn ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء

۶۶: بحوالہ سید نور احمد ، ص ۴۹ ۔ ۹۳

۶۷: بحوالہ سید نور احمد ، ص ۔ ۴۹ ۔ ۹۳

68. M. Ayub Khan , Friends Not Masters, p–65.

۶۹: بحوالہ سید نور احمد ، ص ۳ ، ۵

۷۰: ایضاً

۷۱ بحوالہ خالد بن سعید ، ص ۔ ۱۹۳

باب ۲

خلیج پھیلتی گئی (۱۹۵۸ء۔۱۹۶۹ء)

ایوب خان نے ۱۹۵۸ء میں مارشل لا نافذ کیاتو سیاسی عدم استحکام ، بڑھتی ہوئی بدعنوانیوں اور اقتصادی بدحالی کے ستائے ہوئے عوام نے سکھ کا سانس لیا ۔ تاہم مشرقی پاکستان کے بعض حلقوں نے اسے مشرقی پاکستان کے خلاف مغربی پاکستان کی سازش قرار دیا ۔ ان حلقوں کاموقف یہ تھاکہ اگر جمہوری عمل منقطع نہ ہوتا تو ملک کی اقتصادی زندگی اور انتظامیہ پر مغربی پاکستان کے جاگیرداروں کی گرفت بتدریج ختم ہو جاتی اور بنگالی بالآخر اپنا حق حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے(۱)۔ مگرمارشل لا کے نفاذ سے عام انتخابات کے ، جن کے نتیجہ میں بنگالی اپنا حق نمائندگی حاصل کر سکتے تھے ، امکانات معدوم ہو کر رہ گئے ہیں ۔ انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیاکہ انقلاب کے تاروپود مغربی پاکستان میں تیار کیے گئے تھے اور اس کی منصوبہ سازی غیر بنگالیوں نے کی تھی ۔ مزید برآں ان حلقوں کے مطابق "حکومت پر قابض ہونے والے افراد وہی ہیں جو موجودہ سیاسی نظام کا حصہ رہے ہیں اور ان کی جڑیں اس نظام میں بہت گہری ہیں ۔ فوج مارشل لاء کے نفاذ سے پہلے بھی ایک طویل عرصے سے ، نوکر شاہی کے ساتھ مل کر ، ملک کے سیاہ و سفید پر قابض طبقے کے ایک خاموش حصہ دار کا کردار ادا کر رہی تھی(۲)۔" چنانچہ قومی زندگی سے سیاستدانوں کی رخصتی نے اہل بنگال کی سیاسی محرومی کے احساس

کو مزید دو چند کر دیا ۔ ایوب خان کی طاقت کا سرچشمہ فوج ، نوکر شاہی اور جاگیردار طبقہ تھا ۔ اس کے مقابلے میں بعض ٹھوس تاریخی وجوہ کی بنا پر ، مشرقی پاکستان کو ان تینوں طبقات میں بہت کم نمائندگی حاصل تھی ۔ بنگالی ایوب خان کے مضبوط مرکز کو ایک ناقابلِ عمل مفروضے سے زیادہ حیثیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے(۴)۔ ان کے نزدیک 'مضبوط مرکز' مرکزی حکومت پر مغربی پاکستان کی بالادستی کا دوسرا نام تھا ۔

ایوب خان نے دونوں صوبوں پر یکساں سختی سے حکمرانی کی ۔ مغربی پاکستان میں ایک سخت گیر اور جابر جاگیردار نواب آف کالاباغ اور مشرقی پاکستان میں ریٹائرڈ انسپکٹر جنرل آف پولیس ذاکر حسین کی بطور گورنر تعیناتی ایوب خان کے آمرانہ عزائم ہی کی نشاندہی کرتی تھی ۔ ذاکر حسین نے ایک پولیس افسر کا مخصوص رویہ اپناتے ہوئے مشرقی پاکستان میں داروگیر ، خوف و ہراس اور گرفتاریوں کے سلسلے کا آغاز کر دیا اور کئی ممتاز سیاسی رہنماؤں پر پولیس کی قید میں جسمانی تشدد کیا گیا ۔ پولیس کے تشدد کا نشانہ بننے والے ان زعما میں مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے سابق جنرل سیکرٹری شیخ مجیب الرحمٰن اور عوامی لیگ سے ہمدردیاں رکھنے والے معروف صحافی تفضل حسین ایڈیٹر روزنامہ "اتفاق" بھی شامل تھے ۔ یہ دونوں بنگالی عوام کی محبوب شخصیتیں تھیں مگر اول الذکر پر ایک 'کمزور کنفیڈریشن' کے قیام کے پرچار اور موخرالذکر پر "صوبائیت کے رجحانات کو فروغ دینے والے مواد" کی اشاعت کا الزام تھا ۔

ایوب خان بنگالیوں کے جذبات سے بخوبی باخبر تھے اور انہیں اندازہ تھا کہ اگر صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات نہ کیے گئے تو قومی یکجہتی کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر جائے گا ۔ انہوں نے دونوں صوبوں کے درمیان یکجہتی کے فروغ کے لیے اقدامات تجویز کرنے کے لیے ماہرینِ تعلیم اور نفسیات دانوں کی خدمات حاصل کیں ۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے دونوں صوبوں میں قومی یکجہتی کی کونسلیں قائم کیں ، بین الصوبائی وظائف کا اجراء کیا ، افسروں کے بین الصوبائی تبادلوں کے احکامات جاری کیے اور ثقافتی طائفوں اور طالب علموں کے وفود کے بین الصوبائی دوروں کا اہتمام کیا ۔ ایوب خان کے نزدیک یہ مسئلہ اتنا اہم تھا کہ ۱۹۶۲ء کے آئین میں علاقائی تفاوت دور کرنے کے لیے خصوصی تصریح

کی گئی تھی(۵)اور دستور میں باقاعدہ ایک ایسی شق رکھی گئی جس کے تحت تفاوت کو رفع کرنا حکومت کی آئینی ذمہ داری تھی ۔ مشرقی پاکستان میں صنعتوں کے فروغ سے متعلق ایوب خان نے محض زبانی دعوے نہیں کیے(۶)۔ جون ۱۹۶۰ء میں شائع ہونے والے دوسرے پنجسالہ منصوبے میں "مشرقی پاکستان کے عوام کی ضروریات اور امنگوں کی تکمیل کے لیے" کوئی خصوصی حوالہ موجود نہیں تھا(۷)۔ فروری ۱۹۶۱ء میں ایوب خان نے منصوبے پر نظرثانی کا حکم دیا ۔ جس کے بعد منصوبے کے ترقیاتی اخراجات کا رخ مشرقی پاکستان کیطرف موڑ دیا گیا(۸) ۔ تیسرا پنجسالہ منصوبہ بھی اسی حکمت عملی کا عکاس تھا۔اس منصوبے میں سرکاری شعبے میں مشرقی پاکستان کے لیے ۱۶ سو کروڑ اور مغربی پاکستان کے لیے ۱۴ سو کروڑ روپے مختص کیے گئے تھے ۔ ایک تخمینے کے مطابق مجوزہ ترقیاتی اخراجات کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کی علاقائی آمدنی میں ۴۰ فیصد اور مغربی پاکستان کی علاقائی آمدنی میں ۳۵ فیصد کا اضافہ متوقع تھا(۹)۔

اپنے پیش روؤں کی طرح ایوب خان نے بھی اسلام اور نظریۂ پاکستان کو دونوں صوبوں کے درمیان اتحاد اور یکجہتی کی ضمانت قرار دیا(۱۰)۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ملک کے مشترکہ نظریے کی اہمیت کو اجاگر کیا ۔

انہوں نے کہا کہ "ہم بنیادی طور پر ایک ہیں ۔ ہمارا طرزِ حیات ایک جیسا ہے ۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارا مشترکہ نظریہ ہی ہمارے اتحاد کی بنیاد ہے ۔" مشرقی پاکستانی اس حقیقت کو تو تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے کہ ۱۹۴۰ء کی دہائی میں اسلام نے مغربی اور مشرقی پاکستان کے عوام کو ایک مشترکہ بندھن میں باندھ دیا تھا ، مگر ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ان کے طرزِ عمل سے صاف مترشح تھا کہ نظریے کی اس اتحاد آفرین قوت کی جگہ "افادیت پسندانہ اقتصادیات پر مبنی عوامل کارفرما ہو چکے ہیں"(۱۱) دوسرے الفاظ میں اب آئیڈیالوجی کی جگہ معاشیات لے چکی ہے ۔ یہاں تک کہ مشرقی پاکستان کے وزیرِ خزانہ نے ایک بیان میں کہا کہ "یہ توقع رکھنا مناسب نہیں ہو گا کہ اسلام کی بنیادوں پر استوار ہمارا روحانی رشتہ اس قدر مستحکم ہو گا کہ ہم اپنی تمام تر اقتصادی ناہمواریوں کو فراموش کرتے ہوئے ایک متحد اور یک جان قوم کے طور پر زندہ رہ سکیں(۱۲)۔

ایوب خان اہلِ بنگال کے دلوں میں احساسِ محرومی کے سلگتے ہوئے جذبات کی تپش سے بے خبر نہ تھے مگر ان کی حکومت کی طرف سے دونوں صوبوں کے عوام کے درمیان افہام و تفہیم کے فروغ کے لیے کیے جانے والے تمام اقدامات غلط منصوبہ بندی اور اقربا پروری کا شکار ہو گئے ۔ بین الصوبائی وظائف کی بڑی تعداد مستحق طلباء کو ملنے کی بجائے سفارشوں کی نذر ہو گئی ۔ علاوہ ازیں طالب علموں کے وفود اور ثقافتی طائفوں کے تبادلے کے منصوبے نے بھی صوبوں کے درمیان افہام و تفہیم بڑھانے کی بجائے الٹا غلط فہمیوں کو جنم دیا ۔ مشرقی پاکستان سے آنے والے ان طائفوں اور وفود کے دورے مغربی پاکستان کے صرف بڑے شہروں تک محدود رہتے اور ان کے اراکین یہ تاثر لے کر واپس جاتے کہ مغربی پاکستان ملک کے مشرقی حصے سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور خوشحال ہے ۔ مشرقی پاکستان میں متعین کیے جانے والے مغربی پاکستانی افسر بھی دونوں صوبوں کے درمیان دوری میں اضافے کا باعث بنے ۔ مقامی آبادی سے ان کا رویہ مغائرت پر مبنی تھا اور اس امر کی غمازی کرتا تھا جیسے بنگالی ان کے ہم وطن ہونے کی بجائے کسی دوسری قوم کے باشندے ہوں(۱۳)۔ ایک ممتاز مغربی پاکستانی افسر نے اس رائے کی تائید کی ہے(۱۴)۔ ایوب خان کا دونوں صوبوں کے درمیان شادیوں کا منصوبہ بھی لسانی اور ثقافتی اختلافات کی بنا پر پروان نہ چڑھ سکا ۔ قومی لسانی ہم آہنگی اور افہام و تفہیم کے فروغ کے لیے قائم کیے گئے قومی یکجہتی کے مراکز بنگالی قومیت کی جولا نگاہیں بن کر رہ گئے ۔ اقتصادی مساوات کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستانیوں نے اعلیٰ ملازمتوں اور افواج میں بھی برابر کے حصے کا مطالبہ کیا ۔ اگرچہ یہ مطالبات نئے نہ تھے مگر ان میں یہ شدت پہلی دفعہ دیکھی گئی ۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مشرقی پاکستانیوں میں یہ احساس بیدار ہو چکا تھا کہ ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں سول سروس اہم کردار سرانجام دیتی ہے ۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ سیکرٹریٹ میں اعلیٰ اسامیوں پر بڑی تعداد میں فائز ہوئے بغیر عدم مساوات کو دور نہیں کیا جا سکتا(۱۵)۔ ۱۹۶۴ء تک بھی ملک کی سول سروس میں بنگالیوں کی پوزیشن یہ تھی کہ اعلیٰ عہدوں پر صرف دو بنگالی فائز تھے جو قائم مقام سیکرٹریوں کے فرائض سرانجام دے رہے تھے(۱۶)۔

اعلیٰ ملازمتوں کا مسئلہ ایک دیرینہ مسئلہ تھا اور اس کا حل طویل المدت منصوبہ

کا متقاضی تھا ۔ اگرچہ آزادی کے بعد صورتحال خاصی بہتر ہوئی تھی ، لیکن بنگالی اس رفتار سے مطمئن نہیں تھے ۔ چنانچہ سول سروس میں تفاوت دور کرنے کے لیے کوٹہ سسٹم کا اجرا کیا گیا اور ۲۰ فیصد میرٹ نشستوں کے علاوہ مشرقی پاکستان کے لیے ۴۰ فیصد نشستیں محفوظ کر دی گئیں ۔ ۱۹۶۵ء تک کل پاکستان مقابلے میں ۶۰ ساٹھویں سے ۸۰ اسی ویں پوزیشن حاصل کرنے والا بنگالی امیدوار بھی سول سروس کے اعلیٰ کیڈر میں داخل کر لیا جاتا تھا جبکہ ۲۰ ویں پوزیشن کے بعد نمبر حاصل کرنے والے پنجابی امیدوار سول سروس سے محروم رہ جاتے ۔ ۱۹۶۶ء میں ایوب خاں نے میرٹ کا کوٹہ ختم کر دیا اور یہ ۲۰ فیصد نشستیں بھی مشرقی پاکستان کے لیے مختص کر دی گئیں ۔ اس طرح مشرقی پاکستان کے لیے نشستوں کی تعداد عملاً ۶۰ فیصد ہو گئی ۔ یوں بھی ملازمتوں کے حوالے سے مشرقی پاکستانیوں کی صورتِ حال بتدریج بہتر ہو رہی تھی ۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا انتخاب کرنے والے انڈین سول سروس کے ۸۳ افسروں میں سے صرف ایک بنگالی تھا(۱۷) ۱۹۶۵ء میں سی ایس پی افسروں کی کل تعداد کا ۳۴ فیصد حصہ مشرقی پاکستانیوں پر مشتمل تھا(۱۸) اور ۱۹۶۹ء تک یہ تعداد ۴۰٫۸ فیصد تک پہنچ چکی تھی(۱۹) ۔ جہاں تک دوسری اعلیٰ مرکزی ملازمتوں کا تعلق ہے ، وزارت خارجہ کے ۱۷۷ افسروں میں ۷۳ ، پولیس سروس کے ۲۱۰ میں ۹۲ اور فنانس سروسز کے ۶۰۶ میں ۲۰۸ افسر مشرقی پاکستان سے تھے(۲۰)

اعلیٰ ملازمتوں میں مشرقی پاکستان کے لیے ۶۰ فیصد کوٹے کی تخصیص کے بعد دونوں صوبوں کے درمیان رہا سہا تفاوت بھی چند برسوں میں ختم ہو سکتا تھا مگر بد قسمتی سے اہلِ بنگال اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے ۔ پھر بھی یحییٰ خان نے مرکز میں مغربی اور مشرقی پاکستان سے مساوی تعداد میں سیکرٹری متعین کیے اور مشرقی پاکستان میں ایک بنگالی سی ایس پی کو صوبے کا چیف سیکرٹری مقرر کیا ۔

دونوں صوبوں کی نمائندگی کے اعتبار سے مسلح افواج میں عدم مساوات کی صورتِ حال قومی زندگی کے دوسرے شعبوں کی نسبت کہیں زیادہ خراب تھی مگر یہ صورتِ حال ٹھوس تاریخی پس منظر کا نتیجہ تھی ۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو افواج کی کل تعداد کا صرف ایک فیصد حصہ مشرقی پاکستانیوں پر مشتمل تھا(۲۱) ۔ حکومت کی خواہش تھی کہ بنگالی زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوج میں شامل ہوں چنانچہ ایوب

خان نے قومی بھرتی کے لیے مقررہ جسمانی معیار میں کمی کردی جس کے نتیجہ میں ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۸ء تک فوج میں مشرقی پاکستانیوں کی تعداد میں ۱۰۰ فیصد کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۶۷ء تک یہ اضافہ بڑھ کر ۵۰۰ فیصد تک پہنچ گیا(۲۲)۔ ۱۹۶۷ء میں فضائیہ اور بحریہ کا ۳۰ فیصد حصہ مشرقی پاکستانیوں پر مشتمل تھا(۲۳)۔ تاہم فوجی ملازمتوں پر عدم مساوات کا خاتمہ راتوں رات ممکن نہیں تھا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ بنگالیوں کی فوج میں دلچسپی مایوس کن حد تک کم تھی۔ ۱۹۵۲ء میں ڈھاکہ میں قائم کیا جانے والا کیڈٹ سکول اس لیے بند کرنا پڑا کہ اس میں داخلہ لینے والے طلبا کی تعداد صرف ۱۵ تھی(۲۴)۔ فوج میں بھرتی کے لیے موصول شدہ درخواستوں کے درج ذیل گوشوارے سے فوجی ملازمت میں بنگالیوں کی دلچسپی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

گوشوارہ

	مغربی پاکستان سے درخواستوں کی تعداد (۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی ۳۴ء۰۸ ملین)	مشرقی پاکستان سے درخواستوں کی تعداد (۱۹۵۱ کی مردم شماری کے مطابق آبادی ۴۲ء۱۵ ملین)

آرمی میں بھرتی

۱۹۴۸ء	۲,۷۰۸	۸۷
۱۹۵۱ء	۱,۰۰۸	۱۳۴
۱۹۵۴ء	۳,۲۰۴	۱۶۵

نیوی میں افسروں کی بھرتی

	مغربی پاکستان		مشرقی پاکستان	
	درخواستیں	بھرتی	درخواستیں	بھرتی
۱۹۵۶ء	۱۱۰	۱۱	۲۲	۳
۱۹۵۷ء	۲۹۴	۱۵	۳۹	۳

مشرقی پاکستان میں اقتصادی مساوات کے حق میں کیے جانے والے بلند آہنگ مطالبات اور پروپیگنڈے نے عوامی جذبات کو بھڑکانے میں غیر معمولی کردار ادا کیا اور یوں دونوں صوبوں کے درمیان مستقل بدگمانیوں کی بنیاد رکھ دی ۔ عدم مساوات کا نعرہ ابتدا میں سیاسی رہنماؤں نے اپنی اپنی جماعتوں کے لیے عوامی مقبولیت حاصل کرنے کی غرض سے لگایا تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ معاملہ ایک نازک اور جذباتی صورت اختیار کر گیا ۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اسے اتنی ہوا دی گئی کہ مشرقی پاکستان کا ایک عام آدمی بھی مرکزی حکومت اور پنجابیوں کو استحصال کنندہ اور خون چوسنے والوں کے نام سے پکارنے لگا(۲۵) ۔ وفاقی حکومت کی طرف سے اقتصادی عدم مساوات کے جواز میں بعض ٹھوس وجوہ پیش کی گئیں ۔ جن کا تذکرہ ضروری ہے ۔ اولاً یہ کہ قیام پاکستان کے وقت مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان کی نسبت صنعتی تنصیبات اور فیکٹریوں کارخانوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی ۔ دوسرے یہ کہ صنعتی ترقی کا ایک بڑا شعبہ کپڑے کی صنعت تھی اور کپاس کی پیداوار مغربی پاکستان میں ہوتی تھی ۔ تیسرے متحدہ ہندوستان سے ہجرت کرنے والے بڑے سرمایہ کار زیادہ تر مغربی پاکستان میں آباد ہوئے(۲۶) ۔ یہ تھیں وہ بنیادی وجوہ جن کی بنا ۶۰ ۔ ۱۹۵۹ء میں پہلے پنجسالہ منصوبے کے اختتام پر مغربی پاکستان کی فی کس آمدنی ، مشرقی پاکستان سے ۳۲ فی صد زیادہ تھی ۔ نجی شعبے کی طرف سے سرمایہ کاری میں عدم دلچسپی کے باعث دوسرے پنجسالہ منصوبے کے دوران میں مغربی پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار میں ۶٫۴ فیصد مرکب سالانہ شرح اور مشرقی پاکستان کی مجموعی پیداوار ۴٫۴ فیصد مرکب سالانہ شرح سے اضافہ ہوا ۔ چنانچہ دونوں صوبوں کے درمیان فی کس آمدنی میں تفاوت بڑھ کر ۴۵ فیصد تک پہنچ گیا ۲۷ ۔ پہلے دو پنجسالہ منصوبوں کے دوران میں اس تفاوت میں مذکورہ اضافے کی بنیادی وجہ نجی شعبے کا رویہ تھا جو اس عرصے میں مشرقی پاکستان میں صوبائی حکومت کے حوصلہ شکن طرزِ عمل اور صنعتی بے چینی کی بناء پر سرمایہ کاری سے گریزاں رہا ۔ مشرقی پاکستان کی اقتصادی زندگی پر ہندوؤں کا غلبہ بھی وہاں سرمایہ کاری کے فروغ کی راہ میں حائل رہا ۔ دوسری طرف نجی شعبے میں حکومت کا عمل دخل نہیں تھا اس لیے سرکاری طور پر اس کی راہنمائی نہ ہو سکتی تھی ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرقی پاکستانیوں کے بعض مطالبات بالکل جائز اور

اصولی تھے ۔ مگر یہ امر اپنی جگہ حقیقت ہے کہ دونوں صوبوں کے درمیان موجود
تفاوت بہت پرانا تھا ۔ یعنی اس کا پس منظر تاریخی تھا اور ملک کے محدود
وسائل کے ذریعے اسے راتوں رات دور کرنا ممکن نہیں تھا ۔ مختلف حکومتوں کی
غفلت اور نااہلی کے نتیجہ میں زندگی کے تمام شعبوں میں تفاوت بتدریج بڑھتا چلا
گیا اور جب ایوب خان نے اقتدار سنبھالا تو اس وقت تک یہ معاملہ انتہائی نازک
اور پیچیدہ صورت اختیار کر چکا تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کے لیے
اپنی محدود اقتصادی صلاحیتوں ، نا مساعد سماجی اور سیاسی حالات اور آسمانی آفات
یعنی ہر سال آنے والے سیلابوں کے پیش نظر ترقیاتی میدان میں مغربی پاکستان
سے مقابلہ کرنا ممکن بھی نہیں تھا ۔ امریکی مصنف لارنس زیرنگ کے مطابق
"مشرقی پاکستان کے ناقابل حل مسائل کا تعلق صوبے ، اس کے محدود وسائل اور
آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے ہے" (۲۸) ۔ یہ تھی وہ صورت حال جس کے تناظر
میں ایوب خاں نے ملک کے دونوں حصوں کے درمیان اقتصادی مساوات کے
حصول کو حکومت کی آئینی ذمہ داری قرار دینے کا فیصلہ کیا ۔ تیسرے پنجسالہ
منصوبے کے تحت اقتصادی تفاوت میں ۲۰ فیصد کمی کا پروگرام تیار کیا گیا ؛ چنانچہ
اس منصوبے میں مغربی پاکستان کے لیے ۱۴۰۰ ملین روپے اور مشرقی پاکستان کے
لیے ۱۶۰۰ ملین روپے کی رقوم مختص کی گئیں ۔ ایوب خاں کی حکومت نے مشرقی
پاکستان میں سرمایہ کاری کے فروغ کے لیے مربوط اور مؤثر مثبت اقدام کیے جن
کے نتیجے میں وہاں صنعتی ترقی میں خاصہ اضافہ ہوا ۔ اولاً ۱۹۶۰ء میں حکومت نے
اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان میں بعض شعبوں میں سرمایہ کاری پر چھ سال کے لیے
ٹیکس میں چھوٹ دی جائے گی جبکہ مغربی پاکستان میں چھوٹ کی یہ مدت صرف چار
سال تھی ۔ ثانیاً مشرقی پاکستان کے لیے مشینری کی درآمدی ڈیوٹی ساڑھے بارہ فیصد
سے کم کر کے ساڑھے سات فیصد کر دی گئی ۔ ثالثاً حکومت نے مغربی پاکستان
سے آنے والے سیمنٹ کی ترسیل پر خصوصی امداد دینے کا فیصلہ کیا ۔ رابعاً مرکز
اور صوبوں کے درمیان مالیاتی وسائل کی تخصیص کے نظام پر نظرثانی کے لیے ایک
کمیشن قائم کیا گیا (۲۹) اسی طرح سٹیٹ بنک نے مشرقی پاکستان کے لیے قرضوں کی
فراہمی کے لیے غیر معمولی اقدامات کیے (۳۰) ۔ بنکوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ مشرقی
پاکستان کے صنعتی منصوبوں کے لیے آزادانہ پالیسی بروئے کار لائیں ۔

مشرقی پاکستان میں بے چینی کی لہر پر قابو پانے کے لیے کی جانے والی یہ

تمام تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں ۔ تیسرا پنجسالہ منصوبہ دونوں صوبوں کے درمیان فی کس آمدنی کے تفاوت میں ۵۱ء۸ فیصد اضافے پر منتج ہوا ۔ ۱۹۶۸ء میں قومی اسمبلی کے سامنے پیش کیے گئے علاقائی آمدنی کے تخمینے کے مطابق ۶۵-۱۹۶۴ء کے عرصے میں دونوں صوبوں میں فی کس آمدنی کا تفاوت تقریباً ۴۴ فیصد (۳۱) تھا جس میں پانچ برس کے اندر تقریباً ۲۳ فیصد اضافہ ہوا (۳۲) ۔ ایک اور اندازے کے مطابق ۶۰-۱۹۵۹ء کے دوران میں تفاوت کی ۲۸ فیصد شرح ۶۹-۱۹۶۸ء تک بڑھ کر ۶۲ فیصد ہو چکی تھی (۳۳) ۔ منصوبے پر عمل درآمد کی رفتار کے جائزے میں اس امر کا اعتراف کیا گیا کہ "بین الصوبائی مساوات ابتدائی اندازوں کے برعکس ایک نہایت نازک اور پیچیدہ معاملہ ہے ۔ اور یہ کہ اس کے حل کے لیے طویل عرصے پر محیط مسلسل مساعی کی ضرورت ہے (۳۴) ۔" چنانچہ دونوں صوبوں کے درمیان عدم مساوات نے مشرقی پاکستان کے عوام میں بددلی اور اضطراب کی کیفیت کو فروغ دیا ۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ترقیاتی امداد کا بڑا حصہ مغربی پاکستانی بڑپ کر جاتے ہیں چنانچہ سیاسی طور پر باشعور مشرقی پاکستانیوں نے اس امر پر احتجاج کا آغاز کر دیا کہ ان کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں کا سلوک کیا جا رہا ہے اور مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کی نو آبادی میں تبدیل کر دیا گیا ہے (۳۵) ۔

اپنی تمام تر مساعی کے باوجود ایوب خاں مشرقی پاکستانیوں کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے ۔ مشرقی پاکستان معاشی ترقی کی راہ پر گامزن ہو چکا تھا مگر ترقی کی رفتار وہاں کے عوام کے لیے اطمینان بخش نہیں تھی (۳۶) ۔ بعض انتہا پسند بنگالیوں کا کہنا تھا کہ "مغربی پاکستان انہیں صرف اس وقت تک اپنے ساتھ رکھے گا جب تک اس کے لیے مشرقی پاکستان میں معاشی استحصال یعنی معاشی فائدے کے امکانات باقی ہیں (۳۷) ۔"

معاشی بدحالی کے نتیجے میں بنگالیوں میں پیدا ہونے والے جذبات بالآخر دو معیشتوں کے نظریے کی صورت میں ظاہر ہوئے ۔ پاکستان کی مخصوص صورتِ حال اور مختلف ادوار میں دونوں صوبوں کے درمیان بڑھتی ہوئی عدم مساوات کو اس نظریے کے جواز کے طور پر پیش کیا گیا (۳۸) ۔ کچھ عرصہ بعد مشرقی پاکستان کے سیاست دان بھی اقتصادی ماہرین کے ہمنوا ہو گئے مگر ایوب خان کی حکومت نے دو معیشتوں کے تصور کو قومی یکجہتی کے منافی قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا ۔

تاہم اس نظریے نے "مشرقی پاکستان میں علاقائی خودمختاری کے انتہاپسند علمبرداروں کے ہاتھ مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور ان کے مبہم سیاسی اور نظریاتی نعروں کو ٹھوس بنیادیں فراہم کیں۔اس طرح وہ بنگال کے مختلف طبقوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے میں کامیاب ہوگئے (۳۹) ۔"

ایوب خان کی حکمتِ عملی کے نتیجے میں بظاہر مشرقی پاکستان میں صنعتوں کو فروغ ملا مگر عام آدمی کی معاشی حالت نہ سنور سکی ۔ افلاس ، جہالت ، بے روزگاری اور دیگر معاشرتی مسائل کا کوئی پائدار حل تلاش نہ کیا جا سکا ۔ آزادانہ معیشت کی پالیسی نے مشرقی پاکستان میں صنعت کاروں کے ایک طبقے کو جنم دیا جو صوبے کی ۷۵ فیصد سے زائد دولت پر قابض تھا ۔ ایوب حکومت کی پالیسیاں معاشی ناہمواریوں میں وسعت اور ارتکازِ زر کا باعث بنیں جس کے نتیجے میں بنگالی معاشرے کے تمام قابلِ ذکر سیاسی عناصر حکومت سے دور ہوتے چلے گئے (۴۰) ۔

بنیادی جمہوریتوں کے نظام کا مقصد دیہی قیادت کو بنیاد بنا کر ایک "عظیم تر قومی اسمبلی" کی تشکیل قرار دیا گیا تھا (۴۱) ، مگر یہ نظام سیاسی کاسہ لیسوں کے ایک گروہ کو جنم دینے کے سوا کچھ نہ کر سکا ۔ اس سیاسی نظام میں بنیادی جمہوریت کے ہاتھوں میں سیاسی اور مالی اختیارات مرتکز تھے ۔ اس بات نے عوام کے احساس محرومی اور غیر صحت مندانہ طبقاتی شعور کو مہمیز دی ۔ بنیادی جمہوریتوں کا اصل مقصد دیہی عوام کی صلاحیتوں کو ترقیاتی مقاصد کے لیے بروئے کار لانا تھا مگر اس نظام پر نوکر شاہی کے غیر معمولی تسلط کی وجہ سے یہ مقصد حاصل کرنا ممکن نہ ہو سکا ۔ مزید برآں عوام میں یہ احساس جڑ پکڑ گیا کہ حکومت دراصل بنیادی جمہوریتوں کے ذریعے اپنے اقتدار کی عمر دراز کرنا چاہتی ہے ۔ رفتہ رفتہ بنگالیوں کو یقین ہو گیا کہ نیا نظام قومی امور میں انہیں مساویانہ اختیارات دلانے میں ناکام ہو چکا ہے ۔ اقربا پروری اور بدعنوانیوں کے اقدامات نے بنیادی جمہوریتوں کے رہے سہے وقار کو بھی ختم کر دیا اور یوں یہ نظام قومی یکجہتی میں کوئی کردار ادا نہ کر سکا ۔

بنگالی جنہیں سیاسی طور پر سب سے زیادہ باشعور اور فعال سمجھا جاتا تھا "برصغیر کا مایوس ترین طبقہ" قرار پائے (۴۲) ۔ ان کی یہ سوچ بے بنیاد نہیں تھی کہ اعلیٰ ملازمتوں اور وفاقی کابینہ میں نمائندگی کی کمی کی بنیاد پر وہ قومی سیاسی زندگی

میں بھرپور حصہ نہیں لے سکتے ۔

سیاسی عمل میں پوری طرح شمولیت سے محرومی کے بارے میں بنگالیوں کی شکایات میں خاصا وزن تھا اور انہیں اعداد و شمار کی تائید حاصل تھی ۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک ملک میں پارلیمانی طرزِ حکومت کے دوران میں وفاقی کابینہ میں مشرقی پاکستان کو ۴۲ فیصد اور مغربی پاکستان کو ۵۸ فیصد نمائندگی ملی تھی گویا کابینہ میں مغربی پاکستان کا پلہ بھاری رہا تھا ۔ کیونکہ مغربی پاکستان چار صوبوں پر مشتمل تھا ۔ سہروردی کے دورِ حکومت سے قطع نظر جبکہ کابینہ میں مشرقی پاکستان کا حصہ ۵۷ فیصد تھا ، ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک مختلف وزارتوں میں مشرقی پاکستان کے حصے کی شرح ۲۷ فیصد سے ۴۷ فیصد تک رہی ۔ درج ذیل گوشوارے میں مختلف حکومتوں کے دوران وزراء ، وزراء برائے مملکت اور نائب وزراءکی کل تعداد اور صوبوں کی نمائندگی کی تفصیل دی گئی ہے ۔

گوشوارہ

وزراء وزرائےمملکت نائب وزراء کی کل تعداد (ایک وقت میں)	مغربی پاکستانیوں کی تعداد	بنگالیوں کی تعداد	بنگالیوں کی نمائندگی کا فی صد تناسب
لیاقت علی خان کی کابینہ (۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱)			
۱۹	۱۳	۶	۳۱ء۲ فیصد

(تین ڈپٹی منسٹر اور اسی کابینہ میں وزیر اور وزیرِ مملکت بن گئے ۔ کل تعداد میں وزیرِ اعظم بھی شامل ہیں ۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کا ضمیمہ ملاحظہ فرمائیے ۔

خواجہ ناظم الدین کی کابینہ (۱۹ اکتوبر ۱۹۵۱ء سے ۱۷ اپریل ۱۹۵۳)

۱۵	۹	۶	۴۰ فیصد

محمد علی بوگرہ کی کابینہ (۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء سے ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء)

۱۴	۹	۵	۳۵ فیصد

دوبارہ تشکیل شدہ کابینہ (۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء)

۱۶	۹	۷	۴۴ فیصد

چوہدری محمد علی کی کابینہ (۱۱ اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء)

۱۷	۱۰	۷	۴۱ فیصد

سہروردی کی کابینہ(۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء)

۱۴	۶	۸	۵۷ فیصد

آئی آئی چندریگر کی کابینہ (۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ء)

۱۶	۱۲	۷	۴۴ فیصد

نون کی کابینہ (۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء)

۲۷	۱۵	۱۲	۴۴.۵۰ فیصد

ایوب کی کابینہ (پہلی) (۲۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء تا فروری ۱۹۶۰ء)

۱۲	۹	۳	۲۵ فیصد

ایوب کی کابینہ (دوسری کابینہ)(فروری ۱۹۶۰ء تا ۸ جون ۱۹۶۲ء)

۱۶	۱۱	۵	۳۶ فیصد

ایوب کی کابینہ (تیسری کابینہ)(۲۸جون ۱۹۶۲ء تا ۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء)

۱۷	۹	۸	۴۷ فیصد

ایوب کی کابینہ (چوتھی کابینہ) (۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء)

۱۷	۱۱	۶	۳۵ فیصد

یحییٰ کی کابینہ (۱۴ اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲ فروری ۱۹۷۱ء)

	-	۵	۴۵،۴ فیصد

پارلیمانی نظام کے تحت کل ۱۳۹ وزراء وزرائے مملکت اور ڈپٹی وزراءمتعین کیے گئے جن میں صرف ۵۹ بنگالی تھے ۔ ایوب خان کے دور میں وفاقی کابینہ میں بنگالیوں کی نمائندگی مزید کم کردی گئی ۔ ایوب حکومت کی چار وزارتوں کے ۵۹ وزیروں میں بنگالی وزراکی تعداد ۲۲ تھی ۔ یحییٰ کے دورِ حکومت میں صورتِ حال میں قابلِ ذکر تبدیلی نہ آئی ۔ یحییٰ خان کی گیارہ رکنی کابینہ میں صرف پانچ وزیر مشرقی پاکستان سے تھے ۔

بنگالیوں کے مطالبات کی بنیاد ان کی عددی اکثریت تھی جبکہ صورت حال کی صحیح تفہیم بعض جغرافیائی اور سیاسی عوامل کو پیشِ نظر رکھے بغیر ممکن نہ تھی ۔ مغربی پاکستان چار صوبوں پر مشتمل تھا ۔ جن کی مناسب نمائندگی وفاقی کابینہ میں ضروری تھی ۔ اس کے برعکس مشرقی پاکستان کی حیثیت ایک صوبے کی تھی ۔ علاوہ ازیں مغربی پاکستان میں آباد ہونے والے متعدد مہاجر وزرامثلاً لیاقت علی خاں ۔ ڈاکٹر آئی ایچ قریشی اور ڈاکٹر محمود حسین کو جو کہ اپنا حلقۂ انتخاب ہندوستان میں چھوڑ آئے تھے ، مشرقی پاکستان سے نمائندگی دی گئی ۔ مگر بنگالیوں نے ان

زعماء کی تحریک پاکستان میں غیر معمولی خدمات کے باوجود انہیں اپنا نمائندہ ماننے سے انکار کر دیا ۔

ایوب خان نے پاکستان کے مستقبل کے آئین کے خدوخال تیار کرنے کے لیے جو کمیشن قائم کیا ، اس نے وفاقی پارلیمانی نظام کی سفارش کی تھی مگر ایوب خان نے صدارتی نظام کو ترجیح دی ۔ کمیشن کی طرف سے جاری کیے گئے ایک سوالنامے کے ۵۶ فیصد جواب دہندگان نے ایک مضبوط وفاقی مرکز کی حمایت کی مگر مشرقی پاکستان سے موصول ہونے والی آراء کی اکثریت کمزور مرکز کے حق میں تھی ۔ کمیشن نے اپنے سوال نامے کے ردِ عمل اور انٹرویوز کے نتائج کے پیش نظر حکومت کو متنبہ کیا کہ ملک میں وحدانی طرزِ حکومت قائم کرنے سے گریز کیا جائے ۔ کمیشن نے کہا کہ ایسی صورت میں ہم "مشرقی پاکستان کے عام مسلمانوں کو ان انتہا پسند اور ملک دشمن عناصر کی صفوں میں دھکیلنے کے مرتکب ہوں گے جو وہاں پہلے ہی سرگرمِ عمل ہیں (۴۳) ۔ ایوب خان نے اس انتباہ کا کوئی نوٹس نہ لیا ۔

ایوب خان اپنے خانہ ساز آئین کی بدولت آمرِ مطلق کی حیثیت اختیار کر چکے تھے ۔ قوم نے انہیں آئین بنانے کا کوئی اختیار نہ دیا تھا ۔ تیاری کے بعد بھی آئین کو ریفرنڈم کے لیے پیش نہ کیا گیا ۔ دوسرے لفظوں میں یہ آئین عوام پر مسلط کیا گیا تھا ۔ مشرقی پاکستانیوں کی خواہش تھی کہ ماضی کی نا انصافیوں کا ازالہ کرنے کے لیے صدر کے عہدے پر کسی بنگالی کو فائز کیا جائے مگر وہ جلد اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ موجودہ آئین کے تحت یہ ممکن نہیں ۔

نئے آئین میں بنگالیوں کے موقف سے مکمل طور پر صرفِ نظر کیا گیا تھا ، چنانچہ مشرقی پاکستان میں اس کے خلاف احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلباء نے تقریباً ایک سال تک احتجاجی مظاہرے کیے ۔ ایوب خان کی پالیسیوں کے خلاف یہ پہلی منظم تحریک تھی ۔ سہروردی کو انہی مظاہروں کے دوران میں گرفتار کیا گیا ۔ حکومت نے بھارتی ایجنٹوں کو مظاہروں کا ذمہ دار ٹھہرایا اور ایوب خان نے کہا کہ "کلکتہ اور کابل کو تخریبی کاروائیوں کے لیے بنیاد اور مرکز کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے (۴۴) ۔ "

اس موقع پر ایوب خان کی منطق خاصی دلچسپ تھی ۔ انہوں نے کہا "مشرقی پاکستان کا یہ مطالبہ ہے کہ ملک میں پارلیمانی نظام نافذ کر دیا جائے ۔ ہو سکتا ہے کہ مغربی پاکستان والوں کو یہ مطالبہ قابلِ قبول نہ ہو تو کیا آپ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں (۴۵) ۔" ان مظاہروں کا مقصد "ملک کے دونوں حصوں میں مناقشت کو جنم دینا تھا (۴۶) ۔"

۱۹۶۲ء میں آئین کے نفاذ اور سہروردی کی گرفتاری کے نتیجے میں عوام کی بے چینی انتہا کو پہنچ گئی ۔ ملک میں مسلسل ہڑتالوں نے نوسامراجی طاقتوں کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کا موقع فراہم کر دیا ۔ امریکی اور روسی گماشتے جو پہلے ہی چین دوست پالیسی کی بنا پر ایوب خان سے ناراض تھے، مزید فعال ہو گئے اور انہوں نے مشرقی پاکستان ، مغربی بنگال ، سکم ، بھوٹان اور ناگالینڈ وغیرہ پر مشتمل ایک متحدہ بنگال کا منصوبہ تیار کیا (۴۷) ۔ متحدہ بنگال کے تصور کو ایک نہایت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پمفلٹوں اور کتابچوں کے ذریعے طلبا اور عوام میں پھیلایا گیا ۔ پاکستان کے سابق گورنر جنرل اور وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے بھی بعد میں ایک اخباری بیان میں انکشاف کیا کہ امریکن سفیر نے ان سے رابطہ قائم کر کے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لیے کام کرنے کے لیے کہا تھا (۴۸) ۔

۱۹۶۴ء کی اخباری اطلاعات کے مطابق ڈھاکہ بعض بیرونی طاقتوں کی مذموم سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا ۔ غیر معمولی طور پر فعال بھارتی ایجنٹ کھلے بندوں مصروفِ کار تھے اور ان کی پاکستان دشمن سرگرمیاں زوروں پر تھیں ۔ کلکتہ سے وسیع پیمانے پر ایسے لٹریچر کی ترسیل جاری تھی ۔ جس میں لوگوں کو تخریب کاری اور سبوتاژ پہ ابھارا جاتا (۴۹) ۔ عام خیال یہ تھا کہ مجیب الرحمٰن ان سرگرمیوں میں پوری طرح شریک ہیں ۔ تاہم مجیب الرحمٰن کی حکمتِ عملی اور پروگرام ۱۹۶۵ء میں کھل کر سامنے آئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے مطابق ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران میں مشرقی پاکستان کے گورنر منعم خان نے صوبے کے سیاسی رہنماؤں کے تعاون کے حصول کے لیے ملاقاتیں کیں ۔ جنگ کے بعد منعم خان نے ایوب خان کو اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ مجیب الرحمٰن نے اپنی ملاقات کے دوران

میں ان سے کہا تھا کہ وہ آزاد بنگال کی صدارت سنبھال لیں اور مغربی پاکستان سے علیحدگی کا اعلان کر دیں (۵۰) ۔ دسمبر ۱۹۶۵ء میں ہونے والے ایک اور واقعہ نے مجیب الرحمٰن کے حقیقی عزائم پوری طرح واضح کر دیے۔

ایک عینی شاہد کے مطابق مجیب الرحمن نے ایوب خان سے ایک ملاقات میں مشرقی پاکستان کے عوام کے لیے حقِ خود اختیاری کا مطالبہ کیا ۔ صدر ایوب خاں نے مطالبے کی وضاحت طلب کی تو مجیب الرحمٰن نے کہا کہ قرار دادِ لاہور (۱۹۴۰ء) کی بنیاد پر مکمل خود مختاری ۔ ایوب خان کے اس استفسار پر کہ مشرقی پاکستان بیرونی امداد کیسے حاصل کرے گا؟ مجیب الرحمٰن نے آسٹریلیا کے آئین کا حوالہ دیا جس کے مطابق وفاق کی کوئی بھی ریاست بیرونی امداد کے لیے آزادانہ مذاکرات کر سکتی ہے (۵۱) ۔ بعد میں پیش آنے والے واقعات نے بھی ثابت کر دیا کہ مجیب الرحمٰن علیحدگی پسندانہ عزائم کے حامل تھے اور اس سلسلہ میں انہیں بعض بیرونی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل تھی ۔

۱۹۶۵ء مشرقی پاکستان میں سیاسی قیادت کا فقدان شدت سے محسوس کیا گیا ۔ سہروردی اور فضل حق انتقال کر چکے تھے ۔ خواجہ ناظم الدین کی شخصیت میں عوام کے لیے کوئی دلکشی نہیں تھی ۔ بھاشانی ۱۹۶۵ء کے انتخابات میں مشکوک رویئے کی وجہ سے اپنی شہرت کو داغدار کر چکے تھے ۔ سیاسی خلا اور آمرانہ حکومت کے نتیجہ میں پورا ملک سیاسی انتشار کا شکار تھا ۔ ان حالات میں عوام کو کسی ایسے رہنما کی تلاش تھی جو ایوب خانی اقتدار کو للکار سکے ۔

۱۹۶۵ء کی جنگ نے مشرقی پاکستان کی سوچ پر گہرے اثرات مرتب کیے ۔ جنگ کے دوران میں مشرقی پاکستان کے عوام نے خود کو بے یارومددگار اور غیر محفوظ محسوس کیا ۔ کیونکہ وہاں صرف ایک ڈویژن فوج موجود تھی ۔ اس عرصے میں اہلِ مشرقی پاکستان مکمل طور پر بھارت کے رحم و کرم پر رہے (۵۲) ۔

اس صورتِ حال نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر جنگ "سترہ دن تک جاری رہتی تو ان کا بچنا محال تھا (۵۳) ۔" اِدھر قومی اسمبلی میں وزیرِ خارجہ مسٹر بھٹو نے بیان دے دیا کہ مشرقی پاکستان کو چین نے بچایا ہے ۔ مسٹر بھٹو

کے اس بیان نے مشرقی پاکستان میں عدم تحفظ کے احساس کو دو چند کر دیا ۔ اس موقع پر بنگالی رد عمل کچھ اس طرح تھا کہ "اگر جنگ کے دوران میں مشرقی پاکستان کی حفاظت کا سہرا پاکستانی فوج کی بجائے (جس پر مغربی پاکستان کو ہمیشہ ناز رہا ہے) چین کی بھارت سے اتفاقیہ دشمنی کے سر ہے تو ہمیں پاکستان کی ضرورت ہی کیا ہے (۵۴) ۔ چنانچہ ایک مغربی صحافی نے لکھا" "بھارت کے خلاف گذشتہ ستمبر کی جنگ کے نتیجے میں پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہونے کے خطرے سے دوچار ہے (۵۵) ۔"

جنگ ستمبر کے دوران میں مشرقی پاکستان کے دفاع سے متعلق ابھرنے والے سوالات نے خودمختاری کی تحریک کو مزید تقویت بخشی اس طرح عوامی لیگ کو یہ موقف اختیار کرنے کا سنہری موقع مل گیا کہ "مشرقی پاکستان اس وقت تک بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے معاملات میں خود مختار اور اپنے وسائل کا خود مالک نہیں بن جاتا (۵۶) " نیو یارک ٹائمز نے حقائق کا تجزیہ کرتے ہوے لکھا "اس سال (۱۹۶۵ء) کے آغاز سے صوبائی خودمختاری کا مطالبہ غیر معمولی طور پر زور پکڑ چکا ہے ۔ اس کی وجہ مغربی پاکستان سے مکمل طور پر کٹ جانا اور اس پر پورا انحصار ہی وہ احساس ہے جس نے مشرقی پاکستان کو جنگ کے دوران میں اپنی گرفت میں لیے رکھا (۵۷) ۔"

بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ کے بعد معاہدہ تاشقند سے مغربی پاکستان میں احتجاج کی ایک لہر دوڑ گئی اور یہاں مظاہروں ، بلووں ، پولیس فائرنگ اور گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا (۵۸) ۔ مشرقی پاکستان میں معاہدہ تاشقند پر کوئی ردّ عمل ظاہر نہ کیا گیا ۔ شیخ مجیب الرحمن نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا چھ نکاتی فارمولا پیش کر دیا جو ایک دھماکہ خیز پروگرام پر مبنی تھا ۔ عام حالات میں اس طرح کی خبر عالمی پریس میں شاید ہی جگہ پا سکتی مگر مجیب کے چھ نکات کی غیر معمولی تشہیر کی گئی ۔ لندن ٹائمز نے اسے مشرقی پاکستان میں کسی طوفان کا پیش خیمہ قرار دیا ۔ اکانومسٹ ، نیو یارک ٹائمز ، ہیرالڈ ، ٹریبون اور فرانسیسی اخبارات نے چھ نکات پر اداریے لکھے اور مجیب کو ہیرو کے طور پر پیش کیا (۵۹) ۔

۱۹۶۶ء میں اپنے دورہ مشرقی پاکستان کے دوران میں صدر ایوب خان نے چھ نکات کی مذمت کی اور اسے "خود مختاری کی آڑ میں علیحدگی کا پروگرام قرار

دیا" ۔ انہوں نے پاکستان کے حالات کا ایک صدی پیشتر امریکہ کی صورت حال سے موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر "حالات نے مجبور کر دیا تو پاکستان کو بھی اپنی وحدت برقرار رکھنے کے لیے خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑے گا (٦٠)"۔

بھارتی حکومت مکمل توجہ سے صورتِ حال کا جائزہ لے رہی تھی اور اس نے علیحدگی کی تحریک سے کھلم کھلا تعاون کیا ۔ اس تمام عرصے میں مجیب نے ڈھاکہ میں بھارتی ڈپٹی ہائی کمشنر سے رابطہ رکھا اور اس سے متعدد ملاقاتیں کیں ۔ شیخ مجیب الرحمٰن ، شاستری کی وفات پر اظہارِ افسوس کرنے کے لیے خاص طور پر بھارتی ڈپٹی کمشنر کے دفتر گئے ۔ آل انڈیا ریڈیو سے مجیب الرحمٰن کی سرگرمیوں اور چھ نکات کی تشہیر کے لیے ایک خصوصی پروگرام شروع کیا گیا ۔ اس پروگرام کا مقصد عام بنگالیوں میں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیلا کر انہیں علیحدگی پسندوں کے ساتھ شامل ہونے پر اکسانا تھا (٦١) ۔ دریں اثنا مشرقی پاکستان کی آزادی کے بارے میں بھارت میں چھپا ہوا لٹریچر پاکستان میں کھلے بندوں تقسیم کیا جا رہا تھا (٦٢) ۔ بھارت کے اخبارات نے مجیب الرحمٰن کی بڑی بڑی تصویریں شائع کیں اور بھارتی حکومت نے اپنے سفارت کاروں کو ہدایت کی کہ وہ عالمی سطح پر مجیب الرحمٰن کا تشخص ابھارنے کے لیے کام کریں (٦٣) ۔

مجیب الرحمٰن کے چھ نکاتی فارمولے نے عوامی لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ ان کے مغربی پاکستانی ساتھیوں نے ، جن میں نوابزادہ نصراللہ خاں بھی شامل تھے ، چھ نکات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ نوابزادہ نصر اللہ خاں نے مجیب الرحمٰن سے علیحدگی اختیار کر کے ایک علیحدہ عوامی لیگ قائم کر لی ۔ چنانچہ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ مغربی پاکستان میں اپنا وجود کھو بیٹھی اور یوں دونوں صوبوں کے درمیان سیاسی روابط اور کمزور ہو گئے ، اس طرح قومی یکجہتی کو مزید نقصان پہنچا ۔

مشرقی پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے چھ نکاتی فارمولے کو مسترد کر دیا ۔ کونسل مسلم لیگ ، پاکستان جمہوری پارٹی اور نظام اسلام پارٹی نے اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ فارمولا ملکی سالمیت کے لیے تباہی کا موجب ہو گا (٦٤)۔ مشرقی پاکستان کے تقریباً تمام ممتاز رہنماؤں نے چھ نکاتی فارمولے کی کھلے

لفظوں میں مذمت کی مگر ایوب خان نے ان رہنماؤں کا تعاون حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہ کی ۔ صوبائی خودمختاری کے ان اعتدال پسند علمبرداروں کی طرف دستِ تعاون دراز کرنے کی بجائے ایوب خان نے ان کے مطالبات کو کلیتاً مسترد کر دیا اور یوں انہیں خودمختاری کے مسئلہ پر انتہا پسندانہ موقف اختیار کرنے پر مجبور کر دیا (۶۵) ۔

ایوب خاں آنے والے واقعات کا اندازہ نہ کر سکے ۔ ان کا خیال تھا کہ چھ نکاتی پروگرام آخر کار مجیب الرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا ۔ علاوہ ازیں انہیں معلوم تھا کہ مخالف جماعتیں چھ نکات کی حمایت نہیں کریں گی لہذا انہوں نے چھ نکات کو زیادہ سے زیادہ ہوا دے کر حزبِ اختلاف میں انتشار پیدا کرنے کا منصوبہ تیار کیا (۶۶) ۔ چنانچہ ٹرسٹ کے اخبارات نے چھ نکات کی بھرپور تشہیر کی اور اپنا سارا زورِ قلم مجیب الرحمٰن کو علیحدگی پسند اور بھارتی ایجنٹ ثابت کرنے پر صرف کر دیا ۔ مگر سیاسی فراست سے عاری یہ طرزِ عمل بالواسطہ انداز میں مجیب الرحمٰن کی ہر دل عزیزی میں اضافے کا موجب بنا ۔

جنگ ستمبر کے بعد ایوب خان کی حکومت کے استحکام کا طلسم زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا ۔ اپریل ۱۹۶۶ء تک حکومت کی بنیادیں ہل چکی تھی ۔ مشرقی پاکستان میں عوام منعم خاں کی غیر جمہوری پالیسیوں کی بنا پر پہلے ہی حکومت سے بیزار تھے ۔ مجیب الرحمٰن نے صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت کے خلاف نفرت کی مہم کا آغاز کر دیا ۔ مجیب الرحمٰن کی تحریک زوروں پر تھی کہ اپریل ۱۹۶۶ء میں انہیں گرفتار کر لیا گیا تاہم وہ چند روز بعد رہا کر دیے گئے ۔ اپنی رہائی کے بعد مجیب الرحمٰن نے پورے صوبے کا دورہ کیا جس کے دوران میں انہوں نے کھلے لفظوں میں حکومت کو چیلنج کیا ۔ اس وقت تک مجیب الرحمٰن کا بنگالی قومیت کا نعرہ اپنا رنگ دکھا چکا تھا اور ملکی سالمیت کے لیے سنگین خطرہ بن چکا تھا ۔ صوبے میں متعدد مقامات پر فسادات ہوئے جن میں غیر بنگالیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور ان کی تذلیل کی گئی ۔ ان دنوں مجیب الرحمٰن کے تیوروں کا اندازہ ایک غیر ملکی نامہ نگار کو دیے گئے ان کے انٹرویو سے کیا جا سکتا ہے ۔ بنگالی قومیت کے جذبے سے "سرشار حیرت انگیز جرأت" کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے

مجیب الرحمن نے اعلان کیا "کہ میں کسی کی نو آبادی کے طور پر مزید زندہ نہیں رہنا چاہتا ۔ ہماری حکومت، کشمیر میں ریفرنڈم کے لیے برسرِ پیکار ہے ۔ اسے چاہیے کہ وہ مشرقی پاکستان میں چھ نکات پر ریفرنڈم کرائے ۔ دنیا دیکھے گی کہ ۸۵ فیصد عوام میرے ساتھ ہیں (۶۷)"۔

مئی ۱۹۶۶ء میں مجیب الرحمن کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا جس کے بعد عوامی لیگ کے کارکنوں نے اس کی تحریک کو جاری رکھا اور اپنے لیڈر کی رہائی کے لیے، جون ۱۹۶۶ء کو عام ہڑتال کی جو عوامی لیگ کے اپنے اندازے سے بھی زیادہ کامیاب ہوئی جس کا سبب صوبائی انتظامیہ کی نااہلی تھی ۔ ہڑتالیوں نے سرکاری دفاتر پر حملے کیے ۔ بنگالی کے سوا دوسری زبانوں کے سائن بورڈ والی دکانوں اور کاروں کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور روانی سے بنگالی میں گفتگو نہ کر سکنے والے تمام افراد کی تذلیل کی گئی ۔ پریس نے عوامی لیگ کی بھرپور حمایت کی ، امن عامہ کی صورت حال تباہ ہو کر رہ گئی ۔ سرحد پار ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد عوامی لیگی کارکنوں کی مدد کے لیے مشرقی پاکستان میں در آئی ۔ ہڑتال کے دوران میں ان ہندوؤں نے نہایت فعال کردار ادا کیا اور باغیانہ نعرہ بازی کی ۔ سرحدی علاقوں میں عدم تحفظ کے احساس اور بے چینی کو فروغ دینے کے لیے ان ہندوؤں نے وسیع پیمانے پر جرائم کا ارتکاب کیا ۔ واردات کے بعد یہ تخریب کار فرار ہو کر کلکتہ چلے جاتے ۔ عوامی لیگ کے کارکنوں نے بعض مقامات پر لوگوں کو مرکز یا "مغربی پاکستان" کے خلاف کھلی بغاوت پر اکسایا ان میں سے بعض نے بعد میں انکشاف کیا کہ مجیب الرحمن نے انہیں یقین دلایا تھا کہ بنگالیوں کو مغربی پاکستان سے آزاد کرانے کے لیے امریکہ اپنے چھاتہ بردار اتارے گا اور جون میں چھٹا امریکی بیڑا خلیج بنگال میں داخل ہو جائے گا (۶۸) ۔

جنوری ۱۹۶۸ء میں اگرتلہ سازش کیس سرکاری طور پر منظر عام پر آیا اور اس کی سماعت کے لیے جسٹس ایس اے رحمٰن کی سربراہی میں ایک ٹریبونل قائم کیا گیا ۔ سازش کیس میں ملوث ۳۵ ملزموں میں بحریہ کے اراکین ، سی ایس پی افسر اور عوامی لیگ کے کارکن شامل تھے ۔ مشرقی پاکستان کے اخبارات نے یک آواز سازشیوں کی مذمت کی اور انہیں مثالی سزا دینے کا مطالبہ کیا ۔ مگر سازش میں

مجیب الرحمٰن کے ملوث ہونے کے اعلان نے حالات کو ایک نیا رخ دیا ۔ مجیب الرحمٰن کو سازش کے انکشاف کے پندرہ روز بعد سازشیوں کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا ۔ علاوہ ازیں اس وقت مجیب الرحمٰن جیل میں تھے اور بظاہر ان کے لیے کسی سازش میں شریک ہونا ممکن نہ تھا ۔ ان شکوک کو رفع کرنے کے لیے سرکاری طور پر کوئی ٹھوس دلیل پیش نہ کی گئی ۔

مشرقی پاکستان کے اخبارات نے مطالبہ کیا کہ مقدمے کی سماعت کھلی عدالت میں کی جائے عوامی لیگ نے سازش کیس میں مجیب الرحمٰن کو ملوث کرنے پر طلبا کو مشتعل کرنا چاہا مگر اس مقصد کے لیے ترتیب دیئے گئے مظاہرے میں ۱۵۰ سے زائد طلبا شریک نہ ہوئے ۔ مبصرین کے مطابق اس موقع پر عوامی رد عمل توقع سے کہیں کم تھا۔

ایوب خان کے لیے علیحدگی پسندوں سے نمٹنے کا یہ زریں موقع تھا مگر وہ دوبارہ صدارتی انتخاب لڑنے کے خواہاں تھے ۔ چنانچہ انہوں نے سختی کو قرین مصلحت نہ سمجھا اور یہ موقع کھو دیا ۔ منصوبہ بندی کے فقدان اور غیر دانشمندانہ طرز عمل کے نتیجے میں اگر تلہ کیس آخر کار ایوب خان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا ۔

مجیب الرحمٰن کو سازش کیس میں ملوث کرنے پر مشرقی پاکستان کا رد عمل اس امر کا مظہر تھا کہ انہیں پہلے والی مقبولیت حاصل نہیں رہی لیکن اگر تلہ سازش کیس کو جس غیر دانشمندانہ انداز میں چلایا گیا ، وہ ملزموں کے لیے ہمدردیاں حاصل کرنے کا باعث بنا ۔ مقدمے کی غیر ضروری تشہیر نے ملزموں کو قومی ہیرو بنا دیا (۶۹) ۔ پولیس تشدد کی مبالغہ آمیز داستانوں نے ملزموں کو مظلوم بنا کر پیش کیا ۔ سیاستدانوں نے اپنے بیانوں کے ذریعے ایسا تاثر دیا جیسے مقدمے کی حیثیت سیاسی انتقام سے زیادہ نہ ہو (۷۰) ۔ عام خیال یہ تھا کہ منعم خان نے ذاتی دشمنی کی بنا پر مجیب الرحمن کو مقدمے میں ملوث کیا ہے (۷۱) ۔ مقدمے کی کاروائی میں غیر معمولی طوالت نے بھی حکومت کے مخالف عناصر کے لیے موقع فراہم کیا کہ وہ رائے عامہ کو ملزموں کے حق میں ہموار اور خود مختاری کا پرچار کریں ۔ اگر تلہ کیس کا ایک اہم نتیجہ یہ نکلا کہ "علیحدگی پر کھلم کھلا بحث امر ممنوع نہ رہی" (۷۲) ۔ اگر تلہ کیس ایوب حکومت کے لیے مشرقی پاکستان میں ایک کڑے امتحان سے کم

نہ تھا ۔ اگر یہ کیس ثابت ہو جاتا تو مجیب الرحمٰن کے لیے سیاسی طور پر زندہ رہنا ممکن نہ رہتا ۔ مگر اس کیس نے انہیں ہیرو بنا دیا اور ان کی طاقت اور وقار دو چند ہو گئے (٦٣) ۔ مجیب الرحمٰن "بطلِ حریت" کے طور پر ابھرے اور ان کے چھ نکات بنگالی عوام کا متفقہ لائحہ عمل قرار پائے ۔ مشرقی پاکستانی عوام نے مقدمے کو مشرقی پاکستان پر مغربی پاکستان کے غلبے کو طول دینے کے لیے ایک اور حربہ قرار دیا ۔ آخر کار مقدمہ واپس لینا پڑا ۔ یہ ہزیمت آمیز اقدام ایوب خان کے لیے مہلک ثابت ہوا اور اس طرح ملکی یک جہتی کو شدید نقصان پہنچا۔ دوسری طرف مشرقی پاکستانیوں کے جذبات میں مزید تلخی پیدا ہوئی اور علیحدگی کی تحریک تیز تر ہو گئی (٦٤)۔

ایوب حکومت کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یک جہتی کے لیے سیاسی عمل کی ضرورت کو مناسب اہمیت نہ دی ۔ سیاسی جماعتوں پر ایک طویل عرصے تک پابندی عائد رہی ۔ یہ پابندی اٹھنے کے بعد بھی ملک میں وہ ماحول پیدا نہ ہونے دیا گیا جس میں قومی احساسات کے فروغ کا باعث بننے والی سیاسی جماعتیں تشکیل پا سکتیں ۔ سیاسی گروہ بندی اور ایوب خان کی آمرانہ پالیسیوں کی وجہ سے ملک میں قومی جماعتوں کی داغ بیل نہ رکھی جا سکی ۔ ١٩٦٨ء کے اختتام تک عوام ایوب خان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ۔ وہ ان کے آمرانہ دورِ حکومت کو دس سال تک برداشت کر چکے تھے ۔ طویل بیماری کی بناء پر انتظامیہ اور فوج پر ایوب خان کی گرفت کمزور پڑ چکی تھی ۔ صدارتی نظام اور اس کا مضبوط مرکز ، بنیادی جمہوریتیں ، نوکر شاہی کا رویہ اور دولت کا بائیس خاندانوں میں ارتکاز ، ١٩٦٥ء کی جنگ اور معاہدہ تاشقند ، ایوب خاں کے اہلِ خاندان پر ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے کے الزامات ، عشرہ ترقی کی تقریبات اور سیاسی پابندیاں ۔ ۔ ۔ یہ تھے وہ عوامل جو ایوب کے خلاف لوگوں میں نفرت کے فروغ کا سبب بنے ۔ سیاسی جماعتوں نے ایک متحدہ محاذ قائم کر کے حکومت کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کر دیا ۔ حزبِ اختلاف کے مطالبات میں پارلیمانی نظامِ حکومت ، بالغ حقِ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات ، ہنگامی حالت کا خاتمہ ، سیاسی قیدیوں کی رہائی اور اظہارِ رائے کی آزادی شامل تھی ۔

مولانا بھاشانی نے ڈھاکہ میں تقریر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں تشدد کا پرچار کیا اور گھیراؤ اور جلاؤ کی تحریک چلانے کا اعلان کیا ۔ انہوں نے آزادی کا نعرہ بھی بلند کیا ۔ دسمبر ۱۹۶۸ء اور جنوری ۱۹۶۹ء کے دوران مشرقی پاکستان ہڑتالوں ، گرفتاریوں اور بلووں کی آماجگاہ بنا رہا ، پولیس اور طلبہ کے درمیان کئی خونیں تصادم ہوئے جن میں متعدد انسانی جانیں تلف ہوئیں، امن عامہ کی صورت حال مکمل طور پر تباہ ہو کر رہ گئی ، سرکاری املاک کو نذر آتش کیا گیا ۔ بنیادی جمہوریتوں کے اراکین ، وزراء اور کنونشن لیگ کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین پر حملے کیے گئے اور یوں ایوب خان کے اقتدار اور آمریت کی ہر علامت کے خلاف اظہار نفرت کیا گیا ۔ متعدد مقامات پر کرفیو کی خلاف ورزی کی گئی اور فوج اور مغربی پاکستان کے خلاف نعرے بلند کیے گئے اور عوامی جذبات کا جو آتش فشاں ایک مدت سے اندر ہی اندر پک رہا تھا ، آخر کار اپنی حشر سامانیوں سمیت پھٹ پڑا اور اس نے ملک کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں (۵) ۔ انتظامی مشینری صورت حال کو سنبھالنے میں بری طرح ناکام ہو گئی ۔ حالات کی رفتار سے صاف ظاہر تھا کہ ملک بالآخر دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا (۶)

۶۹-۱۹۶۸ء کے ہنگاموں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارتی تخریب کاروں کی ایک بڑی تعداد مشرقی پاکستان میں داخل ہو چکی تھی ۔ حکومت ہند کے بھیجے ہوئے ان تخریب کاروں نے مقامی ہندوؤں کے ساتھ مل کر احتجاجی مظاہروں میں بھرپور حصہ لیا اور باغیانہ نعرہ بازی کی ان عناصر نے ڈھاکہ شہر تک میں بھی "بندے ماترم" "جے ہند" اور "اکھنڈ بھارت" کے نعرے بلند کیے (۷) ۔

فروری ۱۹۶۹ء تک علیحدگی پسندی کے رجحانات عام ہو چکے تھے ۔ یہاں تک کہ قومی اسمبلی کے ایک مسلم لیگی رکن نے ایوب خان سے اپنے اس نقطۂ نظر کے عام اظہار کی اجازت چاہی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان دو الگ الگ ریاستیں ہونی چاہئیں (۸) ۔ جب اس رکن اسمبلی سے اس کی درخواست کا جواز پیش کرنے کے لیے کہا گیا تو اس نے بتایا کہ اپنی ذات اور املاک کو بچانے کے لیے انتہا پسندانہ بیان بازی ناگزیر ہے (۹) ۔ مشرقی پاکستان میں ہوا کے رخ کا اندازہ لگانے کے لیے یہ ایک مثال کافی ہے ۔

صورتِ حال روز بروز بد سے بد تر ہوتی چلی گئی ۔ اخبارات میں صوبے کے بعض حصوں میں لوگوں کو ہلاک کرنے اور زندہ بھوتے کی اطلاعات شائع ہوئیں۔(۸۰) پورا ملک خوف، تشدد اور غنڈہ گردی کی زد میں تھا ۔ ایوب خان نے مارشل لا کے ذریعے حالات پر قابو پانا چاہا ۔ مگر ان پر جلد ہی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے زیادہ عرصہ تک فوج پر بھروسہ نہیں کر سکتے (۸۱)۔ چنانچہ انہیں بے پناہ سیاسی دباؤ کے زیرِ اثر مجیب الرحمٰن اور دیگر سیاسی قیدیوں کو رہا کرنا پڑا ۔ رہائی کے بعد مجیب الرحمٰن نے چھ نکات کی بنیاد پر اپنی احتجاجی سیاست کا ازسرِ نو آغاز کر دیا ۔ حالات و واقعات نے ان کی ہر دلعزیزی میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب مشرقی پاکستان میں مجیب کے سوا کوئی لیڈر نہیں رہا ۔

ایوب خان نے ۲۶ فروری اور ۱۰ مارچ ۱۹۶۹ء کو سیاسی رہنماؤں کے ساتھ گول میز کانفرنس کی، حزبِ اختلاف کے رہنماؤں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مجیب الرحمٰن چھ نکات پر اپنا رویہ نرم کریں مگر وہ اپنے موقف پر مصر رہے ۔ ایوب خان نے چھ نکات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک ان نکات کا مقصد فیڈریشن نہیں بلکہ کنفیڈریشن کا قیام تھا ۔ (۸۲) اور یہ کہ ان کے نتیجہ میں پاکستان بالآخر دو ریاستوں میں تقسیم ہو جائے گا (۸۳) ۔ ایوب خان نے انکشاف کیا کہ صوبے میں قحط کے حالات پیدا کرنے کے لیے شہروں میں ایسٹ بنگال رائفلز کی تعیناتی کے بعد سے گندم کی ایک بہت بڑی مقدار بھارت کو سمگل کر دی گئی ہے ۔ ایوب خان نے یہ بھی بتایا کہ تقریباً ۳۰ ہزار مسلح بھارتی تخریب کار مشرقی پاکستان میں گھس کر لوٹ مار اور قتل و غارت میں مصروف ہیں (۸۴)۔ کچھ روز بعد ان تخریب کاروں غارت گری کی تفصیلات اخبارات میں شائع کی گئیں مگر بھارتی حکومت کی طرف سے ان کی کوئی تردید نہ کی گئی ۔ دریں اثنا یحییٰ خان، ایوب خان کے گرد سازشوں کا جال بن چکے تھے اور انہوں نے عملی طور پر ان کا رابطہ ایوان صدارت سے باہر کی دنیا سے منقطع کر رکھا تھا (۸۵) ۔ یحییٰ خان نے ایوب خان کو صدارت سے ہٹانے کے لیے مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار علی بھٹو کو جو کہ پہلے ہی ایوب خان کے دشمن تھے ، اپنا آلہ کار بنایا ۔ یحییٰ خان اس سلسلہ میں بھاشانی کا تعاون حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے ۔ بھاشانی نے بھٹو

کے ساتھ مل کر ایسے حالات پیدا کیے جو پرامن انتقالِ اقتدار کو ناممکن بنانے کا باعث بنے (٨٦) ۔ اس امر کے واضح شواہد موجود ہیں کہ یحییٰ خان نے گول میز کانفرنس کے دوران مجیب الرحمٰن سے خفیہ ملاقاتیں کی تھیں اور انہیں یقین دلایا تھا کہ ملک میں مارشل لاء نافذ نہیں کیا جائے گا ۔ مجیب الرحمٰن یحییٰ خان کے بچھائے ہوئے اس دام ہم رنگِ زمیں سے بچ نہ سکے اور جب ایوب خان استعفٰی کے بعد ملک میں مارشل لاء کا اعلان کیا گیا تو وہ گول میز کانفرنس کی ناکامی میں حصہ دار ہونے پر سخت متاسف تھے (٨٧) ۔

یہ بات زبان زدِ عام تھی کہ یحییٰ خان نے مظاہرین اور ایوب خان کے خلاف عناصر کو یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ جس طرح کھیل کھیلیں فوج مداخلت نہیں کرے گی ۔ چنانچہ جب تک اقتدار یحییٰ خان کے حوالے نہ کر دیا گیا فوج خاموش تماشائی کی طرح ملکی سالمیت کو داؤ پر لگتا دیکھتی رہی ۔

حزبِ اختلاف کے رہنماؤں کے اندرونی اختلافات ، مجیب الرحمٰن کے چھ نکات پر اصرار اور بھاشانی اور بھٹو کے عدم تعاون کے رویئے کے نتیجے میں گول میز کانفرنس کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے ساتھ پرامن انتقالِ اقتدار کی آخری کوشش بھی دم توڑ گئی ۔ گول میز کانفرنس کی ناکامی گھمبیر سیاسی حالات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس نے پاکستان کی تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا ۔ اگر سیاستدان پرامن انتقالِ اقتدار کی راہ میں حائل نہ ہوتے اور ایوب خان کے پارلیمانی نظام اور براہ راست انتخابات کے مطالبے کو تسلیم کرتے ، آئندہ انتخابات میں امیدوار نہ بننے کی پیش کش قبول کر لیتے تو شاید ہمیں ١٩٧١ء کے المیہ کا سامنا نہ کرنا پڑتا ۔

آئین کے مطابق اس صورت حال میں ایوب خاں کو اقتدار سپیکر قومی اسمبلی کے سپرد کر دینا چاہیے تھا تاکہ وہ مقررہ وقت میں انتخابات کرواتے ۔ لیکن ٢٥ مارچ ١٩٦٩ء کو ایوب خان نے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا ۔ آئین منسوخ قرار پایا اور اقتدار یحییٰ خان کے حوالے کر دیا ۔ اپنے الوداعی خطاب میں ایوب خان نے کہا "کہا یہ جا رہا ہے کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ، مرکز کو کمزور اور بے یارو مددگار بنا دیا جائے ، افواجِ پاکستان کو مکمل طور پر مفلوج کر دیا جائے

اور مغربی پاکستان اپنی سیاسی پوزیشن سے دستبردار ہو جائے ۔ میں بحیثیت صدر اپنے ملک کی تباہی میں فریق نہیں بن سکتا(۱۹)۔

حواشی

1. Jamana Das Akhtar. The Saga of Bangladesh, p-120

۲: بحوالہ رونق جہاں ، ص ۔ ۵۳

۳: بحوالہ ایوب خان ، ص ۵ ۔ ۲۰۴

4. Herbert Feldman, Revolution in Pakistan, p-157

۵: آرٹیکل ۱۳۵ (۲)

۶: The Dawn ۔ ۱۸ ۔ فروری ۱۹۶۱ء

۸: بحوالہ ، ہربرٹ فیلڈ مین ۔

9 M.A. Mannan, Economic Problems and Planning in Pakistan, p-131. Mannan is a Bangladeshi

۱۰: The Pakistan Times، ۲۲ جنوری ۱۹۶۰ء ، ڈھاکہ یونیورسٹی میں کانووکیشن سے خطاب

۱۱: The Pakistan Observer، ۱۰ نومبر ۱۹۶۱ء

۱۲: The Morning News، یکم جولائی ۱۹۶۵ء

۱۳: بحوالہ ایچ ایم حبیب ربورٹ ، مصنف نہایت رنج کے ساتھ یہ تحریر کرنے پر مجبور ہے کہ مشرقی پاکستان میں متعین بعض اعلیٰ مغربی پاکستانی افسروں کا رویہ برطانوی نوکر شاہی کے اراکین کے مماثل تھا ۔

۱۴: بحوالہ الطاف گوہر ۔ ص ۱۷

۱۵: بحوالہ خالد بن سعید ۔ ص ۱۹۵

۱۶: یہ معلومات قومی اسمبلی میں فراہم کی گئیں .The Pakistan Observer ۱۷ اپریل ۱۹۶۴ء

۱۷: قومی اسمبلی میں شہاب الدین کی تقریر The Dawn ۲۵ جون ۱۹۶۵ء

۱۸: بحوالہ خالد بن سعید ۔ ص ۱۵۵

۱۹: The Pakistan Observer، ۱۲،۱۳ جولائی ۱۹۶۹ء ، مزید ملاحظہ ہو (Gradation List of C.S.P, 1st July, 1969)

۲۰: وزیرِ اطلاعات خواجہ شہاب الدین کی قومی اسمبلی میں تقریر The Dawn
۱۹ جون ۱۹٦۸ء

۲۱: پارلیمانی سیکرٹری دفاع کا بیان The Dawn ۲۵ جون ۱۹٦۸ء

۲۲: وزیرِ دفاع کا قومی اسمبلی میں بیان The Dawn ۲۵ جون ۱۹٦۸ء

۲۳: پارلیمانی سیکرٹری دفاع کا قومی اسمبلی میں بیان The Dawn ۲ جون ۱۹٦۸ء

۲۴: The Dawn ۲ جولائی ۱۹۵۲ء

25. Hassan Askari Rizvi, The Military and Politics in Pakistan, pp 179–80

26. Pakistan Year Book, 1971, pp.140–41

۲۷: بحوالہ ایم اے منان ص ۲۱۹

28. Lawrence Ziring, The Ayub Khan's Era, p–40.

۲۹: بحوالہ ایم اے منان ، ص ۲۱۹

۳۰: بحوالہ ایم اے منان ، ص ۲۱۹

۳۱: ۲۱ جون ۱۹٦۹ء کو قومی اسمبلی میں علاقائی اور بین العلاقائی امتیازات کے بارے
میں پیش کی گئی The Pakistan Observer, ۲۲ جون ۱۹٦۸ء

۳۲: ایضاً ۱۵ نومبر ۱۹٦۹ء

33. Azizur Rehman Khan, "A New look at Disparity", Forum (Dacca), 3 January 1970

34. Pakistan Planning Commission, The Mid Plan Review of the Third Five – Year Plan, 1965–1970, p–43

۳۵: بحوالہ سفار اے اکنڈا

36. Herbert Feldman, From Crisis to Crisis, p–167

۳۷: بحوالہ رونق جہاں ، ص ـ ۱۵

۳۸: بحوالہ رونق جہاں ص ـ ۱٦

۳۹: بحوالہ رونق جہاں ، ص ـ ۱۷

۴۰: بحوالہ رونق جہاں ، ص ـ ۱۹

۴۱: بحوالہ ایوب خاں ، ص ـ ۲۱۴

۴۲: The Economist, ۲۷ مئی ۱۹٦٦

43. Pakistan, Report of the Constitution Commission, p–37

۴۴: The Pakistan Times, ۲۹ مارچ ۱۹٦۲ء

45 G W. Choudhury Documents and Speeches on the Constitution of Pakistan, p—806.
46. H. Feldman, Revolution in Pakistan, p—162.

:۴۷ محمد عباس علی نے یہ نقشہ اپنی کتاب میں شائع کیا ہے۔
The Salvation of Pakistan, p — 30

:۴۸ اُردو ڈائجسٹ نومبر ۱۹۷۱ء ، ص ۔ ۵۴

:۴۹ اُردو ڈائجسٹ ، نومبر ۱۹۷۱ء ، ص ۔ ۵۷

50. Z. A. Bhutto, The Great Tragedy , p—68.

:۵۱ یہ تفصیلات ایک عینی شاہد نے مصنف سے بیان کیں ۔

:۵۲ The New York Times, ۲۲ ۔ اپریل ۱۹۶۶ء

:۵۳ The London Observer, ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء

:۵۴ The New York Times, ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء

:۵۵ The London Observer, ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء

:۵۶ ایضاً

:۵۷ The New York Times, ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء

:۵۸ The Economist, ۲۱،۲۷ مئی ۱۹۶۶ء

:۵۹ الطاف حسن قریشی ، ٦ نکات کی سچی کہانی ، ص ۵۷ ۔ ۵۸

:٦۰ The Economist, ۲۱،۲۷ مئی ۱۹۶۶ء

:٦۱ بحوالہ الطاف حسن قریشی ، ص ۵۷ ۔ ۵۹

:٦۲ بحوالہ محمد عباس علی

:٦۳ بحوالہ الطاف حسن قریشی ، ص ۵۷ ۔ ۵۸

:٦۴ بحوالہ رونق جہاں ، ص ۔ ۱۷۰

:٦۵ بحوالہ رونق جہاں ، ص ۔ ۱۷۰

:٦٦ انٹرویو پروفیسر غلام اعظم امیر جماعتِ مشرقی پاکستان ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" لاہور ۲۵ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۷ء ، ص ۔ ۱۵

:٦۷ The London Times, ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء

:٦۸ اُردو ڈائجسٹ ، نومبر ۱۹۷۱ء ، ص ۔ ٦۰

:٦۹ ایس اے رحمن ، اُردو ڈائجسٹ لاہور ، دسمبر ۱۹۷۴ء ، ص ۳۹: جسٹس ایس اے رحمن (ریٹائرڈ چیف جسٹس آف پاکستان) کو اگر تلہ سازش کیس ٹریبونل کا چیئرمین مقرر کیا گیا تھا ۔

۷۰: ایضاً

۷۱: ایوب خاں کے دورِ حکومت میں آرمی انٹیلی جنس کے سربراہ جنرل اکبر نے پروفیسر غلام اعظم کو بتایا کہ مجیب اس مقدمے میں ملزم نہیں تھا بلکہ اس کا نام منعم خاں نے جو انہیں اس مقدمے کے ذریعے سیاسی طور پر ختم کرنا چاہتے تھے، اصرار کر کے شامل کرایا تھا۔ انٹرویو غلام اعظم ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ"، ص ۱۵۔

۷۲: رونق جہاں، ص ۔ ۱۷۱

73. Lawrence Ziring, op.cit., p-91
74. Damodhor P. Singhal, Pakistan, p-184

۷۵: بحوالہ محمد عباس علی ۔ ص ۲۷

۷۶: The Daily Telegraph, یکم اپریل ۱۹۷۲ء، ایوب خان کو قومی یکجہتی کے لئے اپنی مساعی کے انجام کا احساس ہو چکا تھا۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں ایک انٹرویو میں ایوب خان نے کہا کہ انہوں نے مشرقی پاکستان کو آزادی کی پیشکش کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر بعض وجوہ کی بنا پر وہ ایسا نہ کر سکے۔

۷۷: بحوالہ محمد عباس علی ص ۔ ۲۹

78. S.M Zafar, Through the Crisis, P-176

۸۰: The Pakistan Observer, ۱۷ ۔ ۱۸ مارچ ۱۹۶۹ء

81. The Paksitan Observer, 18-20 March 1969, and Herbert Feldman, The End and the Beginning, p-16

۸۲: بحوالہ ایس ایم ظفر، ص ۱۵۵ ۔ ۱۵۷

۸۳: اُردو ڈائجسٹ، اپریل ۱۹۶۹ء

۸۴: اُردو ڈائجسٹ، اپریل ۱۹۶۹ء

۸۵: تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ الطاف گوہر کا مضمون ۔ اردو ڈائجسٹ ۔ اکتوبر ۱۹۷۵ء ۔ مزید ملاحظہ ہو "سندھ بلوچستان ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ میں الطاف گوہر کا بیان"۔ The Sun ۲۹ ستمبر ۱۹۷۲ء

۸۶: انٹرویو پروفیسر غلام اعظم، ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ"، ص ۔ ۱۵

۸۷: ایضاً

۸۸: The Pakistan Times, ۲۶ مارچ ۱۹۶۹ء

باب ۳

دوسرا مارشل لا، چھ نکات اور مجیب الرحمٰن کے عزائم

(۱۹۶۹ء۔ ۱۹۷۰ء)

ایوب خان اور یحییٰ خاں بالکل مختلف حالات میں ایوانِ حکومت میں داخل ہوئے ۔ جب ایوب خاں نے اقتدار سنبھالا اس وقت سیاسی ادارے اپنا اعتماد کھو چکے تھے ۔ اور عوام سیاستدانوں کی سازشوں ، بدعنوانیوں اور کہہ مکرنیوں سے تنگ آچکے تھے ۔ ارکان اسمبلی آئے دن وفاداریاں بدلتے رہتے تھے ، جس نے پارلیمانی نظام کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا ۔ قوم کسی ایسے مرد راہ داں کی منتظر تھی جو اس کے بھٹکے ہوئے کارواں کو ایک دفعہ پھر جانبِ منزل گامزن کر سکے ۔ چنانچہ ایوب خاں کی آمد کو عوام نے وسیع پیمانے پر خوش آمدید کہا ۔ تاہم بنگالی دانشوروں نے اس تبدیلی کو مغربی پاکستانیوں کی سازش قرار دیا اور الزام لگایا کہ اس سازش کے ذریعے وہ پورے ملک پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں ۔

اس کے برعکس جب یحییٰ خاں برسرِ اقتدار آئے تو حالات کلیتاً مختلف تھے ۔ قوم پہلے ہی مارشل لا کے ایک طویل دور سے گذرنے کے بعد اس کے نتائج بھگت رہی تھی ۔ فوج اپنا اعتماد مکمل طور پر کھو چکی تھی ۔ اور پارلیمانی نظام کے قیام کی جدوجہد ایک منظم تحریک کی شکل اختیار کر چکی تھی ۔ ان حالات میں یحییٰ خان کے مارشل لا کے نفاذ نے عوام کو وسوسوں کا شکار کر دیا ۔ ان کا خیال تھا اب انہیں ایک بار پھر فوجی اقتدار کے طویل دور سے گزرنا پڑے گا ۔ چنانچہ بعض

لوگوں نے یحییٰ خاں کی آمد کو 'ایوب خان کے بھوت' کی واپسی قرار دیا[۱۱] چنانچہ یحییٰ خاں نے مناسب سمجھا کہ سب سے پہلے لوگوں کے دلوں سے یہ خدشات دور کیے جائیں کہ فوج نے کسی طویل المدت منصوبہ کے تحت اقتدار سنبھالا ہے۔ انہوں نے بار بار عوام کو یقین دہانی کرائی کہ ان کے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں اور یہ کہ فوج جمہوری عمل کے جاری ہوتے ہی بیرکوں میں لوٹ جائے گی۔

یحییٰ خان کی حکومت ہر اعتبار سے ایک خالص فوجی حکومت تھی۔ جبکہ ایوب خان کی حکومت ایک ایسی نیم سیاسی حکومت تھی جس پر افسر شاہی کا غلبہ تھا۔ یحییٰ خاں نے فوج کے کمانڈر انچیف کا عہدہ بدستور اپنے پاس رکھا اور حاضر جرنیلوں کو مرکزی وزارتوں اور صوبوں کی گورنری پر فائز کیا۔ ایوب خان کے دور میں افسر شاہی کے اراکین اور سیاستدان صدر کے معتمدین میں شمار ہوتے تھے اور انہیں ملکی امور میں فیصلہ کن مقام حاصل تھا۔ جبکہ یحییٰ دور حکومت میں حقیقی اقتدار جرنیلوں کے پاس تھا۔ اگرچہ یحییٰ خان کے مارشل لا کو بے ضرر مارشل لا کہا گیا۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں پہلی بار فوج کی حکومت حقیقی معنوں میں ۱۹۶۹ء میں قائم ہوئی۔

یحییٰ خان کا مارشل لا ایک اعتبار سے بہت کمزور مارشل لا تھا۔ اس میں نہ صرف فوجی حکومت کا رعب اور دہشت مفقود تھی بلکہ اس کے مشیر بھی اس فہم و فراست سے محروم تھے جو حکمرانوں کا خاصہ سمجھی جاتی ہے۔ خود یحییٰ خان کا شمار فوج کے اوسط درجے کے جرنیلوں میں ہوتا تھا اور ان کی دلچسپیاں اور صلاحیتیں کسی بھی سیاستدان کے لیے قابل رشک نہ تھیں[۱۲]۔ دوسری طرف ملک کو درپیش بحران کی شدت فوجی حکومت کے بس سے باہر تھی۔

مارشل لا حکام اور سول انتظامیہ کے درمیان تعاون کا فقدان مشرقی پاکستان میں خاص طور پر نمایاں تھا۔ فوجی حکومت سیاست کے میدان میں نووارد تھی اور انتظامی امور میں بھی اس کا تجربہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ چنانچہ وہ مشرقی پاکستان میں صورت حال پر خاطر خواہ طور پر قابو نہ پا سکی۔ مارشل لا کی صوبائی انتظامیہ اس امر کی شاکی تھی کہ وفاقی حکومت موقع پر موجود حکام کی رائے حاصل کئے بغیر یا اس کے خلاف فیصلے کرتی ہے۔ دوسری طرف سول انتظامیہ فوج کو مشرقی پاکستان کے

امور میں گڑبڑ کا ذمہ دار گردانتی تھی ۔

مشرقی پاکستان کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال سے نمٹنے اور عوام کے مسائل حل کرنے کے لیے کسی بھرپور اور فوری کوشش کی ضرورت تھی ، مگر نئی حکومت نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ وہ وقت کے تقاضوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی ۔ وہ مسائل جنہیں ایوب خان جیسا 'سیاستدان' نہ حل کر سکا ، اپنی سنگینی کے اعتبار سے یحییٰ خاں جیسے 'سپاہی' کی استعداد سے کہیں بڑھ کر تھے ۔[۳۲]

مشرقی پاکستان کی غیر بنگالی آبادی نے فوج کی آمد پر سکھ کا سانس لیا ، مگر بنگالیوں نے اس پر کڑی تنقید کی اور اپنے جذبات کے فوری اظہار کے لیے اجتماعی جلوس نکالے ۔ اخبارات تو مارشل لا کے نفاذ پر خاموش رہے مگر عوامی احتجاج کا سلسلہ کچھ دیر چلا ، اور بعض گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں ۔[۳۳] شام ڈھلنے کے بعد ڈھاکہ کی گلیوں میں مشعل بردار جلوسوں کی طرف سے کرفیو کی خلاف ورزی کی خبریں بھی منظر عام پر آئیں ۔ بنگالی دانشوروں کے ردعمل کا اندازہ مشرقی پاکستان کے ایک ماہر اقتصادیات رحمان سبحان کی اس رائے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵۸ء کی طرح موجودہ مارشل لا بھی 'عوام کی جمہوری امنگوں کو کچلنے کے لیے اہلِ اقتدار اور فوج کی مشترکہ سازش ہے' ۔[۳۴] بنگالی عوام کے اس تاثر نے کہ مارشل لا مشرقی پاکستانیوں کو سیاسی اور معاشی حقوق سے محروم رکھنے کے لیے لگایا گیا ہے ، انہیں اپنی جدوجہد تیز تر کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا ۔ اس احساس نے صوبے کے تعلیم یافتہ طبقوں میں اتحاد کا جذبہ پوری شدت سے پیدا کیا اور آخر کار مارچ ۱۹۷۱ء میں ان طبقوں نے عوامی لیگ سے بھرپور تعاون کا اظہار کیا ۔

مارشل لا کے نفاذ کے بعد پاکستان جمہوری تحریک (پی ۔ ڈی ۔ ایم) نے مشرقی پاکستان میں نورالامین کی قیادت میں چھ نکات کے خلاف تحریک کا آغاز کیا ۔ مجیب پر گول میز کانفرنس کے دوران میں انتہا پسندانہ رویہ اختیار کر کے مارشل لا کا جواز فراہم کرنے کا الزام عائد کیا گیا ۔ پی ۔ ڈی ۔ ایم کا خیال تھا کہ مجیب الرحمن کا رویہ ملک میں جمہوریت کی بحالی میں مزید تاخیر کا باعث بنے گا ۔ پی ۔ ڈی ۔ ایم کے لیڈروں نے ملکی مفاد کے پیش نظر مجیب الرحمن کے خفیہ عزائم کو طشت از بام کرنے اور عوام کو اس کا اصل چہرہ دکھانے کے لیے حکومت کا تعاون حاصل کرنا چاہا ۔ مگر ناکام رہے ۔[۳۵] تاہم مجیب الرحمن کے علیحدگی

پسندانہ رجحانات کی بنا پر عوامی لیگ کا ایک حصہ عبدالسلام خان کی قیادت میں ان سے علیحدہ ہو گیا (۷)

مجیب الرحمٰن کو گرفتار کرنے کی بجائے نئی حکومت نے ان سے خوشامدانہ رویہ اختیار کیا ۔ مستقبل کا وزیر اعظم گرداتے ہوئے مشرقی پاکستان کی انتظامیہ نے بھی اسے غیر معمولی اہمیت دی ۔ چھوٹے سرکاری اہلکاروں سے لے کر اعلیٰ افسران تک ہر ایک نے مجیب الرحمٰن کے قریب ہونے کی کوشش کی اور انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے ہر سرکاری راز سے آگاہ کیا (۸) بنگال کی افسر شاہی کوئی بھی اہم فیصلہ کرنے سے پہلے مجیب الرحمٰن سے مشورہ ضروری سمجھتی ۔ یہاں تک کہ گورنر احسن کی بھی مجیب الرحمٰن سے گاڑھی چھننے لگی اور یحییٰ خان نے انہیں 'اپنی خصوصی توجہ کا مستحق گردانا (۹) اس طرح مجیب الرحمٰن نے انتخابات سے بہت پہلے پاکستان کی 'غیر مرئی' حکومت کے وزیر اعظم کا مقام حاصل کر لیا ۔ بعد میں پیش آنے والے واقعات پر اس بات نے سنگین اثرات ڈالے (۱۰)

اکتوبر ۱۹۶۹ء میں مجیب الرحمٰن نے لندن کا دورہ کیا اور وہاں اپنے ایک دوست کو خفیہ ملاقات کے دوران میں بتایا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی بہر صورت ناگزیر ہے ۔ مگر فی الحال یہ اقدام مناسب نہیں کیونکہ مشرقی پاکستان ابھی معاشی طور پر علیحدگی کا متحمل نہیں ہو سکتا ۔ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ پورے پاکستان میں سیاسی اقتدار پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد معاشی تفاوت دور کیا جائے گا اور مشرقی پاکستان میں صنعتیں قائم کی جائیں گی ۔ اس کے بعد آزادی کا اعلان کیا جائے گا ۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت پاک فوج ہماری راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم مشرقی پاکستان ملیشیا کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں ۔' مجیب الرحمٰن نے مزید کہا کہ 'اگر مارشل لا جاری رہا تو مزاحمت کے سوا چارہ نہ ہو گا' پھر مجیب الرحمٰن نے پوچھا کہ اس مقصد کے لیے اسلحہ کا حصول ممکن ہو گا ؟ مجیب کے دوست کا جواب اثبات میں تھا (۱۱)

اس ملاقات کی مکمل رپورٹ یحییٰ خاں کو موصول ہوئی مگر انہوں نے اس پر کوئی کارروائی کرنا مناسب خیال نہ کیا ۔

فوجی حکومت نے مغربی پاکستان کے سیاستدانوں میں سے صرف ذوالفقار علی بھٹو کو در خور اعتنا سمجھا ۔ بھٹو نے ایوب خاں کے خلاف عوامی تحریک کی راہنمائی

نہایت کامیابی سے کی تھی ۔ چنانچہ فوجی حکمران ان کی ہردلعزیزی سے خائف تھے کہ وہ ان کے خلاف عوامی مظاہرے کرا سکتے تھے ۔ اس خوف نے فوجی حکومت کے آئندہ لائحہ عمل کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ۔ کئی اہم جرنیلوں نے بھٹو سے پینگیں بڑھانا شروع کر دیں جس کے نتیجے میں عجیب و غریب صورتِ حال پیدا ہوئی ۔ یحییٰ خاں اور مجیب الرحمٰن کے تعلقات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ مجیب الرحمٰن کا دعویٰ تھا کہ یحییٰ خاں اس کے کسی مطالبے کو ماننے سے انکار نہیں کر سکتے ۔(۱۲)

دوسری طرف فوجی حکومت کے دو اہم ستون جنرل پیرزادہ اور ایر مارشل رحیم ، ذوالفقار علی بھٹو کے ہم راز سمجھے جاتے تھے ۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال خطرات سے خالی نہیں تھی ۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا تھا کہ یحییٰ خان اور بعض جرنیلوں میں رسہ کشی جاری ہے ۔

یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد سیاسی رہنماؤں سے مذاکرات کیے اور انہیں یقین دلایا کہ عام انتخابات بہت جلد منعقد کیے جائیں گے ۔ ۲۱ نومبر ۱۹۶۹ کو ایک نشریے میں یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ چونکہ سیاستدان ون یونٹ اور مساوات کے اصول پر متفق نہیں ہیں اس لیے حکومت نے ون یونٹ کو توڑنے اور ایک شخص ایک ووٹ کے اصول کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔ یحییٰ خان کے ان دو یکطرفہ فیصلوں سے پاکستان کے سیاسی مستقبل پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ۔

یحییٰ خان کے ان فیصلوں پر مختلف حوالوں سے کڑی تنقید کی گئی ۔ ناقدین کا مؤقف یہ تھا کہ یحییٰ خان کو قوم نے آئینی نوعیت کے ایسے اہم اقدام کا کوئی اختیار نہیں دیا ۔ یہ فیصلے صرف قومی اسمبلی کر سکتی ہے ۔ علاوہ ازیں مساوات کے اصول کو پاکستان کی مخصوص جغرافیائی اور سیاسی صورتِ حال کے پیشِ نظر ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت حاصل تھی ۔ ماضی کے تمام دساتیر میں اس کی تصریح موجود تھی ۔ علاوہ ازیں مساوات کا یہ اصول مشرقی پاکستان کے بیشتر منتخب نمائندوں کی رضامندی سے اختیار کیا گیا تھا ۔ مگر یحییٰ خان نے مجیب الرحمن کی خوشنودی کی خاطر اس تسلیم شدہ آئینی اصول میں ترمیم کر دی اور یوں عوامی لیگ

کے لیے علیحدگی کا راستہ مزید ہموار کر دیا ۔ یحییٰ خان نے مشرقی پاکستانیوں کو خوش کرنے کے لیے انہیں وفاقی انتظامیہ میں برابر کی نمائندگی دینے کا اعلان کیا ۔ اس فیصلے کو ملک بھر میں سراہا گیا ۔ مگر بنگال کے علاقائیت پسند سیاستدان اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے ۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ بنگالیوں کو ہر شعبہ زندگی میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے ۔ دوسری طرف یحییٰ خان نے کلیدی اسامیوں پر جن بنگالیوں کو فائز کیا تھا ان میں سے بیشتر مجیب الرحمٰن کا آلۂ کار بن کر انہیں اہم نوعیت کی سرکاری اطلاعات اور اعدادوشمار فراہم کئے جنہیں انتخابی مہم میں بنگالیوں کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکانے کے لیے استعمال کیا گیا ۔

یحییٰ خان کو چاہیے تھا کہ وہ ون یونٹ اور مساوات کے اصول کے خاتمے جیسے اہم فیصلے کرتے وقت علاقائی خود مختاری کے مسئلے کا حل بھی تجویز کر دیتے ۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ یہ مسئلہ نہائت نازک اور پیچیدہ شکل اختیار کر چکا ہے ۔ اور یہ کہ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کا مقصد ہی اپنے علاقائی خود مختاری کے مخصوص نظریے کو عملی جامہ پہنانا ہے ۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ گول میز کانفرنس کے دوران میں اپنی تقریر میں وہ ملک کے لیے دو کرنسیوں کا مطالبہ کر چکے ہیں اور یہ کہ ان کے چھ نکات کو مغربی پاکستان کے سیاستدانوں سمیت ، کانفرنس کے دیگر شرکاء کی تائید حاصل نہیں تھی ۔ لیکن یحییٰ خان نے علاقائی خود مختاری کے مسئلے کو حل طلب ہی رہنے دیا جس کے نتیجے میں وہ بنگالی سیاستدانوں کی انتخابی مہم کے لیے مفید نعرہ بن گیا ۔

یکم جنوری ۱۹۷۰ء کو سیاسی سرگرمیوں سے پابندی اٹھا کر سیاسی جماعتوں کو سال کے آخر میں ہونے والے انتخابات کے لیے مہم چلانے کی اجازت دے دی گئی ۔ تین ماہ بعد یعنی ۳۰ مارچ کو یحییٰ خان نے لیگل فریم ورک آرڈر جاری کرنے کا اعلان کیا (۱۳) ۔ یہ دستاویز پاکستان کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے (۱۴) ۔ لیگل فریم ورک آرڈر کے نمایاں نکات یہ تھے :۔

۔ قومی اسمبلی ۳۱۳ ارکان پر مشتمل ہوگی ۔ جس میں تیرہ نشستیں خواتین کے لیے مخصوص ہوں گی ۔ (مشرقی پاکستان کے لیے ۱۶۹ مخصوص کی گئیں ۔ جن میں سے سات نشستیں خواتین کی تھیں)۔

۲ ۔ تمام نشستوں پر انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے ۔
۳ ۔ آئین مندرجہ ذیل اصولوں پر مشتمل ہو گا :

ا ۔ پاکستان کا طرزِ حکومت وفاقی ہو گا اور یہ ایک اسلامی جمہوریہ ہو گا۔
ب ۔ اسلامی نظریے کو تحفظ دیا جائے گا۔
ج ۔ سربراہِ مملکت لازمی طور پر مسلمان ہو گا۔
د ۔ جمہوریت کے بنیادی اصولوں کی پاسداری کی ضمانت دی جائے گی۔
ہ ۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں میں اختیارات تقسیم کرتے وقت صوبوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں گے ۔ تاہم وفاقی حکومت کو وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جو ملک کی آزادی اور علاقائی سالمیت کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں ۔
و ۔ ملک کے دونوں حصوں کے درمیان ہر قسم کا تفاوت ایک متعینہ مدت میں ختم کر دیا جائے گا ۔
۴ ۔ ۱۲۰ دنوں کے اندر آئین تیار کیا جانے گا ۔ بصورتِ دیگر قومی اسمبلی کو کالعدم قرار دے دیا جائے گا۔
۵ ۔ صدر کو قومی اسمبلی کے منظور شدہ آئین کی توثیق کرنے ، اسے مسترد کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہو گا ۔

ایل ایف او میں آئینی مسودہ منظور کرنے کے لیے درکار اکثریت کی تعداد متعین نہیں کی گئی تھی ۔ یہ غلطی سنگین نتائج کا باعث بنی ۔ اگر آئین کی منظوری کے لیے ۲/۳ اکثریت لازمی قرار دے دی جاتی تو آئین سازی کے عمل میں دونوں صوبوں کی شمولیت بغیر کسی قسم کے خدشات کے یقینی ہو جاتی ۔ ایل ایف او کی اس خامی کو 'سوچی سمجھی سازش' قرار دیا گیا ۔ تاکہ آئین کی منظوری کے لیے مقرر کی گئی ۱۲۰ دن کی مدت اسی نکتے پر بحث مباحثے میں ختم ہو جانے (۱۵)۔ ایل ایف او پر متعدد اعتراضات کیے گئے ۔ بنگالیوں کا موقف تھا کہ صدر کی توثیق کی شق نے قومی اسمبلی کی خود مختاری کو محدود کر دیا ہے ۔ کیونکہ "اقتدارِ اعلیٰ کی حامل اسمبلی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بیرونی تائید یا ویٹو یا وقت کی قید اور اختیارات کی تحدید کے بغیر آئین منظور کر سکے" (۱۶)۔

تاہم مذکورہ شق کی ایک اور توجیہ بھی پیش کی گئی کہ لیگل فریم آرڈر کے مصنف

کو یہ اندازہ نہ تھا کہ کسی فردِ واحد کے لیے خواہ وہ کتنا ہی با اختیار کیوں نہ ہو عوامی تائید کے بغیر قومی اسمبلی کے فیصلہ کو مسترد کرنا ممکن نہ تھا (۱۷)۔

بیشتر سیاسی جماعتوں نے صدر سے علاقائی خود مختاری کے مسئلے کا تصفیہ کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ 'اسے کلیتاً اسمبلی کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دیا جائے' (۱۸)۔ مگر صدر یحییٰ خان نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ 'مجیب الرحمٰن کو اس کے انتخابی نعروں سے محروم' نہیں کرنا چاہتے تھے (۱۹)۔

مجموعی طور پر ایل ایف او ایک غیر واضح دستاویز تھی اور اس کی بیشتر شقیں ابہام اور ژولیدگی کا مرقع تھیں (۲۰)۔ ایل ایف او کے اس پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے ہفت روزہ 'ہالیڈے' (۱۵ اپریل ۱۹۷۰ء) نے لکھا کہ 'ایل ایف او ایک ایسا معمہ ہے جس کے حل کے لیے تمام دنیا کے سیاستدانوں کو ابد تک سر جوڑ کر بیٹھنا ہو گا' (۲۱)

صدر یحییٰ خان کے متضاد بیانات نے بھی مزید شکوک کو جنم دیا۔ ۲۸ نومبر ۱۹۷۰ کو یحییٰ خان نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر قومی اسمبلی مقررہ مدت میں آئین تیار نہ کر سکی تو نئے انتخابات کرائے جائیں گے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اس اعلان پر شدید ردِعمل کا اظہار کیا اور ۱۳ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی پارٹی کسی نئے انتخاب میں حصہ نہیں لے گی۔ حالات کے تقاضوں کو سمجھنے اور مثبت رویہ اختیار کرنے کی بجائے یحییٰ خان نے ۳ دسمبر ۱۹۷۰ کو ایک اور خطاب کے دوران میں دھمکی دی کہ اگر آئین تیار نہ ہو سکا تو مارشل لا جاری رکھا جائے گا (۲۲)۔ مارشل لا کتنے عرصے تک نافذ رہے گا؟ یحییٰ خان کی تقریر میں اس کی کوئی وضاحت نہ تھی۔

بعض دانشوروں کے نزدیک مجیب الرحمٰن کا چھ نکاتی پروگرام ملک میں گزشتہ دو عشروں میں ہونے والے سیاسی واقعات کا ناگزیر شاخسانہ تھا۔ اگرچہ چھ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد کی صورت میں ملک کے دولخت ہونے کے امکانات موجود تھے، تاہم عوام کی اکثریت کا خیال یہ تھا کہ مجیب الرحمٰن نے یہ پروگرام مشرقی پاکستان کے لیے زیادہ سے زیادہ علاقائی خود مختاری حاصل کرنے کی غرض سے مرکز پر دباؤ ڈالنے کے لیے پیش کیا ہے۔ اس تاثر کی بنیاد اس یقین دہانی پر تھی جو

مجیب الرحمن نے مغربی پاکستان کے بعض رہنماؤں کو کرائی تھی ۔ اگست ۱۹۶۹ء میں مجیب نے اپنے دورۂ کراچی کے دوران میں عطاءاللہ مینگل اور اکبر بگٹی سے ملاقات کے وقت کہا تھا کہ ان کے چھ نکات حرفِ آخر نہیں ، تاہم وہ اس سلسلہ میں سخت موقف اختیار کر کے مشرقی پاکستان کے لیے زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں (۲۳)۔ اس طرح کی یقین دہانی مجیب الرحمن کے ہمراہ آنے والے عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل قمرالزمان نے سندھ کے ایک سیاستدان جام ساقی کو بھی کرائی (۲۴)۔

چھ نکات میں مشرقی پاکستان کے بعض جائز مسائل کی نشاندہی کی گئی تھی اور مجیب الرحمن کا دعوی تھا کہ 'یہ دراصل عوام کے وہ دیرینہ مطالبات ہیں جو کئی عشروں سے پذیرائی کے منتظر ہیں' (۲۵)۔ تاہم تمام مطالبات کو دیرینہ قرار دینا درست نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے کبھی بھی مشرقی پاکستان نے دو کرنسیوں ، صوبوں کے لیے بیرونی قرضے حاصل کرنے اور تجارت کے حق کی بات نہیں کی تھی ۔

مجیب الرحمن نے بار بار واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ وہ چھ نکاتی فارمولا پر مذاکرات کے لیے تیار ہیں اور یہ کہ اس میں ترمیم کی گنجائش موجود ہے (۲۶)۔ مزید برآں اس فارمولے کو عوام کے سامنے ان کی اقتصادی پسماندگی دور کرنے کے نسخے کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ اس لیے عوام کے علاوہ دانش وروں کا طبقہ چھ نکات کے مضمرات کو پوری طرح نہ سمجھ سکا ۔ چونکہ مجیب الرحمن نے یقین دہانی کرائی تھی کہ پروگرام کا مقصد مستحکم تر پاکستان کا قیام ہے ۔ اس لیے عوام اور دانشور چھ نکات میں پنہاں علیحدگی کے جراثیم نہ دیکھ سکے ۔

دستور ساز اسمبلی اور قومی اسمبلی کے وقائع اس امر کے شاہد ہیں کہ بنگالی سیاستدان مشرقی پاکستان سے مرکز کی سرد مہری پر مسلسل احتجاج کرتے رہے تھے ۔ بنگالی دانشور اور عوام بھی ملکی اقتدار میں کم نمائندگی ، اقتصادی ترقی میں علاقائی عدم توازن ، مرکز اور مشرقی پاکستان کے درمیان اختیارات کی آئینی تقسیم سے مایوسی (۲۷) کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے ۔ چنانچہ آزادی کے صرف تین برس بعد ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے گرینڈ نیشنل کنونشن میں مطالبہ کیا گیا کہ مرکز کے پاس صرف تین محکمے یعنی دفاع ، امور خارجہ اور کرنسی رہنے

چاہئیں جبکہ باقی تمام محکمے صوبے کی تحویل میں دے دیئے جائیں (۲۸)۔ مشرقی پاکستان میں ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں کامیاب ہونے والے یونائیٹڈ فرنٹ کے ۲۱ نکاتی پروگرام میں بھی مرکز کے لیے یہی تین محکمے مخصوص کیے گئے تھے ۔ عوامی لیگ نے ۱۹۵۶ء کے آئینی بل پر بھی اس بنا پر تنقید کی تھی کہ اس میں مشرقی پاکستان کے لیے معتدبہ خود مختاری کی ضمانت نہیں دی گئی تھی ۔ ۱۹۵۷ء میں مشرقی پاکستان اسمبلی نے مرکز کے لیے تین محکمے مخصوص کرنے کے مطالبے کا اعادہ کیا (۲۹)۔ ایوب خان کے دورِ حکومت میں مرکز پر فوج اور افسر شاہی کا غلبہ رہا جس نے بنگالیوں کی رنجش میں اضافہ کیا ۔ صوبائی خود مختاری کے لیے بنگالیوں کی جدوجہد مسلسل جاری رہی اور ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد اس میں مزید شدت آگئی ۔ یہی وہ دور تھا جب مشرقی پاکستان کے بعض ماہرینِ اقتصادیات نے دو معیشتی نظام کا تصور پیش کیا کہ بنگالی بہت عرصہ پہلے ہی سے کمزور مرکز کے حامی تھے جس کے پاس صرف تین محکمے ہوں یعنی دفاع امور خارجہ اور کرنسی ۔ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کے علاقائیت پسند دانشوروں کے ساتھ مل کر اپنے چھ نکاتی فارمولے میں مزید تبدیلیاں بھی کر لی تھیں اور عوام کو یقین دلایا کہ یہ فارمولا ایک مضبوط پاکستان کی تشکیل کا باعث ہو گا ۔

چھ نکات کا مصنف کون تھا ؟ اس کے بارے میں کئی نقطۂ نظر پیش کیے گئے ہیں ۔ مجیب الرحمٰن نے علیحدگی کی منصوبہ بندی کو کئی بار واضح کیا اور دعویٰ کیا کہ وہ ۱۹۴۸ء سے ہی اس کے لیے کوشاں تھا ۔ مگر اس نے چھ نکات کی تصنیف کے بارے میں لب کشائی نہیں کی ۔

کہا گیا کہ چھ نکات کی بنیاد بھارت میں رکھی گئی یا ان کا خالق ایوب خان کی حکومت کا کوئی اعلیٰ سرکاری افسر تھا ، مگر اب ان مفروضوں میں جان نہیں رہی ۔ اب کہا جانے لگا ہے کہ یہ پروگرام علاقہ پرست دانشوروں کی ذہنی تخلیق تھی ۔ مارننگ نیوز نے جنوری ۱۹۷۴ء میں انکشاف کیا کہ ڈاکٹر مظفر احمد چوہدری نے چھ نکات کے مسودے کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا تھا (۳۰)۔ اسی طرح رحمان سبحان اور بعض دوسرے بنگالی ماہرینِ اقتصادیات نے ۱۹۶۶ء سے پہلے ایسے نظریات پیش کئے جو بعد ازاں چھ نکات کی بنیاد بنے ۔ فیلڈ مین بھی ایسے ہی دانشوروں کو چھ نکات کا خالق قرار دیتا ہے (۳۱)۔

۱۹۶۶ء میں تیار ہونے والے چھ نکاتی فارمولے کے اصلی مسودے میں ۱۹۷۰ء

میں ترمیم کی گئی اور عوامی لیگ کے انتخابی منشور کا حصہ بنا لیا گیا (۳۲)۔ اگرچہ اس فارمولے کو چھ نکاتی پروگرام کا نام دیا گیا تاہم اس میں کئی اور نکات بھی شامل تھے ۔ در حقیقت چھ نکاتی پروگرام کی شکل میں ٦٦ ۔ ۱۹۴۷ء کے دوران مشرقی پاکستان کے مختلف راہنماؤں کی طرف سے فرداً فرداً پیش کیے گئے علاقائی مطالبات کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی تھی' (۳۳)۔

پروگرام میں ملک کے لیے ایک وفاقی اور پارلیمانی نظام تجویز کیا گیا تھا ۔ بظاہر یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہ تھی مگر مجوزہ وفاق یک ایوانی تھا ۔ جس میں نمائندگی کی شرح آبادی کی بنیاد پر متعین کی گئی تھی ۔ یہ تجویز وفاقی نظام کی روایت کے برعکس تھی ۔ کسی بھی وفاق کو کامیابی سے چلانے کے لیے دو ایوانی مقننہ کی ضرورت اور اہمیت ایک مسلّمہ امر ہے ۔ دوسرے ایوان کے بغیر ، آبادی کی بنیادوں پر تشکیل دی گئی مقننہ میں ہمیشہ کے لیے مشرقی پاکستان کی سیادت قائم ہو جاتی ۔ علاوہ ازیں فارمولا میں ایک کمزور مرکز تجویز کیا گیا تھا ۔ جسے صرف دو محکمے دیئے گئے تھے ۔ دونوں صوبوں کے لیے علیحدہ علیحدہ کرنسیوں کا مطالبہ کیا گیا تھا اور مالیاتی پالیسی کی تیاری صوبوں کی ذمہ داری قرار دی گئی ۔ مرکز کو دفاع اور امورِ خارجہ سمیت اپنی مالی ضروریات پوری کرنے کے لیے صوبوں کی رضاکارانہ امداد کا دستِ نگر بنا دیا گیا تھا ۔ صوبائی حکومتوں کو خارجہ تعلقات اور بین الاقوامی تجارت کے لیے مذاکرات کرنے کا اختیار دیا گیا تھا ۔ یہاں تک کہ دونوں صوبوں کے درمیان واحد مادی رابطے یعنی مواصلات کو بھی صوبائی حکومتوں کی تحویل میں دے دیا گیا تھا ۔ چھ نکات کے تحت صوبوں کو ملیشیا یا نیم فوجی تنظیمیں قائم کرنے کا بھی اختیار تھا۔

متحدہ پاکستان کی مخصوص جغرافیائی اور سیاسی صورتِ حال کے پیش نظر ایک مستحکم اور مضبوط مرکز کو ہمیشہ ایک ناگزیر ضرورت سمجھا گیا مگر مجیب الرحمٰن کا تجویز کردہ مرکز دونوں صوبوں کو متحد رکھنے کے قابل نہیں تھا ۔ باقی پہلوؤں سے قطع نظر چھ نکات میں امورِ خارجہ کے ایک بڑے حصے کو بھی مرکزی حکومت کے دائرہ کار سے باہر رکھا گیا تھا ۔ مواصلات کو صوبائی تحویل میں دینے کی تجویز پر کڑی تنقید کی گئی اور چھ نکات کے بہت سے ناقدین نے سوال کیا کیا دنیا بھر میں کسی ایسے وفاق کی مثال پیش کی جا سکتی ہے ، جہاں ایک سے زیادہ پوسٹل سسٹم یا

شہری ہوا بازی کے ادارے ہوں' (۳۴)۔ دو کرنسیوں کے جواز میں مصر اور شام کے قلیل المدت مشترکہ وفاق کی نظیر پیش کی جا سکتی تھی ۔ تاہم اس امر کی ضمانت موجود نہ تھی کہ دونوں کرنسیوں کی قیمت یکساں رہے گی ۔ کیونکہ Gresham گریشم کے اصول کے مطابق کمزور کرنسی مضبوط کرنسی کے مقابلے میں مارکیٹ میں زندہ نہیں رہ سکتی ۔ دوسری طرف ٹیکس لگانے کے اختیارات صوبوں کے سپرد کر کے مرکز کو ان کا دستِ نگر بنا دیا گیا تھا ۔ یوں کوئی بھی صوبہ کسی مجبوری کو جواز بنا کر وفاقی محصولات کی ادائیگی سے انکار کر سکتا تھا (۳۵)۔ چھ نکات کے مصنفین نے صوبوں کو غیر ملکی امداد اور تجارت کے اختیارات دے کر وفاق کے بنیادی تصور کی نفی کر دی تھی کیونکہ وفاقی نظام میں یہ شعبے بلا استثنا مرکز کے پاس ہوتے ہیں اس لیے چھ نکات کے تحت مجوزہ نظام حکومت فیڈریشن سے زیادہ کنفیڈریشن قرار دیا جا سکتا ہے ۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چھ نکات کا مقصد مرکز کو اس حد تک کمزور کرنا تھا کہ وفاقی حکومت عملی طور پر غیر مؤثر اور حقیقی اختیار سے محروم ہو جاتی ۔ مزید برآں چھ نکاتی فارمولا ایک مبہم دستاویز تھی جس کی ایک سے زیادہ توجیہات ممکن تھیں ۔ فارمولے کے پہلے ہی نکتے میں کہا گیا تھا کہ پاکستان ایک حقیقی وفاقی ریاست ہو گا ۔ یہ نکتہ ہر اعتبار سے ایک متحدہ پاکستان کی ضمانت دیتا ہے ۔ مگر یہ بات مشتبہ تھی کہ پروگرام کا مقصد حقیقی معنوں میں ایک وفاقی حکومت کا قیام تھا ۔ ایک تجزیہ نگار کے مطابق 'مجیب الرحمٰن کا یہ پروگرام علیحدگی کا ایک ڈھکا چھپا منصوبہ' تھا (۳۶)۔ پروگرام کا ایک قابلِ غور پہلو یہ تھا کہ اس میں ایک ہاتھ سے مرکز کو جو کچھ دیا گیا وہ دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیا گیا ۔ مرکز کو دفاع کی ذمہ داری سونپی گئی تھی ۔ مگر دفاعی اخراجات کے لیے اس کو کوئی وسائل مہیا نہیں کیے گئے تھے ۔ اس کے لیے مرکز کو صوبوں پر انحصار کرنا تھا ۔ اسی طرح خارجہ تعلقات مرکز کے پاس تھے ، مگر غیر ملکی امداد اور تجارت کا نگران صوبوں کو قرار دیا گیا تھا ۔

موجودہ دور میں کسی ملک خصوصاً پاکستان جیسی ترقی پذیر ریاست کے بیرونی تعلقات کے معاشی اور سیاسی پہلوؤں میں امتیاز کرنا تقریباً ناممکن ہے (۳۷)۔ ۱۹۷۱ میں ظفر اللہ خان نے مجیب الرحمٰن کے ساتھ ایک ملاقات کے بعد بتایا کہ وہ چھ نکات کے بارے میں بہت سے سوالات کا جواب نہیں دے سکے ۔ بالخصوص

ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا کہ مرکز کا اپنے اخراجات کے لیے صوبوں کی رضاکارانہ امداد پر انحصار ایک قابلِ عمل اور حقیقت پسندانہ اقدام ہو گا ؟ عام خیال تھا کہ مجیب الرحمن یا تو اپنے پروگرام کے تمام مضمرات سے آگاہ نہیں یا پھر اس کی منزل کچھ اور ہے ۔ جب مجیب الرحمن سے پوچھا گیا کہ کیا ایک مضبوط مرکز مشرقی پاکستان کے لیے پشت پناہ ثابت نہیں ہو گا اور دونوں صوبوں کے درمیان موجود اقتصادی تفاوت کو زیادہ بھرپور طور پر دور کرنے کا اہل نہیں ہو گا؟ تو انہوں نے صرف ایک 'استفہامیہ مسکراہٹ' پر اکتفا کیا (۳۸)۔ بہرحال یہ امر طے شدہ ہے کہ مجیب الرحمن کا پروگرام تضادات کا مجموعہ تھا اور اسے رو بہ عمل لانا ممکن نہیں تھا۔

ملک کے سیاسی افق پر نمو دار ہونے والے واقعات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ عوامی لیگ صوبائی خود مختاری کے مطالبے کی آڑ میں علیحدگی کا کھیل کھیل رہی ہے ۔ ۲ مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد کے حالات نے تصدیق کر دی کہ چھ نکات کی حیثیت مکمل علیحدگی کے منصوبے کو چھپانے کے لیے نقاب سے زیادہ نہیں اور یہ کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے طویل عرصے سے تیاریاں (جن میں اسلحہ کا حصول بھی شامل تھا) کی جا رہی تھیں (۳۹)۔ چھ نکات نے 'پاکستان کی بنیادوں خصوصاً اس کی یکجہتی کو شدید گزند پہنچائی اور اس طرح ملک کے وجود ہی کو خطرہ میں ڈال دیا گیا ۔ ان نکات کے ذریعے جس خود مختاری کا مطالبہ کیا گیا تھا اس کا مطلب مکمل علیحدگی سے کچھ کم نہ تھا' (۴۰) ۔ اگرچہ چھ نکات میں مغربی پاکستان کے صوبوں کی خود مختاری کا کوئی خصوصی حوالہ موجود نہ تھا تاہم عوامی لیگ کی قیادت کو یقین تھا کہ ان نکات کو تسلیم کرنے کے نتیجے میں مغربی پاکستان میں بھی تقسیم کا عمل شروع ہو جائے گا ۔ ریڈیو کابل نے اپنے ایک نشریے میں علیحدگی پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ چھ نکات کے نفاذ کے نتیجے میں پاکستان کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتا ۔ ریڈیو کے ایک تبصرے کے مطابق 'اس صورت میں نہ صرف بنگال آزاد ہو جاتا بلکہ پاکستان اپنی دوسری 'نوآبادیوں' مثلاً پختونستان اور بلوچستان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا (۴۱)۔ مغربی پاکستان کے شہری سیاسی حلقے دوسرے عوامل سے قطع نظر ، چھ نکات کے اس پہلو سے بھی پوری طرح آگاہ تھے ۔ چنانچہ انہوں نے اس پروگرام کی بھرپور مخالفت کی ۔ دسمبر ۱۹۷۰ میں شیخ مجیب نے کہا کہ 'ہم مکمل خود مختاری کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور اگر

جمہوری عمل کو روکا گیا تو ہم عوام کو لڑنے کے لیے گلیوں میں لے آئیں گے تا کہ ہم آزاد قوم کے طور پر زندہ رہ سکیں' (۴۲) ۔ ۲۱ ستمبر کو نرائن گنج میں تقریر کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمن نے کہا 'چھ نکات سے پاکستان اور اسلام کو کوئی خطرہ نہیں' سید پور (رنگ پور) میں انہوں نے کہا کہ عوامی لیگ کے چھ نکات سے پاکستان تباہ نہیں ہو جائے گا ۔ ڈھاکہ میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے مجیب الرحمن نے کہا 'میں حیران ہوں کہ مشرقی پاکستان جو آبادی کی اکثریت کا حامل ہے علیحدگی کیوں چاہے گا ؟ اگر وہ (مغربی پاکستان' علیحدہ ہونا چاہتا ہے تو ہو جائے) (۴۳)۔ اس سے پیشتر عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل قمرالزمان نے مئی ۱۹۷۰ء میں کہا کہ پاکستان ایک ایسا وفاق ہونا چاہئے جس میں تمام وحدتوں کو مکمل خود مختاری حاصل ہو (۴۴)۔ انہوں نے مزید کہا کہ چھ نکات کا کوئی نکتہ پاکستان کی وحدت اور سالمیت کے منافی نہیں ہے (۴۵)۔ ایک اور موقع پر قمرالزمان نے کہا "مغربی اور مشرقی پاکستان کے رشتے ناقابلِ شکست ہیں اور عوام کو گمراہ کن نعروں پر یقین نہیں کرنا چاہئے ۔ کیونکہ جمہوریت کی منزل صرف چھ نکات پر عمل درآمد ہی سے حاصل ہو سکتی ہے "(۴۶) ۔ انہوں نے مزید کہا کہ چھ نکات کی بنیادوں پر حاصل ہونے والی علاقائی خودمختاری صرف بنگالیوں ہی پر نہیں بلکہ مغربی پاکستان کے عوام پر بھی خوشحالی اور ترقی کے نئے افق وا کر دے گی (۴۷)۔ انہوں نے واضح الفاظ میں تردید کی کہ عوامی لیگ ملک توڑنے کے درپے ہے (۴۸)۔ چھ نکات پر تنقید کا جواب دیتے ہوئے قمر الزمان نے کہا کہ بنگلہ دیش پاکستان کا اکثریتی صوبہ ہے اس لیے علیحدگی پسندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۴۹)۔

اس طرح عوامی لیگ کے رہنماؤں نے عوام میں اس تاثر کو فروغ دیا کہ وہ ایک متحدہ پاکستان کے حق میں ہیں ۔ اسی دوران میں مجیب الرحمن 'حکومت کو نہایت ہوشیاری سے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ انتخابی کامیابی کے بعد چھ نکات پر مفاہمت کرنے کے لیے آمادہ ہوں گے ' (۵۰)۔ یحییٰ خان کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران مجیب الرحمن نے ہمیشہ یہ تاثر دیا کہ چھ نکات حرف آخر نہیں اور ان میں ضروری ترامیم کی جاسکتی ہیں (۵۱)۔ جی۔ ڈبلیو چوہدری کا بیان بھی بھٹو کی اس رائے کی تائید کرتا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں 'میں نے ۷۰۔۱۹۶۹ء میں ہونے والی 'یحییٰ ۔ مجیب' اور 'مجیب ۔ احسن' ملاقاتوں کے مندرجات کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجیب الرحمن نے اس امر کی بارہا

یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ انتخابات کے بعد چھ نکات میں ترمیم پر تیار ہیں' (۵۲)۔ امریکی پروفیسر وائن ولکاکس نے بھی لکھا ہے کہ یحییٰ خان کو ایک ایسی عوامی لیگ سے پالا پڑا جو قومی اتحاد کی بنیاد پر صلح کرنے کے لیے رضامند نہ تھی (۵۳)۔

انتخابات کے بعد چھ نکات کے سلسلے میں عوامی لیگ کے رویئے میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کی گئی اور اس کا موقف بتدریج سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا ۔ اپنی پہلی پریس کانفرنس میں مجیب الرحمن نے کہا 'آئین چھ نکات کی بنیاد پر تیار ہو گا اور اس میں مکمل علاقائی خود مختاری کی ضمانت دینا ہو گی' انہوں نے انتخابات کو چھ نکات کے سوال پر ریفرنڈم قرار دیا (۵۴)۔ عوامی لیگ کے نائب صدر نے اعلان کیا کہ ان کی پارٹی چھ نکات سے ہٹ کر کسی آئین پر رضامند نہیں ہو گی (۵۵)۔ مجیب الرحمن نے اپنے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ آئین کی بنیادیں چھ نکات پر استوار کی جائیں گی (۵۶)۔ عوامی لیگ کے رہنماؤں کے متعدد بیانات اور تقاریر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انتخابات کے بعد عوامی لیگ نے چھ نکات کے سلسلہ میں غیر لچکدار اور تہدید آمیز رویہ اختیار کیا ۔

اکتوبر ۱۹۷۰ء میں مجیب الرحمن نے خود مختاری کا جو پروگرام پیش کیا تھا اس پر عمل درآمد کا نتیجہ 'پاکستان کے خاتمے کے سوا کچھ نہ تھا' (۵۷)۔ غیر ملکی صحافی اور تجزیہ نگار بھی اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ چھ نکات کا مطلب علیحدگی کے سوا کچھ اور نہیں ۔ بھارتی اخبار زیادہ سرگرم تھے ، انہوں نے لکھا کہ مجیب الرحمن پاکستان کو توڑ کر آزاد بنگلہ دیش قائم کرنا چاہتا ہے (۵۸)۔ یعنی پاکستان کو دو لخت کرنا چاہتا ہے (۵۹)۔ اور یہ کہ عوامی لیگ کے چھ نکات پاکستان کو ایک قسم کی کنفیڈریشن میں تبدیل کر دیں گے ۔ ٹائمز لندن اس سے پیشتر ہی لکھ چکا تھا کہ مجیب الرحمن ایک ایسا آئین تیار کرنا چاہتے ہیں جو پاکستان کو توڑ کر پانچ ریاستوں کے ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق کی شکل دے دے اور جس کے تحت صوبائی حکومتوں کو 'آزادی کی حد تک خود مختاری حاصل ہو گی' (۶۰)۔

اگرچہ اس تمام عرصے کے دوران مجیب الرحمن بالاصرار یہ کہتے رہے کہ وہ متحدہ پاکستان پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے بعد کے اعترافات کے مطابق حقیقت حال اس کے برعکس تھی ۔ عوامی لیگ کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ '۱۹۶۶ء میں ہم نے مسئلے کے حتمی حل کے طور پر چھ نکات کو

اعلان کیا اور عوام کو صاف راستہ دکھایا ۔ یہ ایک مختلف قسم کا راستہ تھا ۔ جس پر گامزن ہو کر بنگالیوں کو پاکستان کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا ' (۶۱)۔ اسی طرح انہوں نے ڈیوڈ فراسٹ کو ٹیلی ویژن انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ وہ ۱۹۴۸ء سے بنگلہ دیش کی آزادی کے لیے کام کر رہے تھے (۶۲)۔ شیخ مجیب الرحمن نے علیحدگی پسندانہ کردار کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ 'آزادی کی جدوجہد کا آغاز ۱۹۴۸ء میں ہوا ۔ پھر یہ جدوجہد ۱۹۵۲ء ، ۱۹۵۴ ، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۰ء کی عوامی تحریکوں میں نمو پاتی رہی ۔' (۶۳)

۲۳ مارچ ۱۹۷۲ءکو 'بنگلہ دیش آبزرور' کے لیے موسیٰ احمد کو انٹرویو دیتے ہوئے مجیب الرحمن نے اپنے علیحدگی پسندانہ کردار کو وضاحت سے بیان کیا ۔ اسی طرح دس جنوری ۱۹۷۲ء کو ڈھاکہ میں رمنا ریس کورس میں خطابت کے جوہر دکھاتے ہوئے مجیب الرحمن نے کہا 'میں اس آزادی کے لیے گذشتہ پچیس برسوں سے کوشاں رہا ہوں ۔ میرا خواب اب شرمندہ تعبیر ہوا ہے' (۶۴)

پاکستان کے سابق سیکرٹری خارجہ سلطان ایم خان نے ایک مضمون میں انکشاف کیا کہ انتخابات کے فوراً بعد ڈھاکہ میں آر سی ڈی کے ایک اجلاس کے وقت ایران اور ترکی کے وزرائے خارجہ نے حکومت کی اجازت سے مجیب الرحمن سے ملاقات کی ۔ مجیب الرحمن نے اس ملاقات کے دوران میں کہا کہ وہ پاکستان کے وزیراعظم کی بجائے بنگلہ دیش کے بانی بننا زیادہ پسند کریں گے (۶۵)۔

عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل تاج الدین نے بھی کلدیپ نیر سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ 'چھ نکات تو محض آغاز تھا ، ہماری حقیقی منزل کامل آزادی تھی' (۶۶) ۔ مجیب الرحمن اور تاج الدین سے بہتر چھ نکات کی توجیہہ کون کر سکتا ہے ۔ ان کے بیانات عوامی لیگ کے عزائم سمجھنے کے لیے کافی شہادت کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کے اصل مقاصد کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنے دیتے ۔

حواشی

1 The Times, 27 March 1969 and The Sunday Times, 6 April, 1969
2. Wayne Wilcox, The Emergence of Bangladesh, p—15
3 Kuldip Nayyar, Distant Neighbours, p—138
۴: East — West Review, ڈھاکہ کے ایڈیٹر کو "مارشل لا جاری رکھنے پر تنقید" کے

الزام میں ایک سال کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔

The Guardian, 29 July 1969

5. The New Statesman London 28 March, 1969

۶۔ باخبر ذرائع کی مصنف کو فراہم کردہ معلومات

۷۔ عبد السلام خان نے ۱۷ مئی کو ڈھاکہ میں برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر کی طرف سے دی گئی ایک ضیافت میں مجیب کے ساتھ اپنے اختلافات کا اظہار کیا۔

8. G. W. Choudhary, "The Last Days of United Pskistan – A Personal Account", International Affairs (London), April 1973.

۹۔ گورنر احسن نے پروفیسر غلام اعظم کو بتایا کہ یحییٰ خاں کے ساتھ ان کی خفیہ اشاروں میں ہونیوالی گفتگو بھی مجیب تک پہنچ جاتی تھی۔ ملاحظہ ہو، انٹرویو پروفیسر غلام اعظم، "اسلامی جمہوریہ" ۲۵ ستمبر، ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۷، ص ۔ ۱۶

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ مصنف نے یحییٰ خاں کے ایک قریبی ساتھی کے پاس یہ رپورٹ خود دیکھی ہے۔
مزید ملاحظہ ہو، **The Guardian, London**، ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء

۱۲۔ ایک عینی شاہد کی مصنف سے گفتگو

۱۳۔ ملاحظہ ہو، مصنف کی تصنیف **"Pakistan Divided"**

۱۴۔ ایل ایف او، تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو

Herbert Feldman, The End and Beginning, P 67

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ **Holiday** (ڈھاکہ) ۵ اپریل ۱۹۷۰ء

۱۷۔ زیڈ اے بھٹو ۔ ص ۔ ۷۵

۱۸۔ **Holiday**، ۵ اپریل ۱۹۷۰ء

۱۹۔ **Holiday**، ۵ اپریل ۱۹۷۰ء

۲۰۔ **Feldman**، ص ۔ ۶۲

۲۔ **Holiday**، ۵ اپریل ۱۹۷۰

۲۲۔ **Feldman**، ص ۔ ۷۰

۲۳۔ ایک عینی شاہد سے ملاقات

۲۴۔ ایک عینی شاہد سے ملاقات

25. Mujibur Rahman, 6 – piont Formula Our Right to Live, 25 March 1966, p- 1

۲۶: تعمیر (راولپنڈی) ۱۔ جولائی ۱۹۶۹ء۔ جنگ (راولپنڈی)، ۲ نومبر ۱۹۶۹ء۔ مزید ملاحظہ ہو: انٹرویو مجیب الرحمٰن، اردو ڈائجسٹ، جولائی ۱۹۶۹ء

27 Safar A Akanda, "East Pakistan and Politics of Regionalism" (Ph. D. Thesis, University of Denver), p-23.

28. The Pakistan Observer, 6 Nov. 1950

29. The Morning News, 4 April, 1957.

۳۰: The Morning News, کراچی ۱۲ جنوری ۱۹۷۲ء، متعدد کتب کے مصنف ایم۔ اے چوہدری ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات میں ریڈر تھے۔

31. Herbert Feldman, Form crisis to Crisis, p - 183

۳۲: چھ نکات کے اصلی اور ترمیم شدہ مسودے جدول نمبر۱ پر دیئے گئے ہیں۔

33. Syed Humayun, "Sheikh Mujibur Rahman's 6 - Point Formula" (unpublished M.A Thesis, Political Science Department, Karachi University, 1973, p-59

34. The Pakistan Times, 22 Feb. 1971

35. Z.A Bhutto, The Great Tragedy, p-2

36 G.W Choudhury, "Bangladesh - Why it happened?" International Affairs, London, April 1972

۳۷: ایضاً

38. Muhammad Zafarullah Khan, " The Agony of Pakistan" pp 127 -128.

۳۹: ایضاً، ص۔ ۱۳۳

40. David Loshak, Pakistan Crisis, p-60

۴۱: ریڈیو کابل کا تبصرہ، (انگریزی) ۷ بجے شام ۲۵ اگست ۱۹۷۵ء

42. International Herald Tribune, Paris, Nov., 1970

43. The Pakistan Observer, 31 oct., 1970

44. The Dawn, 18 May . 1970

۴۵: ایضاً، ۲۱ مئی ۱۹۷۰ء (لاہور میں خطاب)

46. The Dawn, 21 June 1970

47. Ibid, 28 August, 1970

48. The Pakistan Times, 27 Sept., 1970.

49. The Dawn, 3 Nov., 1970

50. Z. A. Bhutto op.cit., p-13.

51 White Paper, Government of Pakistan, United Pakistan, p-10

52 G W Choudhury, The Last Days of United Pakistan, p 92

53. Wayne Wilcox, op.cit., p-21

54. The Pakistan Observer, 10 Dec.,1970.

55. Ibid.

56. The Pakistan Times, 20, Dec., 1970.

57. Feldman, The End and the Beginning, p-89

58. The Illustrated Weekly of India, 27 Sept., 1970
59 Commerce (Weekly) Bombay, 3 March, 1971
60. The Times. 15 Jan., 1971.
61 The Bangladesh Observer, 19 Jan., 1974.

۶۲۔ شیخ مجیب الرحمن کا ڈیوڈ فراسٹ سے ٹیلی وژن انٹرویو، لندن ویک اینڈ ٹیلی وژن ۔ ۱۶ جنوری ۱۹۷۲ء

63 Banglabandhu Speaks; A Collecton of Speeches and Statements of Sheikh Mujibur Rahman. Ministry of Foreign Affairs. Dacca. p—42.

۶۴: بحوالہ قطب الدین Mission to Washington ص ۴

۶۵: ملاحظہ ہو مضمون سلطان احمد خاں، Daily Muslim اسلام آباد ۔ ۱۹ جولائی ۱۹۸۳ء

۶۶: بحوالہ کلدیپ نیر، ص ۔ ۱۴۳

باب ۴

پہلے عام انتخابات اور ان کے مضمرات

عام انتخابات کی تاریخ کے اعلان کے بعد ملک میں جو سیاسی صورتِ حال سامنے آئی وہ انتہائی پیچیدہ تھی ۔ تقریباً ۲۵ غیر منظم اور علاقائی بنیادوں پر قائم سیاسی جماعتوں نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا ۔ مغربی پاکستان سے قومی اسمبلی کی ۱۳۸ ۔ نشستوں (خواتین کی نشستوں کے علاوہ) کے لئے ۱۰۷۰ ۔ امیدوار اور مشرقی پاکستان سے ۱۶۲ ۔ نشستوں کے لئے ۸۷۰ ۔ امیدوار میدان میں اترے ۔ کم حوصلہ امیدواروں کی دست برداری کے بعد مقابلے کے موجود امیدواروں کی تعداد ۱۵۷۰ تھی جن کی سیاسی وابستگیاں اس بات کی غماز تھیں کہ ان انتخابات میں کسی واحد سیاسی جماعت کا قومی سطح پر ابھرنا ممکن نہ ہو گا ۔ مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے ملک کے دونوں حصوں میں نامزد امیدواروں کی تفصیل درج ذیل ہے :

پارٹی	مشرقی پاکستان کے امیدوار	مغربی پاکستان کے امیدوا
عوامی لیگ	۱۶۲	۷
کنونشن مسلم لیگ	۹۳	۳۱
کونسل مسلم لیگ	۵۰	۶۹
جماعت اسلامی	۶۹	۷۹
جمعیت علمائے پاکستان	۱۳	۹۰
نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ)	۱۵	۵
نیشنل عوامی پارٹی (ولی خان گروپ)	۳۶	۲۵
پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی	۸۱	۲۷
پاکستان پیپلز پارٹی	-	۱۱۹
قیوم مسلم لیگ	۶۵	۶۰

مختلف جماعتوں کے نامزد امیدواروں کی تعداد سے ظاہر ہے کہ ملک کے دونوں حصوں سے دلچسپی رکھنے والی جماعتوں کی تعداد بہت کم تھی ۔ گویا ملک میں قومی سطح کی پارٹیوں کی تعداد قلیل تھی ۔ دراصل پاکستان میں آئے دن سیاسی عمل میں تعطل کے نتیجے میں جمہوری اداروں کا بلا انقطاع ارتقاء ممکن نہ ہو سکا ۔ چنانچہ قومی بنیادوں پر استوار سیاسی جماعتیں فروغ نہ پاسکیں ۔ ۱۹۷۰ء میں پاکستان کی دو اہم جماعتوں یعنی پیپلزپارٹی اور عوامی لیگ نے خود کو علی لترتیب مغربی اور مشرقی پاکستان تک محدود رکھا ۔ مسلم لیگ تین حصوں میں تقسیم ہونے کے بعد اپنی سیاسی طاقت اور معنویت کھو چکی تھی (۱) ۔ جماعت اسلامی اپنی تمام تر تنظیمی خوبیوں کے باوجود عوامی جماعت نہیں تھی ۔ اس کی سیاسی قوت مغربی پاکستان کے چند منتخب شہروں تک محدود تھی ۔ ولی خاں کی عوامی نیشنل پارٹی بھی ایک علاقائی جماعت تھی اور اس کی مقبولیت صرف صوبہ سرحد اور بلوچستان میں تھی ۔ نظریاتی اعتبار سے مسلم لیگ ، پاکستان جمہوری پارٹی ، جماعت اسلامی ، جمعیت علمائے اسلام اور جمعیت علمائے پاکستان دائیں بازو اور نیپ کے دونوں گروپ اور پیپلزپارٹی بائیں بازو کی جماعتیں سمجھی جاتی تھیں ۔ عوامی لیگ ملی جلی پارٹی تھی جس میں بائیں بازو کے عناصر کے علاوہ امریکہ کے حامی بعض سرمایہ دار بھی شامل تھے ۔ انتخابی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو ملک کے سیاسی افق پر انتشار اور عدم استحکام کے سائے صاف دکھائی دینے لگے اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے اختلافات مزید نمایاں ہو کر سنگین اور نازک صورت اختیار کر گئے (۲)۔

یہاں مختلف سیاسی جماعتوں کی انتخابی مہموں کا تفصیلی جائزہ درکار نہیں ۔ تاہم ضروری ہو گا کہ ملک کی دو بڑی جماعتوں یعنی پیپلزپارٹی اور عوامی لیگ کی انتخابی مہمات کا تجزیہ پیش کر دیا جائے ۔

مغربی پاکستان میں سب سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے والی سیاسی جماعت پیپلزپارٹی تھی ، جس کے سربراہ بھٹو تھے ۔ اس نے اپنی انتخابی مہم سوشلسٹ پروگرام کی بنیاد پر چلائی ۔ درج ذیل چار اصول اس کے منشور کا خلاصہ تھے :

اسلام ہمارا دین ہے
سوشلزم ہماری معیشت ہے

جمہوریت ہماری سیاست ہے
طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں

پارٹی نے عوام کی بنیادی ضروریات مہیا کرنے کا وعدہ کیا (۳) اور جلد ہی محنت کشوں، کسانوں اور پسماندہ طبقوں کی امنگوں کی علامت سمجھی جانے لگی ۔ پیپلز پارٹی نے بائیں بازو کی معتدلانہ سیاست اور ولولہ انگیز قیادت کی بدولت دائیں بازو کی جماعتوں کو جو پہلے ہی عوام میں مقبول نہ رہی تھیں سیاسی میدان میں پیچھے چھوڑ دیا ۔ پیپلز پارٹی کی کامیابی خصوصاً پنجاب میں اس کی مقبولیت کا باعث پارٹی کے قائد ذوالفقار علی بھٹو کا بھارت دشمن رویہ تھا۔ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی تقریروں میں غریب عوام کی اقتصادی زبوں حالی کو خاص طور پر موضوع بنایا اور یوں خود کو پسماندہ طبقوں کے نجات دہندہ کے طور پر پیش کیا ۔ بھٹو نے مارشل لا حکومت کے بارے میں مخالفانہ اندازِ سیاست اختیار کیا ، جس کے نتیجے میں وہ ایک جرأت مند سیاسی رہنما کے طور پر ابھرے ۔ بھٹو نے فوجی حکومت کے خلاف محاذ آرائی کے آغاز ہی میں اس کی غیر جانبداری کا تاثر ختم کرنے کی کوشش کی ۔ انہوں نے کہا کہ حکومت پیپلز پارٹی کے مخالفوں کی مالی اور اخلاقی امداد کر رہی ہے اور یہ کہ کابینہ کے اراکین اس کاروبار میں شریک ہیں (۴) ۔ بھٹو نے کابینہ کے استعفےٰ کا مطالبہ کیا ۔ جس کے جواب میں یحییٰ خان نے کہا "میری کابینہ کو نہ چھیڑا جائے" (۵) ۔ دریں اثنا پیپلز پارٹی کے بعض ممتاز رہنما جن میں مولانا کوثر نیازی اور مسٹر علی احمد تالپور بھی شامل تھے گرفتار کر لئے گئے ۔ ان گرفتاریوں نے جلتی پر تیل ڈالا اور اس کے نتیجے میں حکومت کے خلاف بھٹو کی مہم مزید تند و تیز ہو گئی ۔ اس نے کئی مقامات پر تقریر کرتے ہوئے گرفتار شدگان کی عدم رہائی کے نتیجے میں سنگین نتائج کی دھمکی دی (۶) ۔ کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ اگر ان کے ساتھیوں کو رہا نہ کیا گیا تو پیپلز پارٹی انتخابات کا بائیکاٹ کر دے گی (۷) ۔ فوج کے ساتھ بظاہر تصادم کی اس پالیسی کے باوجود فوج کے اہم جرنیلوں مثلاً جنرل پیرزادہ ، ائیر مارشل رحیم اور جنرل گل حسن وغیرہ کے ساتھ بھٹو کے قریبی تعلقات میں کوئی تبدیلی نہ آئی (۸) ، اور دار الحکومت میں ان کی باقاعدہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا ۔

جب اگست میں مشرقی پاکستان میں سیلاب کی وجہ سے انتخابات کو مؤخر کیا گیا

تو بھٹو نے کہا کہ انتخابات کو دو بڑی طاقتوں یعنی امریکہ اور روس کے ایماء پر ملتوی کیا گیا ہے ۔ کیونکہ یہ طاقتیں چاہتی ہیں کہ نمائندہ حکومت کے قیام سے پہلے پاکستان اور بھارت کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع ہو جائے ۔ بھٹو نے یہ الزام بھی عائد کیا کہ یحییٰ حکومت مختلف بہانوں سے دائیں بازو کو اپنی پوزیشن بہتر بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت دینا چاہتی ہے(۹)۔ تاہم ان بیانات کو زیادہ قابل اعتناء نہ سمجھا گیا ۔

اپنی انتخابی مہم کے دوران میں بھٹو نے بنگالیوں کے مسائل کا ذکر کیا ، نہ مشرقی پاکستان سے سیاسی روابط استوار کرنا ضروری سمجھا ۔ وہ مشرقی پاکستان میں عدم دلچسپی کا کوئی معقول جواز بھی پیش نہ کر سکے ۔ بھٹو نے صرف ایک بار اس وقت مشرقی پاکستان میں سیاسی کام کے آغاز کی کوشش کی، جب یحییٰ خاں کے مارشل لا سے کچھ عرصہ پہلے ان کے اور بھاشانی کے درمیان سوشلزم کے قیام کے لیے مشترکہ مساعی کرنے کا معاہدہ ہوا تھا ۔ مگر یہ معاہدہ فریقین کی عدم دلچسپی کا شکار ہو کر رہ گیا ۔ چنانچہ مجموعی طور پر بھٹو کی پالیسی دونوں صوبوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کا باعث بنی ۔

مجیب الرحمٰن نے اپنی انتخابی مہم کو چھ نکات، اقتصادی عدم مساوات اور بنگالیوں کے مسائل کی بنیادوں پر استوار کیا ۔ ایک منظم اور طویل سیاسی تاریخ کی حامل سیاسی جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے انہیں اپنے مخالفوں پر کئی اعتبار سے سبقت حاصل تھی ۔ انہیں طلباء ، وکلاء ، کارکنوں اور بنگال کے منتخب دانشوروں کی حمایت بھی حاصل تھی (۱۰)۔ دوسری سیاسی جماعتیں یا تو غیر منظم تھیں ۔ یا ان میں پیش قدمی اور ٹھوس سیاسی بنیاد مفقود تھی ۔ مجیب الرحمٰن کئی دفعہ جیل بھی جا چکے تھے ۔ وہ ایک مدت سے بنگال کے مسائل کے حل کے لیے آواز بلند کر رہے تھے ۔ چنانچہ اس امر کے باوجود کہ بھاشانی علیحدگی پسند نعروں(۱۱) میں مجیب الرحمٰن سے دو ہاتھ آگے تھے(۱۲)۔ مشرقی پاکستان کا واحد ترجمان مجیب ہی کو سمجھا جاتا تھا ۔

عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں اپنے سیاسی مخالفین کے کئی جلسوں میں گڑبڑ کی ۔ ۱۹ جنوری ۱۹۷۰ء کو عوامی لیگ کے کارکنوں نے جماعت اسلامی کے جلسہ عام کو اکھاڑنے کے لیے ہنگامہ برپا کردیا ۔ جس کے نتیجہ میں ایک شخص

ہلاک اور تقریباً چار سو زخمی ہوگئے ۔ مظاہرین نے اگلے روز بھی ایک شخص کو ہلاک کر دیا ۔ اسی طرح ڈھاکہ اور نرائن گنج میں پاکستان جمہوری پارٹی کے جلسوں میں گڑبڑ کی گئی ۔ نظامِ اسلام پارٹی کے مولانا فرید احمد کو زدوکوب کیا گیا ۔ حکومت کی طرف سے غیر جانبداری کے دعوے نے عوامی لیگ کے کارکنوں کو اپنے سیاسی مخالفوں کے خلاف ہر حربہ آزمانے کی کھلی اجازت دے دی ۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں انتخابات نہ تو آزادانہ تھے اور نہ ہی غیر جانبدارانہ(۱۳) ۔

مجیب الرحمٰن اپنی ہر تقریر میں پاکستانیوں کے خلاف نفرت کا کُھلم کُھلا اظہار کرتے جو کہ ان کے الفاظ میں بنگالیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے ذمہ دار تھے(۱۴) ۔ مجیب الرحمٰن نے بعض بنگالی پروفیسروں کے فراہم شدہ اعداد و شمار کو اپنی تقریروں میں نہایت مہارت سے استعمال کیا ۔ اپنی خطیبانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے خود کو مشرقی پاکستان کے واحد مسیحا کے طور پر پیش کیا ۔ یہاں تک کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی ان کی تقریریں تعصب کی عکاس تھیں ۔ مجیب الرحمٰن نے اپنے ایک خطاب میں مغربی اور مشرقی پاکستان میں سونے اور خوردنی تیل کی قیمتوں کا موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ مغربی پاکستان میں خوردنی تیل اڑھائی روپے سیر بک رہا ہے ، جبکہ مشرقی پاکستان میں اس کی قیمت چار روپے فی سیر ہے ۔ تاہم بعد میں تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس روز مغربی پاکستان کی مارکیٹ میں خوردنی تیل کا تھوک بھاؤ چار روپے فی سیر تھا ۔ اسی طرح انہوں نے کہا کہ مغربی پاکستان میں سونے کا بھاؤ ایک سو چالیس روپے فی تولہ ہے ۔ مگر یہ بیان درست نہ تھا ۔ جس روز مجیب الرحمٰن کی یہ تقریر اخبارات میں شائع ہوئی اس روز مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں سونے کا بھاؤ علی الترتیب ۱۶۵ اور ۱۶۰ روپے تھا(۱۵) ۔ مجیب الرحمٰن اپنی آتش بیانی کے زور پر مشرقی پاکستان کے عوام کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوگئے کہ وہ ماضی میں استحصال کا شکار رہے ہیں اور اب ان کے لیے اپنی اکثریت کی طاقت سے فائدہ اٹھانے کا آخری موقع ہے ۔ عوامی لیگ کے کارکنوں نے صوبہ بھر کے دیہات میں پھیل کر مغربی پاکستان کے مظالم کی مبالغہ آمیز داستانیں گھر گھر پہنچا دیں ۔ سڑکوں کے کناروں پر ایسے پوسٹر آویزاں کیے گئے جن میں ملک کے دونوں حصوں میں اشیائے ضرورت کی قیمتوں کا موازنہ کیا گیا تھا(۱۶) ۔ مقامی پریس نے نفرت کی اس مہم میں مجیب

الرحمن کا بھرپور ساتھ دیا اور عوام کے جذبات کو دیوانگی کی حد تک لے جانے میں ان کی بھرپور مدد کی ۔(۱۷)

مجیب الرحمن کی انتخابی تقاریر کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تہدید آمیز رویہ بے سبب نہیں تھا ۔ کئی موقعوں پر انہوں نے عوامی تحریک چلانے کی اپیل کی ۔ کیونکہ ان کے خیال میں "اس امر کا امکان موجود تھا کہ عوامی لیگ کے مطالبات انتخابات کے ذریعے پورے نہ ہوسکیں"(۱۸) انتخابات کے قریب آکر مجیب الرحمن اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے اور اپنے پیروکاروں کے بے پناہ جوش و جذبہ اور پر ہجوم جلسوں میں عوام کے دیوانہ وار نعروں کے سحر میں گرفتار ہو کر اپنی گفتار پر قابو کھوتے چلے گئے(۱۹) ۔ ۱۱ مارچ ۱۹۷۰ء کو مجیب الرحمن نے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے نوابزادہ نصراللہ خاں، مولانا مودودی اور قیوم خاں کو للکارتے ہوئے ان سے سوال کیا کہ وہ اپنے آقاؤں کے ذریعے لوٹی ہوئی بنگال کی دولت کب تک لوٹا سکیں گے ۔ انہوں نے بنگالیوں سے کہا کہ وہ بنگال کے غداروں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اپنی مقدس سر زمین کو سیاسی میر جعفروں اور جونکوں سے پاک کردیں(۲۰) ۔ ۱۰ مارچ ۱۹۷۰ کو عوامی لیگ کے سیکریٹری جنرل تاج الدین نے ڈھاکہ میں ایک تقریر کے دوران میں کہا کہ "ان تمام برسوں میں ڈاکو اور لٹیرے بنگالیوں کے خون اور گوشت پر پلتے رہے ہیں" ایک روز بعد انہوں نے مزید کہا کہ "مغربی پاکستان کے ایک استحصالی طبقے نے ۲۳ سال تک مشرقی پاکستان کا خون چوسا ہے ۔ پاکستان کی تاریخ سازش اور مسلسل استحصال کی تاریخ ہے"(۲۱) مجیب الرحمن کی بڑھتی ہوئی سیاسی قوت کو دیکھ کر مشرقی پاکستان کی انتظامیہ اور حکومت نے ان کی چاپلوسی شروع کردی ۔ انہیں تمام سرکاری تقریبات میں مدعو کیا جاتا ، جہاں انہیں غیر معمولی اہمیت دی جاتی ۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا کہ وہ پاکستان کے آئندہ وزیر اعظم ہیں ۔ چنانچہ صنعت کاروں، تاجروں اور اعلیٰ افسروں نے ان سے بھرپور تعاون کیا اور انہیں " سرمایہ داروں اور بنکوں سے بڑے پیمانے پر مادی امداد اور رقوم ملنا شروع ہوگئیں"(۲۲) ۔

دریں اثناء مجیب الرحمن نے بھارتی حکومت سے اپنا رابطہ بدستور قائم رکھا جو بین الاقوامی سطح پر مجیب الرحمن کو نمایاں طور پر پیش کر رہی تھی ۔ اور اس کی مدد سے انہوں نے عوامی لیگ کے رضا کاروں کے مسلح دستے ترتیب دیئے ۔

ان رضا کاروں کی تربیت فوجی انداز میں کی گئی اور انہیں بھارتی ہتھیار اور اسلحہ فراہم کیا گیا(۲۲)۔ عوامی لیگ کے نڈر رضاکاروں نے صوبے میں دہشت گردی کی فضا پیدا کر کے عملی طور پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی ۔ عوامی لیگ کی ان سرگرمیوں کے بارے میں صوبائی انتظامیہ کے بے نیازانہ رویے سے عوام میں یہ تاثر فروغ پاگیا کہ مجیب الرحمن اور یحییٰ خان کے درمیان صدارت اور وزارت عظمیٰ کے مسئلہ پر کوئی سمجھوتہ ہوچکا ہے ۔ ہندو سرمائے پر پلنے والی عوامی لیگ کے ہتھیار بند کارکن آئے دن جلوسوں اور ہڑتالوں کے ذریعے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے اگر کوئی ان سے تعاون نہ کرتا تو اُسے خوفزدہ کیا جاتا بلکہ مار پیٹ سے بھی گریز نہ کیا جاتا ۔ نام نہاد رضاکار مشرقی پاکستان کی سیاسی زندگی پر اس طرح قابض ہوگئے ، کہ تمام سیاسی سرگرمیاں ان کے زیر اہتمام پلتی تھیں ۔

ووٹروں کو ہراساں کرنے کے لیے ان رضاکاروں نے کئی مقامات پر اپنے مخالفین کے دفتروں کو تباہ کردیا ۔ دیگر جماعتوں کے جلسوں کو اکھاڑنا اور ان کے رہنماؤں پر حملے عوامی لیگ کے کارکنوں کا آئے دن کا معمول تھا ۔ قومی سطح کے تقریباً تمام رہنماؤں مثلاً نورالامین، عبدالسلام ، محمود علی، پروفیسر غلام اعظم وغیرہ نے عوامی لیگ کے کارکنوں کے رویے کے خلاف احتجاج کیا (۲۳) ۔ بلاشبہ عوامی لیگ کے رضا کاروں نے اپنی جماعت کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا ۔ آثار بتاتے تھے کہ مجیب الرحمن حکومت اور دوسری سیاسی جماعتوں سے پنجہ کشی کے لیے بالکل تیار ہیں۔یہ تھے وہ حالات جن میں عام انتخابات عمل میں آئے ۔

دوسری طرف یحییٰ خان کے دل میں مجیب الرحمن کے لیے شروع ہی سے نرم گوشہ موجود تھا ۔ یحییٰ خان نے مجیب الرحمن کے تشدد آمیز رویے اور ملک دشمن سرگرمیوں سے نہ صرف چشم پوشی کی بلکہ ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کئی موقعوں پر عوامی لیگ کے غیر معقول مطالبات کو بھی پذیرائی بخشی ۔

عوامی لیگ چھ نکات کی جو توجیہہ کر رہی تھی وہ صریحاً لیگل فریم آرڈر کی روح کے خلاف تھی مگر یحییٰ خان نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا ۔ آئین سازی کی اہمیت اور پیچیدگیوں کے پیش نظر ضروری تھا کہ لیگل فریم آرڈر میں آئین کی منظوری کے لیے ۶۰ فیصد لازمی اکثریت کی تصریح کردی جاتی ۔ اگرایسا ہو جاتا تو قوم ۱۹۷۱ء کے آئینی بحران سے بچ جاتی ۔ یحییٰ خان کابینہ کے رکن جی ڈبلیو

چودھری کے مطابق کابینہ میں پیش کیے گئے لیگل فریم آرڈر کے مسودہ میں یہ شق موجود تھی مگر یحییٰ خان نے شاطرانہ جوڑ توڑ کے ذریعے عین موقع پر اسے آرڈر سے خارج کر دیا ۔ چنانچہ اس اہم قومی مسئلے پر بھی یحییٰ خان نے مجیب الرحمٰن کی خواہشات کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا(۲۵) ۔ اسی طرح بعض حلقوں کی طرف سے لیگل فریم آرڈر میں صوبائی خود مختاری کی حدود متعین کرنے کا مطالبہ کیا گیا ۔ حکومت اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کرچکی تھی ۔ مگر یحییٰ خان گورنر احسن کی معرفت موصول ہونے والی مجیب الرحمٰن کی دھمکیوں کے سامنے سرنگوں ہوگئے اور اس اہم مطالبہ پر عمل نہ ہو سکا(۲۶) ۔ صرف یہی نہیں یحییٰ خان نے خود مجیب الرحمٰن کی اپنے کسی قریبی ساتھی کے ساتھ وہ ٹیپ شدہ گفتگو سنی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ "میرا مقصد بنگلہ دیش کا قیام ہے اور میں الیکشن کے بعد لیگل فریم آرڈر کی دھجیاں بکھیردوں گا"(۲۷) ۔ اس گفتگو میں عوامی لیگ کو غیر ملکی ذرائع سے ملنے والی امداد کا ذکر بھی کیا گیا تھا ۔ مگر یحییٰ خان کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور انہوں نے مجیب الرحمٰن کے ساتھ دوستانہ مراسم اور خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا ۔ یحییٰ خان کا رویہ بڑی حد تک مارچ میں پیدا ہونے والے اس بحران کا ذمہ دار تھا جو بالآخر متحدہ پاکستان کے خاتمے پر منتج ہوا ۔

جوں جوں انتخابات کی تاریخ قریب آتی گئی ہڑتالوں اور جلوسوں کے ذریعے عوامی لیگ کی طاقت اور مقبولیت کے مظاہروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ ان مظاہروں کا بہ نظر غائر تجزیہ ضروری ہے ۔ مشرقی پاکستان میں ۸۵ فیصد آبادی دیہی علاقوں میں رہتی تھی ۔ جہاں زندگی کے شب و روز ، مظاہروں سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے ۔ مزید برآں یہ لوگ عام طور پر غیر تعلیم یافتہ اور مذہبی رجحانات کے حامل تھے ۔ پاکستان سے ان کی محبت شک و شبہ سے بالا تھی ۔ یہ لوگ ہندوؤں سے شدید نفرت کرتے تھے ۔ کیونکہ وہ صدیوں سے ان کے استحصال کا شکار تھے ۔ شہری آبادی طلباء ، سرکاری ملازموں ، وکلاء ، تاجروں ، سیاستدانوں، سیاسی کارکنوں اور محنت کشوں پر مشتمل تھی اور یہ تمام طبقات سیاسی طور پر خاصے متحرک تھے ۔ نظریاتی اعتبار سے شہری آبادی کئی گروہوں میں منقسم تھی ۔ جن میں جمہوریت پسند ، کیمونسٹ، آزاد خیال ، سوشلسٹ اور اسلام پسند سبھی شامل تھے ۔ کیمونسٹوں کے دوگروپ تھے ، ایک چین نواز اوردوسرا روس نواز ، یہ دونوں گروپ عوامی لیگ کے اندر اور باہر سیاسی طور پر نہایت فعال تھے ۔ مگر

ان میں آپس میں رسہ کشی جاری رہتی تھی ۔ عوامی لیگ کو ابتداء میں اسلام دوست اور جمہوری عناصر کے سوا تمام سیاسی گروہوں کی ہمدردی حاصل تھی ۔

مگر جوں جوں مجیب الرحمٰن کے عزائم واضح ہوتے گئے ان کی حمایت میں کمی آتی گئی ۔ آخر کار عوامی لیگ کی قیادت پر انتہا پسندوں کا قبضہ ہوگیا ۔ جو روس یا بھارت کے اشاروں پر چلتے تھے ۔ عوامی لیگ اپنے رضاکاروں کی بدولت صوبے کے افق پر ایک غالب سیاسی قوت بن کر مکمل طور پر چھا چکی تھی ۔ آتشیں ہتھیاروں سے مسلح ان رضاکاروں نے لوگوں کو عوامی لیگ میں شمولیت پر مجبور کرنے کے لیے خوف و دہشت کا ہر حربہ روا رکھا(۲۸) ۔ پروگرام کے مطابق انتخابات کا انعقاد اکتوبر ۱۹۷۰ء میں ہونا تھا ۔ مگر ستمبر میں مشرقی پاکستان خوفناک سیلابوں کی زد میں آگیا ۔ جس کے نتیجے میں لاکھوں لوگ بے گھر ہوگئے اور مواصلات کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ۔ مجیب الرحمٰن نے اس آفت سماوی کو بھی مغربی پاکستان اور مرکزی حکومت کے خلاف اشتعال پھیلانے کے لیے استعمال کیا ۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ اگر مغربی پاکستان میں تربیلا اور منگلا جیسے بڑے بڑے ڈیم بن سکتے ہیں تو مشرقی پاکستان میں سیلاب پر قابو پانے کے انتظامات کیوں نہیں کیے جا سکتے(۲۹) ۔ سیلاب اور اس کی تباہ کاریاں مشرقی پاکستانیوں کے لیے ایک سنگین مسئلے کی حیثیت رکھتی تھیں اور مرکزی حکومت بھی اس مسئلے کو حل نہ کرنے کی ذمہ دار تھی ۔ لہٰذا اس مسئلہ پر مجیب الرحمٰن کے مؤقف نے لوگوں کے دل جیت لیے اور مشرقی پاکستان کے لوگ انہیں اپنا مسیحا سمجھنے لگے ۔

اس سلسلے میں حکومت کی راہ میں بھی کئی مشکلات حائل تھیں ۔ جو عوام کو بتائی نہ گئیں ۔ مختلف منصوبوں کے لیے مالی امداد امریکہ یا اس کے حلیف ممالک بین الاقوامی اداروں کے ذریعے فراہم کرتے تھے، اور طے شدہ منصوبے کے تحت یہ ممالک اپنی امداد کا بیشتر حصہ مغربی پاکستان کے لیے مخصوص کر دیتے ۔ دراصل یہ ممالک دوغلی پالیسی پر عمل پیرا تھے ۔ اگرچہ ان ممالک نے سیلابوں کی روک تھام کے لیے مجیب کو امداد دینے کا غیر سرکاری طور پر وعدہ کر رکھا تھا مگر جب بھی حکومت پاکستان نے اس امداد کا سرکاری سطح پر مطالبہ کیا، سیلابوں کی روک تھام کے منصوبے کو ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے اس امداد سے انکار کر دیا گیا ۔ اس بات نے مجیب کو ایک مستقل سیاسی ہتھیار فراہم کردیا جس سے وہ بین الصوبائی نفرت

کو بھڑکاتے رہے ۔

نومبر ۱۹۷۰ء کے وسط میں ساحلی علاقوں میں شدید طوفان کی تباہ کاریوں کے نتیجہ میں حالات مزید خراب ہوگئے ۔ اس کو اس دور کی سب سے بڑی قدرتی آفت قرار دیا گیا ۔ مجیب الرحمٰن نے متاثرہ علاقوں کے دورے کے دوران مرکزی حکومت کے خلاف نہایت تند و تیز تقاریر کیں ۔ انہوں نے الزام لگایا کہ حکومت نے متاثرین کی امداد کے لیے موصول ہونے والی کروڑوں روپے کی بیرونی امداد خرد برد کرلی ہے (۳۵) ۔ انہوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے بنگالی عوام کے جذبات کو خوب بھڑکایا ۔ اور حکومت کو مجرمانہ غفلت کا مرتکب قرار دیا ۔ بد قسمتی سے حکومت کی پراپیگنڈہ مشینری ان الزامات کا جواب پیش کرنے میں بری طرح ناکام رہی ۔ چنانچہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر دونوں صوبوں کے درمیان نفسیاتی خلیج اتنی وسیع ہوگئی کہ اسے پاٹنا تقریباً ناممکن ہوگیا (۳۱) ۔ ڈیوڈ لوشاک کے بقول "اس سانحے اور تباہی کو بھی سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا اور سیاستدانوں کو مغربی پاکستان پر الزامات لگانے کا بہانہ مل گیا" (۳۲) ۔ بنگالی قوم پرستوں نے افواہیں پھیلانے اور ہلاک شدگان کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے میں کمال مستعدی سے کام لیا ۔ بنگالیوں کا طرز عمل جہاں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت میں اضافے کا باعث بنا وہاں اس سے بنگالی اہلکاروں کی بدعنوانی اور ہیرا پھیری (۳۳) سے توجہ ہٹانے کا کام بھی لیا گیا ۔ نراد چودھری کے بقول "ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بنگالی سیلاب کی تباہ کاریوں سے فکر مند ہونے کی بجائے اسے مرکزی حکومت کے خلاف اپنے مجروح جذبات کے اظہار کے لیے استعمال کرنے کے درپے ہوں ۔ یہ امر طے ہے کہ عوامی لیگ نے سیلاب زدگان کی مدد کے سلسلے میں مرکزی حکومت پر غفلت کے الزام کو انتخابی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کیا اور یہ الزام بڑی حد تک اس کی کامیابی کا باعث بھی بنا ۔ میرے لیے یہ تصور ہی خوفناک ہے کہ اس طرح کی آفات کو سیاسی مسئلے کے طور پر استعمال کیا جائے " (۳۴) ۔

طوفان کی غیر معمولی تباہ کاریوں کے متاثرین کی بحالی میں مصروف ہونے کے پیش نظر بعض سیاسی جماعتوں نے عام انتخابات کے التواء کا مطالبہ کیا ۔ یہ مطالبہ اپنی جگہ معقولیت پر مبنی تھا، مگر مجیب الرحمٰن نے جو کہ بہر صورت اس موقع سے فائدہ اٹھانے پر تلے بیٹھے تھے ، انتخابات کے التواء کی مخالفت کی ۔ انہوں نے

اعلان کیا کہ "عوام بہر صورت اقتدار حاصل کرکے رہیں گے ۔ خواہ الیکشن کے ذریعے یا اگر الیکشن نہ ہوئے تو اپنی قوت کے بل بوتے پر ۔ اگر انتخابات کا راستہ روکا گیا تو بنگلہ دیش کے عوام دس لاکھ مرنے والوں کی خاطر مزید دس لاکھ جانوں کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے تاکہ وہ آزاد شہریوں کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں اور بنگلہ دیش خود اپنے مقدر کا مالک ہو(۳۵) ۔

اس دور میں مجیب الرحمٰن کی تمام تقاریر کا لہجہ اسی طرح دھمکی آمیز رہا ان کے انداز بیان سے ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے وہ ایک آزاد ملک کے سیاسی رہنما ہونے کی بجائے آزادی کی جنگ میں مصروف ہوں ۔ یہ اشتعال انگیز رویہ کسی طور بھی جمہوری عمل کو جاری رکھنے میں معاون نہ تھا ۔

مارشل لا حکومت نے مجیب الرحمٰن کی دھمکیوں کا نوٹس لینے کی بجائے ان کے مطالبات کے آگے گھٹنے ٹیک دیے ۔ حکومت کا یہ رویہ اس امر کا غماز تھا کہ مجیب الرحمٰن اور یحییٰ خان کے درمیان کوئی ساز باز ہوچکی ہے ۔ اس صورت حال نے نہ صرف فوجی حکومت کی کمزوریوں کو واضح کردیا بلکہ بالواسطہ احتجاجی سیاست کی حوصلہ افزائی کی ۔ یحییٰ خان کی اس پالیسی پر پیپلزپارٹی کی قیادت نے بھی سخت اعتراض کیا ۔ بھٹو سے یحییٰ خان کی دوستی کا آغاز انتخابات کے بعد ہوا، جب یحییٰ خان مجیب الرحمٰن سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے ۔

مجیب الرحمٰن مختلف مواقع پر اپنے علیحدگی پسندانہ عزائم کا مسلسل اظہار کرتے رہے ۔ ڈھاکہ میں ایک پریس کانفرس میں انہوں نے طوفان کے بارے میں حکومت کے سفاکانہ رویے پر شدید احتجاج کیا ۔ اس پریس کانفرس میں ایک غیر ملکی نامہ نگار نے مجیب الرحمٰن سے سوال کیا ۔ "آیا وہ علیحدگی کے خواہاں ہیں؟" مجیب الرحمٰن کا جواب تھا ۔ " نہیں ابھی نہیں"(۳۶) ۔ دسمبر میں مجیب الرحمٰن نے مائکل نکلسن کو ایک ٹیلی ویژن انٹرویو دیا جس کا عنوان تھا : "مشرقی پاکستان کا ایک علیحدگی پسند سیاسی راہنما" اس میں اس نے کہا" فی الحال میں ایک علیحدہ ملک کے قیام کا مطالبہ نہیں کر رہا تاہم اس کا سارا دارومدار انتخابات کے نتیجے میں سامنے آنیوالے عوامی فیصلے پر ہوگا"(۳۷) ۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کا سب سے تشویشناک پہلو یہ تھا کہ یہ انتخابات علاقائیت کے نعروں سے گونجتی ہوئی سیاسی فضا میں منعقد ہوئے تھے ۔ جس میں کوئی قومی قیادت یا قومی سیاسی پارٹی موجود ہی

نہ تھی - یہ صورتِ حال گذشتہ دو عشروں کی سیاست کا منطقی نتیجہ تھی - آزادی کے چوبیس سال گزرنے کے باوجود پاکستانی قوم ایک متحدہ قوم کے اوصاف سے تقریباً عاری تھی - اس صورت حال کی ذمہ داری کئی عوامل پر عائد ہوتی ہے - کسی بھی قوم میں مشترکہ مفاد کا احساس جمہوری نظام میں قومی قیادت یا قومی جماعتوں کے بغیر پیدا نہیں کیا جاسکتا - بد قسمتی سے پاکستان میں یہ دونوں عوامل مفقود تھے - دوسری طرف اقتدار کے قومی ڈھانچے اور اقتصادی ترقی میں تمام علاقوں کی مناسب شمولیت کا انتظام بھی ممکن نہ ہوسکا - اگر پاکستان میں جمہوریت کو پنپنے کا موقع دیا جاتا تو اس امر کی توقع کی جاسکتی تھی کہ ملکی امور میں احساسِ شمولیت کے نتیجے میں ایک قومی نقطۂ نظر ابھر کر سامنے آتا مگر ایسا نہ ہوسکا، اور الیکشن کے قریب آنے پر یہ خامی اور زیادہ نمایاں ہوگئی - علاقہ پرستی کا رجحان بعض سیاسی پارٹیوں کے دساتیر میں بھی راہ پانے لگا - معاملے کا افسوس ناک ترین پہلو یہ تھا کہ بیشتر سیاسی جماعتوں نے ملک کے دونوں حصوں میں اپنے امید وار نامزد کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی - عوامی لیگ نے مغربی پاکستان میں صرف آٹھ امید وار نامزد کیے - جبکہ مشرقی پاکستان میں پیپلز پارٹی کا کوئی امیدوار نہ تھا - اسی طرح ملک کی دونوں بڑی پارٹیوں نے علاقائیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا - انتخابات میں حصہ لینے والی چوبیس جماعتوں میں مسلم لیگ، جماعت اسلامی، پاکستان جمہوری پارٹی اور چند دوسری جماعتوں نے ملک کے دونوں حصوں میں اپنے امید وار کھڑے کیے - یہ جماعتیں سیاسی میدان میں اپنے طویل ماضی کے باوجود عوامی مقبولیت سے بڑی حد تک محروم ہو چکی تھیں - انتخابات کے نتائج کے مطابق کامیابی کا سہرا عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے سر رہا - ان جماعتوں کی حاصل کردہ نشستوں کی تفصیل درج ذیل ہے :-

اسمبلی کی کل نشستیں : ۳۰۰ (خواتین کی نشستوں کے بغیر) عوامی لیگ : ۱۶۲ میں سے ۱۶۰ (مشرقی پاکستان میں) پاکستان پیپلز پارٹی : ۱۳۸ میں سے ۸۱ (مغربی پاکستان میں)

حاصل شدہ ووٹوں کی تعداد اور ڈالے جانے والے کل ووٹوں سے اس کا فیصد تناسب

	پاکستان	مشرقی پاکستان	پنجاب	سندھ	سرحد	بلوچستان
عوامی لیگ	۱۲,۳۶۱,۸۶۸	۱۲,۳۳۸,۹۲۹	۸,۰۸۹	۷,۷۱۳	۳,۱۷۰	۳,۹۶۵
فیصد تناسب	۷۴٫۹%	۴٫۷	۰٫۲%	۰٫۲%	۱٫۰%	
پاکستان پیپلز پارٹی	۶,۱۴۸,۶۲۳	۴,۵۳۲,۵۰۱	۱,۴۰۱,۶۶۰	۲۰۵,۵۹۳	۸,۸۶۹	
فیصد تناسب	۱۹٫۵%		۴۱٫۶	۴۴٫۹%	۱۴٫۲	۲٫۳%
مجموعی درج شدہ ووٹ	۵۵,۲۰۷,۵۴۷					
مجموعی ڈالے گئے ووٹ	۳۳,۳۳۳,۴۳۴					

انتخابی نتائج کا قابل غور پہلو یہ تھا کہ عوامی لیگ کو ملک کے مجموعی رجسٹرڈ ووٹوں میں سے تقریباً ۲۲٫۳۹ فیصد ووٹ حاصل ہوئے ۔ مشرقی پاکستان میں اس کے حاصل شدہ ووٹوں کی شرح مجموعی ووٹوں کا ۴۲ فیصد تھی ۔ دوسرے لفظوں میں عوامی لیگ اپنی تمام تر جذباتی اپیلوں ، بوگس جعلی ووٹوں اور بھاری اخراجات کے باوجود مجموعی رجسٹرڈ ووٹوں کا نصف بھی حاصل نہ کر سکی ۔ الیکشن کے نتائج سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ مشرقی پاکستان میں مجموعی رجسٹرڈ ووٹروں میں سے صرف ۵۷ فیصد نے اپنا حق رائے دہندگی استعمال کیا ۔ جبکہ ہندو آبادی نے سو فیصد ووٹ ڈالے یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس کی نظیر نہ تھی ۔ کئی عینی شاہدوں نے مصنف کو بتایا کہ ہندوؤں نے انتخابات میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور عوامی لیگ کی انتخابی مہم میں پیش پیش رہے ۔ ماضی میں ہندوؤں نے کبھی بھی اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنی تنظیم کے ساتھ انتخابات میں حصہ نہیں لیا ۔

انتخابات کے نتائج کا مزید تجزیہ خلافِ قیاس صورتِ حال کی عکاسی کرتا ہے ۔ الیکشن کمیشن کے اعلان کے مطابق مجموعی ووٹروں کے ۵۷فیصد نے اپنا حق رائے دہندگی عوامی لیگ کے حق میں استعمال کیا ۔ اس طرح عوامی لیگ کو مجموعی رجسٹرڈ ووٹوں میں سے ۴۲فیصد ووٹ حاصل ہوئے جن میں سے ۱۵ فیصد ووٹ ہندوؤں کے تھے ۔ گمان غالب ہے کہ مشرقی پاکستان کے تمام ہندوؤں نے عوامی لیگ کے حق میں ووٹ دیا ۔ اگر جعلی ووٹوں کی تعداد کو ۱۰ فیصد تصور کیا جائے جو کہ ایک قابل یقین تعداد ہے ، تو عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان میں ملنے والے مسلم ووٹوں کی تعداد صرف ۱۷ فیصد رہ جاتی ہے ۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مشرقی پاکستان میں مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت نے الیکشن میں حصہ نہیں لیا ۔ (۳۸)

انتخاب میں کامیاب ہونے والی دو بڑی سیاسی جماعتوں یعنی عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کو علی الترتیب مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں کوئی نشست حاصل نہ ہوئی ۔ یہ صورتِ حال اس امر کی تصدیق کے لئے کافی تھی کہ ملکی سیاست کے بازار میں علاقائیت کو سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے ۔ یوں اہلِ نظر پر حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ پاکستان میں سیاست کا سفینہ اب صوبہ پرستی کی

تنگنائے میں سفر کرے گا ۔

انتخابات میں غیر معمولی فتح کے بعد عوامی لیگ کے مؤقف میں مزید سختی پیدا ہوگئی ، اور اس کی قیادت نے قسطائی انداز اپنالیا ۔ صدر یحییٰ خان نے مجیب الرحمٰن کی کامیابی پر مبارکباد کا پیغام بھیجتے ہوئے، انہیں پاکستان کا آئندہ وزیرِاعظم قرار دیا ۔ ان کے بعد مغربی پاکستان کے کئی سیاسی رہنماؤں نے انہیں متعدد بار اکثریتی پارٹی کے سربراہ کی حیثیت سے مغربی پاکستان کا دورہ کرنے کی دعوت دی ، جسے انہوں نے سختی سے ٹھکرا دیا ۔ مجیب الرحمٰن کی تمام سیاسی مساعی کا دائرہ کار مشرقی پاکستان کے لیے خود مختاری حاصل کرنے تک محدود رہا ۔ ان کی سوچ قومی نقطۂ نظر سے یکساں عاری تھی اور ان کے ذہن میں ملکی حکومت چلانے کا کوئی مبہم سا تصور بھی موجود نہ تھا ۔ (۲۹) انہوں نے ڈھاکہ کو طاقت کا محور قرار دیتے ہوئے اعلان کیاکہ جو بھی ان سے ملنا چاہتا ہے مشرقی پاکستان آکر ملے ۔ کسی اخباری نامہ نگار نے پوچھا" کیا انہیں صدر کی طرف سے اسلام آباد کے دورے کی دعوت دی گئی ہے " مجیب الرحمٰن نے کہاکہ " اگر صدر ان سے ملنا چاہتے ہیں تو ڈھاکہ آکر ملیں"۔ اور یہ کہ وہ خود کسی سے ملاقات کے خواہاں نہیں ۔ کامیابی کے بعد مجیب الرحمٰن علاقائیت پر مبنی رویہ بین الصوبائی کھنچاؤ کا باعث بنا اور ان کے عزائم کے بارے میں پہلے سے موجود خدشات مزید پختہ ہوگئے ۔ عام تاثر یہ تھاکہ مجیب الرحمٰن کا رویہ کسی قومی رہنما کے شایانِ شان نہیں ۔ دوسری طرف حکومت اپنی کمزور اور غیر نمائندہ حیثیت کی بناء پر اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھی ۔ صوبائی انتظامیہ پر اس کا گہرا اثر پڑا اور حکومت کے اس رویے کے نتیجے میں طاقت کے نشے میں سرشار عوامی لیگ نے انتظامیہ پر احکامات صادر کرنے شروع کردیئے اور اس کے رضا کاروں نے صوبے میں نظم و نسق برقرار رکھنے کی ذمہ داریاں سنبھال لیں گویا عوامی لیگ نے ایک طرح سے متوازی حکومت قائم کرلی تھی ۔

حواشی

۱۔ یحییٰ حکومت نے جنرل عمر، سیکرٹری نیشنل سیکورٹی کونسل اور این اے رضوی، ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو کے ذریعے مسلم لیگ کے تینوں دھڑوں کو قیوم خاں کی

سربراہی میں متحد کرنے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی ۔ فوجی حکومت نے قیوم خاں کو فنڈ بھی مہیا کئے ۔ یحییٰ خاں، قیوم خاں کے اس قدر دلدادہ تھے کہ انہوں نے ستمبر ۱۹۷۱ء میں ڈاکٹر اے ایم مالک سے اصرار کیا کہ سول کابینہ میں قیوم لیگ کا ایک نمائندہ شامل کریں ۔ ملاحظہ ہو روزنامہ "جنگ" (راولپنڈی) ۲ ستمبر ۱۹۷۰ء میں راؤ فرمان علی کا مضمون ۔

2. Feldman, The End and the Beginning p -78

۳: پیپلز پارٹی نے عوام سے روٹی، کپڑے اور مکان کا وعدہ کیا ۔ الیکشن کی جذباتی فضا میں کسی کو یہ احساس نہ ہوا کہ یہ وعدہ مبالغہ آمیز اور ناقابل عمل ہے ۔

۴: بھٹو نے شیر علی پر جماعت اسلامی کی امداد اور پیپلز پارٹی کے خلاف پراپیگنڈہ مہم چلانے کا کھلم کھلا الزام لگایا ۔ انہوں نے کہا کہ حکومت ان کی پارٹی کے خلاف مسلم لیگ کے تینوں دھڑوں کو متحد کرنے کی کوشش کر رہی ہے ۔ (ملاحظہ ہو بھٹو کی تقاریر ۔ ۴ اکتوبر، ۷ ۔ اگست ۱۹۷۰ء، مزید ملاحظہ ہو بھٹو کی تقریر علی پور ۳۱ جولائی ۱۹۷۰ء) ۔ انہوں نے مزید الزام لگایا کہ یحییٰ خاں کے وزیر مظفر علی قزلباش اور محمود ہارون علی الترتیب مسلم لیگ اور مجیب کی عوامی لیگ کی امداد کر رہے ہیں ۔(ملاحظہ ہو بھٹو کی تقاریر لاہور، ۷: اگست، علی پور ۳۱ جولائی ۱۹۷۰ء مزید ملاحظہ ہو بھٹو کی تصنیف (The Great Tragedy P.61

5. The Pakistan Times. 17 August. 1970

۶: ۲۵ اگست ۱۹۷۰ء کو بھٹو نے دھمکی دی کہ اگر حیات محمد شیر پاؤ کو گرفتار کیا گیا تو ایوب خاں کی طرح یحییٰ خاں کو بھی اقتدار سے رخصت کر دیا جائے گا ۔ مزید ملاحظہ ہو بھٹو کی تقاریر کراچی ۲۰ ستمبر، حیدر آباد ۲۳ ستمبر ۱۹۷۰ء ۷: ۲۳ ستمبر ۱۹۷۰ء کی بھٹو کی تقریر ۔

۸: کئی سیاستدان اپنی نجی محفلوں میں سوال کرتے تھے کہ قومی حکومت کے خلاف تند و تیز حملوں کے باوجود بھٹو کو گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا ۔ اس سوال کے جواب میں عام طور پر تین وجوہ بیان کی جاتیں ۔ اولاً یحییٰ خان بھٹو سے خوفزدہ ہے ۔ ثانیاً بھٹو نے گول میز کانفرنس کو سبوتاژ کر کے یحییٰ کے اقتدار کی راہ ہموار کی تھی ثالثاً بھٹو کی یحییٰ خاں کی حکومت کے طاقتور جرنیلوں سے دوستی ہے ۔

۹: ۳۰ اگست ۱۹۷۰ کو بھٹو کی پریس کانفرنس ۔

10. Kalim Siddiqi. Conflict. Crisis and War in Pakistan. 136

۱۱: بھاشانی روزِ اول سے علیحدگی پسند سیاستدان تھے ۔ ۲۲ اپریل ۱۹۷۱ء کو انہوں نے کہا کہ "بنگال کو ایک آزاد اور خود مختار ریاست بنانے کی جدوجہد پاکستان کے قیام

کے وقت سے جاری ہے"۔ مکمل متن کے لیے ملاحظہ ہو
"Bangladesh Documentation" ص ـ ۳۰۴ مزید ملاحظہ ہو "ٹائمز آف انڈیا" (۲۸ جولائی ۱۹۷۱ء) میں بھاشانی کا بیان جس میں انہوں نے کہا "قیام پاکستان کے وقت سے ہی میں اسی مؤقف کا علمبردار ہوں، یعنی ایک آزاد اور خود مختار بنگلہ دیش کا قیام۔"

:۱۲ فیلڈ مین کا خیال ہے کہ آزاد مشرقی بنگال کا نعرہ بھاشانی نے مجیب سے آگے بڑھنے اور اس کی مقبولیت کو چُرانے کے لئے لگایا تھا ملاحظہ ہو Feldman کی کتاب The End and the Beginning p, 84–85

:۱۳ اداکار (ہفت روزہ زندگی) لاہور، ۲۸ اگست ۱۹۷۲ء، ص ـ ۱۳: ملاحظہ ہو حمود الرحمٰن کمیشن میں ولی خاں کا بیان ۔

:۱۴ مضمون، فیض محمد، نمائندہ "نوائے وقت" ڈھاکہ ـ ۳ جنوری ۱۹۷۱ء، مزید ملاحظہ ہو، Rushbrook Williams, The East Pakistan Tragedy, p –44

:۱۵ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، مضمون ڈاکٹر انور اقبال قریشی، روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ـ ۱۱ نومبر ۱۹۷۰ء

:۱۶ مجیب نے عام جلسوں میں تواتر کے ساتھ اس نکتہ کو مغربی پاکستان کے خلاف تعصب کو فروغ دینے کے لیے استعمال کیا ـ "The New Times" راولپنڈی، ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۰ء

:۱۷ بحوالہ زیڈ اے بھٹو، ص ـ ۸

:۱۸ The Pakistan Times، ۲۴ ستمبر ۱۹۷۰ اور The Pakistan Observer ڈھاکہ، یکم نومبر ۱۹۷۰ء ـ

19 Rushbrook Williams, op.cit., p–44.

:۲۰ The Pakistan Times, ۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء، The Dawn ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء اور ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۰

:۲۱ The Pakistan Times، ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۰ء

:۲۲ بحوالہ زیڈ اے بھٹو، ص ـ ۷۱

:۲۳ بحوالہ زیڈ اے بھٹو، ص ـ ۷۱

:۲۴ بحوالہ وائٹ پیپر، ص ـ ٦ : مزید ملاحظہ ہو انٹرویو، پروفیسر غلام اعظم، روزنامہ "جسارت" کراچی، ۲۷ نومبر ۱۹۷۲ء

:۲۵ بحوالہ جی ڈبلیو چودھری، ص ـ ۱۷

:۲۶ ایضاً، ص ۔ ۹۱ مزید ملاحظہ ہو
International Affairs, London April 1973, p 233

:۲۷ بحوالہ جی ڈبلیو چودھری، ص ۔ ۹۸

28. The Pakistan Observer, 31 July 1970.
29. The Dawn, 30 August, 1970.

:۳۰ اس طرح کے بیانات کے لئے ملاحظہ ہوں، "The Pakistan Observer, ڈھاکہ ۱۱ نومبر ۱۹۷۰ء ۔ The Morning News, ۲۳ نومبر ۱۹۷۰ء اور The Pakistan Times ۱۹۷۰ء

:۳۱ بحوالہ زیڈ اے بھٹو، ص ۔ ۱۵

32. David Loshak, op.cit, p–50.
33. David Loshak, op.cit. p–150
34. Nirad C. Chaudhry, Hindustan Standard, 31 December 1970.
35. The Pakistan Observer 27, Nov., 1970.

:۳۶ The Pakistan Times, (راولپنڈی) ، ۲۷ نومبر ۱۹۷۰ء مزید ملاحظہ ہو Washington Post ، ۳ مارچ ۱۹۷۱ء

:۳۷ ایضاً، ۴ دسمبر ۱۹۷۰ء

:۳۸ مصنف کو سابق مشرقی پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد نے بتایا کہ جب وہ ووٹ ڈالنے کے لیے پولنگ اسٹیشن پہنچے تو ان کے ووٹ پہلے ہی ڈالے جا چکے تھے ۔

باب ۵

علیحدگی کی راہ پر (۱۹۷۰ء-۱۹۷۱ء)

عام انتخابات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال میں ملک و قوم کے مستقبل کی تمام تر ذمہ داری مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار علی بھٹو کے کندھوں پر آ پڑی تھی ۔ انتخابات سے پہلے اور ان کے دوران میں دونوں صوبوں میں فروغ پانے والی مغائیرت کے خاتمے کے لیے ان دونوں رہنماؤں کے درمیان قابلِ عمل سمجھوتہ ناگزیر تھا ۔ اس سمجھوتے کے لیے ضروری تھا کہ فوج ریفری کا کردار ادا کرتے ہوئے اس امر کو یقینی بناتی کہ دونوں ٹیمیں کھیل کے اصول اور ضوابط پر پوری طرح کاربند رہیں ۔ مگر بد قسمتی سے عوامی لیگ ، پیپلز پارٹی اور فوج میں سے کوئی بھی عوامی توقعات پر پورا نہ اتر سکا ۔

انتخابات کے فوراً بعد بھٹو نے ایسے بیانات جاری کیے جو عوامی لیگ کی قیادت کو اشتعال دلانے اور بین الصوبائی کشیدگی میں اضافے کا باعث بنے ۔ بھٹو نے عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی میں سمجھوتے کی ضرورت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا تہدید آمیز رویّہ اختیار کیا جس کی توجیہہ اس کے سوا کوئی اور نہیں کی جا سکتی تھی کہ ان کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ مجیب الرحمٰن انہیں شریکِ اقتدار بنانے پر مجبور ہو جائے (۱) ۔ اقتدار کی اس سیاست میں بھٹو کو فوج کی پوری حمایت حاصل تھی اور وہ اسے تیسری پارٹی کا نام دیتے تھے ۔ انہوں نے ۲۱ دسمبر

کو لاہور میں کہا "اگر صدر مملکت ، عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو آئین مقررہ مدت سے پہلے ہی تیار کیا جا سکتا ہے ۔" انہوں نے کہا "اگر یہ دونوں جماعتیں افہام و تفہیم میں ناکام رہیں تو صورت حال قابو سے باہر ہو جائے گی اور مغربی پاکستان سے پیپلز پارٹی کو نظر انداز کر کے دوسرے اراکین کی مدد سے آئین سازی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتائج تباہ کن ہوں گے ۔" اس تقریب میں انہوں نے واضح الفاظ میں کہا "ان کی پارٹی کے تعاون کے بغیر کسی حکومت کا چلنا نا ممکن ہے ۔ اقتدار میں دونوں پارٹیوں کی شرکت ضروری ہے ۔ ان کی پارٹی کو اپوزیشن بنچوں پر بیٹھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ۔ اِلّا یہ کہ وہ خود ایسا چاہے ۔" انہوں نے عوامی لیگ کے ساتھ مل کر مرکز میں مشترکہ حکومت بنانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا ۔ ۲۱ دسمبر کو لاہور میں کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے آئین سازی کے لیے تین متبادل صورتیں پیش کیں :

۱ ۔ صدر مملکت ، پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ باہم مل کر معاملہ طے کر لیں ۔ اس صورت میں آئین ۱۲۰ دن سے پہلے تیار کیا جا سکتا ہے ۔

۲ ۔ پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ باہمی افہام و تفہیم سے مسئلہ حل کر لیں ۔

۳ ۔ دونوں حصوں کے لیے علیحدہ علیحدہ آئین ہوں جس کا لازمی نتیجہ ایک بحران کی شکل میں برآمد ہو گا ۔

اس طرح بھٹو وہ پہلے سیاستدان تھے جنہوں نے ملک کے دونوں حصوں کے لیے علیحدہ علیحدہ آئین تجویز کیے ۔ اپنے اسی خطاب میں انہوں نے تنبیہہ کی کہ پیپلز پارٹی کی رضامندی کے بغیر ہونے والے کوئی بھی آئینی انتظامات کامیاب نہیں ہو سکتے (۲) ۔ جیسا کہ ان بیانات سے ظاہر ہے ملک کی سیاسی فضا کسی غیر معمولی آئینی بحران کی نشاندہی کر رہی تھی ، مگر یحییٰ خان نے حالات کو سدھارنے کی کوئی کوشش نہ کی ۔

۲۷ دسمبر کو بھٹو نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اپنے پرانے موقف کا اعادہ کیا ۔ کسی غیر ملکی نامہ نگار نے سوال کیا : "اگر مجیب الرحمٰن نے اپنی مرضی کا آئین تھوپنے کی کوشش کی تو ان کا ردِ عمل کیا ہو

گا ؟" بھٹو نے کہا "میں الگ ہو جاؤں گا اور پھر نتائج کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی ۔" بھٹو کے ان بیانات سے ظاہر ہے کہ انہوں نے عدم سمجھوتے کی صورت میں قومی اسمبلی کے بائیکاٹ کے امکانات پر بہت پہلے سے سوچنا شروع کر دیا تھا اور یہ کہ بھٹو نے اس موقع پر ایسا رویہ اختیار کیا جیسے وہ اکثریتی پارٹی رہنما ہوں ۔ مسٹر بھٹو کے اس حد سے بڑھے ہوئے اعتماد اور غیر مصالحانہ رویے نے ملک کے دونوں حصّوں کے درمیان تصادم کی فضا پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ۔

انتخابات کے نتائج نے یحیٰی خان کا یہ مفروضہ غلط ثابت کر دیا کہ کوئی بھی جماعت قومی اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل نہیں کر سکے گی ۔ چنانچہ جنوری ۱۹۷۱ء میں الیکشن کے بعد پہلی ملاقات میں یحیٰی خان نے مجیب الرحمٰن سے کہا کہ وہ پیپلز پارٹی کے ساتھ سمجھوتے کی کوئی صورت نکالے ۔ مشرقی پاکستان میں اسے انتخابات کے نتائج کو پس پشت ڈالنے اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان آویزش کا بیج بونے کے مترادف قرار دیا گیا (۲) ۔ یحیٰی خان کے عزائم کا صحیح تجزیہ ممکن نہیں تاہم بظاہر صورت حال کا تقاضا یہی تھا کہ تصادم سے بچنے کے لیے مجیب الرحمٰن اور بھٹو میں سمجھوتا ضروری تھا ۔

اگرچہ مجیب الرحمٰن اور بھٹو دونوں سیاسی رہنماؤں نے مشرقی پاکستان کے ساتھ ہونے والی نا انصافیوں کے ازالے کا وعدہ کر رکھا تھا (۲) اور انہوں نے اپنی طویل انتخابی مہم کے دوران ایک دوسرے پر ذاتی حملے کرنے سے بھی گریز کیا تھا ۔ تاہم ملک میں برسر عمل سیاسی قوتوں اور دونوں رہنماؤں کے درمیان تند و تلخ بیانات کے تبادلے کے پیش نظر ان کے باہمی مذاکرات سے کوئی خوش آئیند توقع وابستہ نہیں کی جا سکتی تھی ۔ قومی مسائل پر ان کے نظریات ، مزاج کے تفاوت اور متضاد عزائم نے دونوں کے درمیان ناقابل تسخیر دیواریں حائل کر رکھی تھیں ۔ اس لیے دونوں کی ملاقات کا نتیجہ حسب توقع ہی نکلتا ۔

مجیب الرحمٰن بھٹو ملاقات سے پہلے بعض دوسرے ناخوشگوار عوامل کی بناء پر دونوں رہنماؤں کے درمیان فاصلہ مزید بڑھتا چلا گیا ۔ اولاً عوامی لیگ کی غیر معمولی فتح کے نتیجے میں چھ نکات پر اس کا مؤقف مزید سخت ہو گیا ثانیاً بھٹو نے چھ نکاتی فارمولے کو ملکی سالمیت کے لیے زہر قاتل قرار دیتے ہوئے اس پر تنقید

شروع کر دی ۔ مجیب الرحمن نے ایک مرتبہ کہا کہ چھ نکات کو بنیاد بنائے بغیر کوئی آئین تیار نہیں کیا جا سکتا (۵) ۔ دوسری طرف بھٹو نے اعلان کیا کہ پاکستان مں قوت کے حقیقی سرچشمے پنجاب اور سندھ ہیں اور چونکہ پیپلز پارٹی کو ان صوبوں میں بھاری اکثریت حاصل ہوئی ہے ۔ لہذا آئین کی تشکیل یا کسی بھی مرکزی حکومت کے قیام کے لیے اُن کا تعاون ضروری ہے (۶) ۔ انہوں نے واضح کیا کہ گذشتہ ۲۳ برسوں میں امور مملکت میں مشرقی پاکستان کی عدم شمولیت کا یہ مطلب نہیں کہ آئندہ ۲۳ سال تک مشرقی پاکستان مغربی پاکستان پر حکومت کرے (۷) ۔ اس پر عوامی لیگ کی طرف سے شدید ردّ عمل کا اظہار کیا گیا اور پارٹی کے سیکرٹری جنرل تاج الدین احمد نے اپنے جوابی بیان میں کہا "ہمیں قومی اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل ہے اور عوام نے اپنے ووٹوں کے ذریعے ہمیں آئین اور مرکز کی حکومت بنانے کا اختیار دیا ہے ۔ وہ دن گئے جب پنجاب اور سندھ قوت کا سرچشمہ ہونے کے دعویدار ہوتے تھے"(۸) ۔ یہ بیان بازی ملک کے دونوں حصوں کے درمیان موجود اختلافات میں مزید اضافے کا باعث بنی ۔

پاکستان میں آئین سازی کی تاریخ مظہر ہے کہ کوئی آئین اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے تمام صوبوں کی حمایت حاصل نہ ہو ۔ آئین محض ایک سادہ اکثریت سے منظور ہونے والا قانون نہیں ہوتا بلکہ اس کی حیثیت قوم کی اجتماعی امنگوں کی ترجمانی کرنے والی مستقل دستاویز کی ہوتی ہے ۔ وفاقی نظام حکومت میں آئین سازی کے عمل میں صوبوں کی شمولیت اور تائید کو ناگزیر ضرورت تسلیم کیا گیا ہے ۔ مجیب الرحمن نے مغربی پاکستان کے خدشات کا ازالہ کرنے کے بجائے قومی اسمبلی میں اکثریت کے بل بوتے پر مسودۂ آئین منظور کرانے کے لیے دھمکی دی ۔ ان کے جواب میں بھٹو نے کہا کہ وہ اس طرح منظور ہونے والے آئین کی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتے (۹) ۔ بھٹو کی طرف سے اقتدار میں شرکت کا ایک پس منظر بھی تھا ۔ مجیب الرحمن یوسف ہارون کی وساطت سے قومی اسمبلی میں مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والی چھوٹی جماعتوں اور آزاد اراکین کا تعاون حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے ۔ ان مساعی کا واضح مقصد بھٹو اور اس کی جماعت کی اہمیت کو کم کرنا تھا (۱۰) ۔

عدم اعتماد اور خدشات کی اس فضا میں بھٹو نے مجیب الرحمن سے بار بار

چھ نکات پر مفاہمت کا مطالبہ کیا ۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ان کی پارٹی اپوزیشن مین نہیں بیٹھے گی کیونکہ اگر انہیں اختیار نہ ملا تو عوام سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کے لیے مزید پانچ سال تک انتظار نہیں کیا جا سکتا (۱۱) ۔ پارلیمانی روایت کے نقطۂ نظر سے یہ ایک غیر معمولی بیان تھا ۔ بھٹو نے کہا "صوبوں کے لیے خود مختاری کی حد کا فیصلہ عوام میں اکثریت کے بل بوتے پر نہیں کیا جا سکتا ۔ کیونکہ اس طرح قومی اسمبلی ایسا آئین تیار نہیں کر سکے گی جو دونوں کے لیے قابل قبول ہو"(۱۲) انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ مغربی پاکستان کے "واحد ترجمان" ہیں اور یہ کہ "انہیں اقتدار میں شرکت سے محروم نہیں رکھا جا سکتا"(۱۳) ۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کی جماعت ہر اس سازش کا مقابلہ کرے گی جو اسے اپوزیشن میں بٹھانے کے لیے کی جائے گی (۱۴) ۔ بھٹو کے ان بیانات کے نتیجے میں مجیب الرحمٰن کا رویہ مزید سخت ہو گیا اور انہوں نے اعلان کیا کہ "حکومت بنانے کا حق صرف عوامی لیگ کو حاصل ہے"(۱۵) ۔

۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو رمنا ریس کورس میں عوامی لیگ کے اراکین قومی اسمبلی نے عوام کے ایک اجتماع کے سامنے حلف اٹھایا "ہم ہر حال میں چھ نکات اور گیارہ نکاتی پروگرام پر عوامی فیصلے کی پاسداری کریں گے"(۱۶) ۔ مجیب الرحمٰن نے اپنے خطاب میں کہا کہ شہداء کا خون رائیگاں نہیں جائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ہم اکثریت کے نمائندے ہیں ۔ اس لیے ہم آئین تشکیل دیں گے اور اس راستے میں رکاوٹیں ڈالنے والوں کو کچل دیا جائے گا (۱۷) ۔ رمنا ریس کورس کے اس جلسۂ عام میں سٹیج پر بنگلہ دیش کا نقشہ آویزاں کیا گیا جس پر "جے بنگلہ" کے الفاظ درج تھے (۱۸) ۔ اس تقریب میں کئی سفارت کار بھی شریک تھے ۔ یہ تقریب اور مجیب الرحمٰن کی طرف سے مخالفین کو کچلنے کا اعلان ان لوگوں کی خوش فہمی دور کرنے کے لیے کافی تھا جو اب تک کسی سمجھوتے کی آس لگائے بیٹھے تھے ۔ حلف برداری کی اس تقریب نے ملک بھر کے محب وطن افراد کو سخت صدمہ پہنچایا ۔ اس تقریب کے بعد عوامی لیگ کے لب و لہجہ میں مزید شدت آ گئی ۔ ۴ جنوری کو مجیب الرحمٰن نے کہا "مغربی پاکستان ہمارے خود مختاری کے دیرینہ چھ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد کو روکنے کی مساعی کر رہا ہے ۔ اگر ضرورت پڑی تو میں عوام سے کہوں گا کہ وہ انقلاب کے لیے اٹھ کھڑے ہوں (۱۹) ۔" مجیب

الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں نے کھلم کھلا "بنگلہ دیش" کی "نجات" کا ذکر شروع کر دیا ، اور اس بات پر زور دیا کہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کہا جائے ۔ اخبارات نے مجیب الرحمٰن کی سرگرمیوں کا مواخذہ کرتے ہوئے پاکستان کی سالمیت کو درپیش خطرات کی نشاندہی کی ۔ ایک اخبار نے لکھا "مجیب الرحمٰن اپنی تقریروں اور بیانات میں مشرقی پاکستان کی بجائے بنگالی قوم کا ذکر کر رہے ہیں" (۲۰) ایک اور مبصر نے کہا "پاکستان کے ٹوٹنے کے امکانات پیدا ہو چکے ہیں ۔ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کی بجائے بنگالی جمہوریہ کا ذکر شروع کر دیا ہے" (۲۱) ۔ اخبارات نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ پاکستان کی سیاست نہایت سنگدلی سے تصادم کی طرف بڑھ رہی ہے۔ بنیادی مسئلہ جو پاکستان کے وجود کے لیے خطرہ ہے یہ ہے کہ بھٹو کی ہوسِ اقتدار اور مجیب الرحمٰن کے غیر لچک دار رویے میں تطابق کیسے پیدا کیا جائے ؟ مشرقی پاکستان کے انتہا پسند گروہوں کی سرگرمیاں بھی مجیب الرحمٰن اور بھٹو کے درمیان مفاہمت میں رکاوٹ کا باعث بنیں ۔ آزادی کے لیے ان عناصر کے جوش و جذبے نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں حائل خلیج کو مزید وسیع کر دیا ۔ یہ فیصلہ مشکل ہے کہ یہ انتہا پسند مجیب الرحمٰن کے لیے مشکلات پیدا کرنا چاہتے تھے یا ان کا مقصد علیحدگی کے لیے راہ ہموار کرنا تھا ۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ انہوں نے مجیب الرحمٰن کے لیے افہام و تفہیم سے کام لینے کے امکانات ختم کر دیئے ۔ سب سے پہلے مولانا بھاشانی نے ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور کی بنیاد پر آزاد بنگال کا مطالبہ کیا (۲۲) ۔ طلباء کے انقلابی گروہوں نے اس مطالبے کی تائید کی ۔ گیارہ نکاتی ہفتہ منانے کے دوران میں ۱۹ جنوری ۱۹۷۱ء کو بنگالی طلبہ نے بنگلہ دیش کی مکمل آزادی کے نعرے بلند کیے (۲۳) ۔ طالب علم رہنماؤں نے متنبہ کیا کہ اگر منتخب رہنماؤں نے چھ نکاتی اور گیارہ نکاتی پروگراموں سے سرِ مو انحراف بھی کیا تو انہیں بنگال سے باہر نکال دیا جائے گا (۲۴) ۔ فروری کے اوائل میں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سیاستدان ایک دوسرے سے بڑھ کر غیر معقول مطالبات پیش کرنے کی دوڑ میں مصروف ہوں ۔ سہروردی کابینہ کے ایک وزیر عبدالمنصور احمد نے "دوہرے مرکز" کا تصور پیش کیا اور اس کے حق میں یہ دلیل دی کہ اس طرح دونوں خطوں کے عوام کو اپنی اپنی سر زمین پر رہتے ہوئے اقتدار میں مساوی طور پر شریک ہونے کا موقع مل سکے گا (۲۵) ۔ پاکستان نیشنل لیگ کے صدر عطاء الرحمٰن نے کہا کہ فیڈریشن کی تشکیل کا وقت گذر چکا ہے اور اب اس آئینی بحران

کو قراردادِ لاہور پر پوری طرح علمی جامہ پہنائے بغیر دور نہیں کیا جا سکتا (۲۶) ۔ ان بیانات نے علیحدگی پسندوں کی حوصلہ افزائی کی اور مجیب الرحمٰن کے لیے حالات قابو سے باہر ہو گئے ۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ یہ تمام بیانات مجیب الرحمٰن کی رضا مندی سے جاری کیے جاتے تھے ۔ کیونکہ وہ مغربی پاکستان کے ساتھ سودے بازی میں اپنی پوزیشن بہتر بنانا چاہتے تھے ۔

مجیب الرحمٰن نے یحیٰی خان کو یہ یقین دلا رکھا تھا کہ چھ نکات پر افہام و تفہیم کا امکان موجود ہے (۲۷) ۔ چنانچہ وہ مجیب الرحمٰن کی تازہ ترین سرگرمیوں سے گھبرا اٹھے اور بھاگم بھاگ ڈھاکہ پہنچے ۔ ۱۲ جنوری ۱۹۷۱ء کو مجیب الرحمٰن اور یحیٰی خان کے درمیان ملاقات ہوئی ۔ جو تین گھنٹوں پر محیط تھی ۔ فریقین کی طرف سے اس ملاقات پر اظہارِ اطمینان کیا گیا اور یحیٰی خان نے ملاقات کے بعد مجیب الرحمٰن کو مستقبل کا وزیر اعظم قرار دیا (۲۸) ۔ لیکن بعد ازاں یہ انکشاف ہوا کہ یحیٰی خان کمرۂ ملاقات سے نہایت مایوسی اور دل شکستگی کی حالت میں نکلے ۔ انہوں نے شکایت کی کہ مجیب الرحمٰن انہیں مسوّدۂ آئین دکھانے کے وعدے سے پھر گیا ہے ۔ اور اس نے قومی اسمبلی کا اجلاس جلد منعقد نہ کرنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکی دی ہے ۔ یحیٰی خان کی مایوسی ڈھاکہ ائیر پورٹ پر دیئے گئے ان کے اس بیان سے بھی ظاہر ہے جس میں انہوں نے کہا "جب مجیب الرحمٰن اقتدار سنبھالیں گے اس وقت میں موجود نہیں ہوں گا (۲۹) ۔"

ایک مستند اور قابلِ اعتبار شاہد نے مصنف کو بتایا کہ یہ ملاقات فوج اور عوامی لیگ کی قیادت میں ہم آہنگی کا نقطۂ اختتام ثابت ہوئی ۔ مجیب نے یحیٰی خان سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ انہیں تو علامتی سربراہِ مملکت کے طور پر قبول کرنے کو تیار ہیں مگر ان کے پاس فوجی قیادت کے دوسرے اراکین کے لیے کوئی گنجائش نہیں ۔ مجیب الرحمٰن کے اس طرزِ عمل سے نہ صرف یحیٰی خان کو شدید صدمہ پہنچا بلکہ باقی فوجی قیادت بھی ان کے خلاف ہو گئی ۔ انہیں شک پیدا ہو گیا کہ مجیب دفاع کے بجٹ میں تخفیف کر کے فوج کو مفلوج کر دے گا ۔ اس صورتِ حال میں انہیں اپنا مستقبل بھی شدید خطرے میں نظر آنے لگا ۔ یحیٰی اور فوج کے سربراہ اس صورتِ حال کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے ۔ اب انہوں

نے اپنی توقعات کا رخ ذوالفقار علی بھٹو کی طرف موڑ دیا ۔ چنانچہ یحیٰی خان اپنے طالع آزما ساتھیوں سمیت ڈھاکہ سے بذریعہ طیارہ سیدھے لاڑکانہ پہنچے ۔ یحیٰی خان پر یہ الزام بالکل درست ہے کہ انہوں نے اپنی بالادستی کی ضمانت حاصل کرنے کے لیے مشرقی اور مغربی پاکستان میں آویزش کو فروغ دیا (۳۰) ۔ یحیٰی خان کے ایک ساتھی کے مطابق یحیٰی خان معمولی قابلیت کے فوجی دکھائی دیتے تھے اور بعض اوقات ان کا طرزِ عمل بھی ایسا ہی تھا ۔ تاہم بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ پاکستانی فوج کے ذہین ترین کمنڈر اِنچیف تھے ۔

اس موقع پر فوج کے سرگرم جرنیلوں نے بھٹو کے ساتھ مل کر یحیٰی خان کو مجبور کر دیا کہ وہ مجیب الرحمٰن سے مصالحانہ رویہ ترک کر دیں (۳۱) ۔ ان جرنیلوں نے یحیٰی خان کو قائل کیا کہ فوج اپنی "بنیاد اور حلقے" یعنی مغربی پاکستان کے نمائندہ ذوالفقار علی بھٹو کو ناراض کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی ۔ اس امر کے کافی شواہد موجود ہیں کہ یحیٰی خان ، ذوالفقار علی بھٹو اور فوجی جرنیلوں نے لاڑکانہ میں ہونے والی ایک میٹنگ میں فیصلہ کیا تھا کہ اگر مجیب الرحمٰن کا رویہ تبدیل نہ ہوا تو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب نہیں کیا جائیگا (۳۲) ۔ لاڑکانہ میں ہونے والی اس میٹنگ کو ڈھاکہ میں شک و شبہ کی نظروں سے دیکھا گیا اور اس نے مجیب بھٹو ملاقات پر منفی اثرات مرتب کئے ۔ اس ضمن میں کچھ اور واقعات نے بھی الجھاؤ پیدا کیا ۔ بھٹو کی ڈھاکہ میں آمد سے دو روز قبل خوند کر مشتاق احمد نے ایک بیان میں کہا "وقت آگیا ہے کہ مغربی پاکستان کے عوام یہ ثابت کر دیں کہ وہ علیحدگی پسند نہیں" (۳۳) ۔ یعنی کیا مغربی پاکستان پارلیمانی طرزِ سیاست کے تقاضوں کے مطابق اکثریتی پارٹی کے سامنے جھکنے کے لیے تیار ہے ؟ اور یہ کہ کیا مغربی پاکستان انتخابی نتائج اور چھ نکات کو تسلیم کرنے پر رضا مند ہے ؟ پیشتر ازیں رحمان سبحان بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے تھے (۳۴) ۔ ڈھاکہ میں یہ افواہیں گشت کر رہی تھیں کہ بھٹو ملک کے آئندہ صدر ہوں گے ۔ ۲۶ جنوری کو عوامی لیگ کے ایک ترجمان نے ان افواہوں کی تردید کرتے ہوئے کہا "بھٹو کے صدر بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ ایسے شخص ہیں جو آٹھ سال تک ایوب خان کی آمریت کے خدمت گزار رہے ہیں" (۳۵) ۔

۲۷ جنوری کو بھٹو درج ذیل آئینی فارمولا لے کر ڈھاکہ پہنچے ۔

۱ ۔ مشرقی پاکستان کے لیے علیحدہ کرنسی نہیں ہو گی ۔ تاہم مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان میں سرمائے کی منتقلی روکنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں گے ۔

۲ ۔ بیرونی تجارت جو کہ براہِ راست خارجہ پالیسی سے منسلک ہے، مرکز کے پاس رہے گی البتہ ہر صوبے میں برآمدات سے ہونے والی آمدنی سٹیٹ بنک میں کھولے گئے اس کے متعلقہ کھاتے میں مرکزی حکومت کا متعینہ حصّہ وضع کرنے کے بعد جمع کرائی جا سکے گی ۔

۳ ۔ دفاع اور امورِ خارجہ کے محکمے اور ٹیکسیشن کے معقول اختیارات مرکز کے پاس رہیں گے ۔

۴ ۔ صدر یحییٰ خان آئین کے تحت منتخب سربراہ کے طور پر کام کرتے رہیں گے ۔

ڈھاکہ ائیر پورٹ پر مسٹر بھٹو نے عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے درمیان سمجھوتے کی اہمیت پر زور دیا ۔ ڈھاکہ میں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے وفود کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا محور چھ نکاتی پروگرام تھا ۔ عوامی لیگ اس پر مکمل عملدرآمد کے لیے اصرار کر رہی تھی جبکہ پیپلز پارٹی کو اس کے کئی پہلوؤں پر اعتراض تھا ۔ پیپلز پارٹی کا مؤقف یہ تھا کہ چھ نکات کے تحت وجود میں آنے والا کمزور مرکز نہ صرف ملکی سالمیت کے لیے نقصان دہ ہو گا ، بلکہ اس سے ملک کی بین الاقوامی ساکھ بھی متأثر ہو گی ۔ مجیب الرحمٰن اور بھٹو کے درمیان بند کمروں کی ملاقاتوں میں اوّل الذکر نے صوبوں کے لیے ٹیکسیشن کے مکمل اختیارات پر زور دیا ۔ اور یہ واضح کر دیا کہ مشرقی پاکستان کا دفاعی بجٹ میں حصّہ مسلح افواج میں اس کی نمائندگی کے تناسب سے ہو گا ۔ بھٹو نے اس مؤقف کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ تجویز فوج کے لیے قابلِ قبول نہیں ہو گی ۔ پیپلز پارٹی نے وفاقی طرز حکومت کے تقاضوں ، مرکز میں دو ایوانی مقننہ کی تجویز پیش کی جسے عوامی لیگ نے اس بنیاد پر ردّ کر دیا کہ اس طرح ملک کے اکثریتی صوبہ بنگلہ دیش اور مرکز پر مغربی پاکستان کی حاکمیت بدستور جاری رہے گی (۲۶) ۔ اس تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے اسے "بنگلہ دیش کے استحصال کو دوام بخشنے کا عیّارانہ حربہ" قرار دیا (۲۷) ۔

چنانچہ بھٹو اور مجیب الرحمٰن کے مذاکرات ٹیکسیشن ، غیر ملکی تجارت اور بیرونی امداد سے متعلق بنیادی اختلافات کی وجہ سے منقطع ہو گئے ۔ بھٹو کا اصرار تھا کہ ان اختیارات کے بغیر مرکز میں اتنا دم خم نہیں ہو گا کہ وہ دونوں صوبوں کو متحد رکھ سکے ۔ اس کے جواب میں مجیب الرحمٰن نے ایک مالیاتی کمیٹی تشکیل دینے کی تجویز پیش کی جو صوبوں کے جمع کردہ محاصل میں سے مرکز کا حصہ متعین کرے ۔ بھٹو نے اس معاملے پر مزید بات چیت جاری رکھنے کو کہا اور تجویز پیش کی کہ ملک کے لیے ایک ہی کرنسی رکھتے ہوئے دونوں صوبوں کے لیے علیحدہ علیحدہ سٹیٹ بنک بنا لیے جائیں اور اس موضوع پر مزید پیش رفت کے لیے مذاکرات ملتوی کر کے انہیں مغربی پاکستان میں اپنے ساتھیوں اور دوسرے سیاستدانوں سے مشورے کا موقع دیا جائے ۔ مذاکرات کے دوران میں مجیب الرحمٰن نے اسی امر کا سختی سے اعادہ کیا کہ غیر ملکی تجارت اور بیرونی امداد کا مرکز کی تحویل میں رہنے کا مطلب بنگلہ دیش کے استحصال کو جاری رکھنے کے سوا کچھ نہیں ۔کیونکہ گذشتہ پچیس برسوں میں زرمبادلہ کی تمام آمدنی کو مغربی پاکستان کی ترقی کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے (۳۸) ۔ علاوہ ازیں عوامی لیگ نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ چالیس ارب کے بیرونی قرضوں میں سے ۳۸ ارب میں سے ۳۱ ارب کے غیر ملکی قرضے مغربی پاکستان ادا کرے ۔ پیپلز پارٹی نے اسے مغربی پاکستان کی معیشت کے لیے ناقابل برداشت بوجھ قرار دیا (۳۹) ۔ مذاکرات کا نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ نکلا اور اس افسوس ناک صورتِ حال نے ملک کے دونوں حصّوں کے درمیان آویزش کو مزید سنگین بنا دیا ۔

ڈھاکہ سے روانہ ہونے سے پیشتر بھٹو نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے دورے کا مقصد مفاہمت کے امکانات کی تلاش تھی ۔ انہوں نے اس امر سے اتفاق کیا کہ قانونی طو پر عوامی لیگ کو آئین سازی کا پورا حق ہے ، تاہم اتفاق رائے کے بغیر ایسی کوئی بھی کوشش رائیگاں ثابت ہو گی ۔ مجیب الرحمٰن سے اپنی ملاقاتوں کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا "یہ مذاکرات ناکام نہیں ہوئے تاہم اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ انہوں نے کوئی مشترکہ فارمولا ڈھونڈ کر اس پر دستخط کر کے سربمہر کر دیا ہے"۔ مسٹر بھٹو نے بتایا کہ انہیں ضروری تیاریوں کے لیے تقریباً ۱۵ دن چاہئیں اور یہ کہ قومی اسمبلی کا اجلاس

پندرہ فروری کے بعد بھی بلایا جا سکتا ہے جیسا کہ مجیب الرحمٰن نے مطالبہ کیا ہے ۔

مجیب الرحمٰن نے بھٹو کو مذاکرات کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے (۴۰) ان تمام مساعی کو بے سود قرار دیا ۔ انہوں نے کہا کہ بھٹو کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ وہ پاکستانی عوام اور تمام دنیا پر یہ ظاہر کر سکیں کہ وہ افہام و تفہیم کے خواہاں تھے ، مگر عوامی لیگ نے تعاون کرنے سے انکار کر دیا ۔ (۴۱) ۔

مذاکرات کی ناکامی کے بعد مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ وہ مغربی پاکستان کے دوسرے گروپوں اور علاقائی رہنماؤں سے مذاکرات کریں گے ۔ انہوں نے مزید کہا "انتخابات کے نتائج کو سبوتاژ کرنے کی سازش کی جاری ہے"۔ بعد ازاں فروری میں جمعیت العلماء پاکستان کے صدر اور قومی اسمبلی کے منتخب رکن شاہ احمد نورانی سے گفتگو کرتے ہوئے مجیب نے انکشاف کیا کہ بھٹو کا اصل مقصد میرے ساتھ اقتدار میں شریک ہونا تھا ۔ اور یہ کہ انہوں نے مجھ سے ڈپٹی پرائم منسٹر کے عہدے اور وزارت دفاع کا مطالبہ کیا تھا ۔ مجیب الرحمٰن نے الزام لگایا کہ بھٹو نے پیپلز پارٹی کے ساتھ ساتھ فوج کی نمائندگی کے فرائض بھی سرانجام دیئے ہیں (۴۲) ۔ایک اور روایت کے مطابق بھٹو نے مجیب الرحمٰن سے ملک کی صدارت کے عہدے کا مطالبہ کیا تھا اور یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ انہیں فوج کے اہم جرنیلوں کی حمایت حاصل ہے (۴۳) ۔ ڈھاکہ میں ایک پریس کانفرنس کے دوران میں بھٹو کا استدلال خاصہ معقول تھا ۔ چھ نکات پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا :۔

۱ ۔ وفاق اور ملیشیا سے متعلق نکات قابل قبول ہیں ۔
۲ ۔ ٹیکسیشن اور کرنسی سے متعلق نکات بھی بعض الجھنوں کے باوجود قابلِ قبول ہو سکتے ہیں ۔
۳ ۔ غیر ملکی تجارت اور بیرونی امداد کو صوبوں کی تحویل میں دینے کے مطالبے پر عملدرآمد مشکل ترین مسئلہ ہے ۔

بھٹو کا یہ بیان ان کے اس آئینی فارمولے کے عین مطابق تھا ۔ جو وہ اپنے

ساتھ لے کر گئے تھے اور درحقیقت انہوں نے غیر ملکی تجارت اور بیرونی امداد سے متعلق آدھے نکتے کے سوا چھ کے چھ نکات تسلیم کر لیے تھے ۔ عام خیال یہ تھا کہ بعض شرائط کے اضافے کے بعد اس آدھے نکتے پر بھی سمجھوتہ ہو جائے گا ۔ اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ملک کی یکجہتی اس اختلافِ رائے کی بھینٹ چڑھ جائے گی ۔ ڈھاکہ سے واپس آنے پر بھٹو نے گیارہ فروری کو صدر سے ملاقات کی اور انہیں عوامی لیگ سے اپنے مذاکرات کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ انہوں نے صدر سے کہا ۔ "ملک کے مغربی حصے میں سیاسی مذاکرات اور بڑے بڑے شہروں میں مفاہمت کے لیے رائے عامہ کی تشکیل کے لیے تین یا چار عام جلسوں کے فوراً بعد قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا جائے ۔ صدر کو بتایا گیا کہ بنیادی اہمیت کا یہ کام کرنے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن سے ایک وسیع تر سمجھوتہ کے لیے ایک آخری کوشش کی جائے گی اور اس کے بعد ہم قومی اسمبلی میں جائیں گے"(۲۴) ۔ چھ نکات کے ضمن میں پیش رفت کے سلسلے میں صدر کو بتایا گیا کہ ہم چند ہی ہفتوں میں قومی یکجہتی کو قربان کیے بغیر چھ نکات کے متعدبہ حصّہ پر مفاہمت کی منزل پر پہنچ چکے ہیں ۔ البتہ بیرونی تجارت اور غیر ملکی امداد سے متعلق نکتے کا مشکل مرحلہ مزید وقت کا متقاضی ہے (۲۵) ۔ بھٹو کو یقین تھا کہ دونوں فریقوں کے لئے قابلِ قبول سمجھوتے کا حصول ممکن ہے ۔

اس موقع پر دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کا اجلاس طلب کر کے ملک کو مذاکرات کے تعطل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورتِ حال سے بخوبی نکالا جا سکتا تھا ۔ فوج کے لیے یہ فریضہ ادا کرنا کسی اعتبار سے بھی ناممکن نہ تھا اس سے کشیدہ تعلقات کو استوار کیا جا سکتا تھا ۔ کیونکہ مجیب الرحمٰن نے صدر سے پہلے ہی وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ مغربی پاکستان کو ساتھ لے کر چلیں گے ۔ دوسرے جب فروری کے آخری ہفتے میں مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے پر فوج کی نفری میں اضافہ کیا گیا تو مجیب الرحمٰن کے ساتھیوں نے یحیٰی خان اور فوجی انتظامیہ کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ چھ نکات پر مذاکرات کرنے کے لیے تیار ہیں ، رابطہ قائم کرنے کی کوششیں کی تھیں ۔ وہ لوگ اس بات کے لیے تیار تھے کہ چند ذیلی شقوں کے اضافے سے چھ نکات کی سختی کم کی جا سکتی ہے ۔

پاکستان کی ۔ میں اختلافات اور کشیدگی کے فروغ اور صورتِ حال میں پیچیدگی میں اضافے کا باعث بننے والے عوامل کی فہرست بے حد طویل ہے۔ سیاسی رہنماؤں کے غیر مفاہمت پسندانہ رویے کے علاوہ ، خود ساختہ محافظ کے طور پر فوج کے کردار ، خارجی عمل دخل ، انتہا پسندوں کے دباؤ اور مغربی پاکستان کے رہنماؤں کی طرف سے نئے سیاسی حقائق سے روگردانی نے مشرقی اور مغربی پاکستان میں موجود خلیج کو کشادہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا سیاسی ڈھانچہ اس طرح تشکیل دیا گیا تھا کہ اس میں نوکر شاہی کے سیاسی اداروں پر غلبے ، مغربی پاکستان کی بالادستی اور فوج کی مالیاتی خود مختاری کو یقینی بنا دیا گیا تھا ۔ ہر نئی حکومت نے اس نظام کی حفاظت ضروری سمجھی تھی جس سے جمہوریت کی بحالی کا عمل رک گیا تھا ۔ اب پہلی مرتبہ عام انتخابات کے بعد ملک کے اقتدار کا ڈھانچہ خطرے میں تھا ۔ دفاعی بجٹ کے سلسلے میں مجیب الرحمٰن کا رویّہ فوجی حکمرانوں کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔

انتخابات کے نتائج میں مختلف جماعتوں کو حاصل ہونے ولی نشستوں کے تناسب نے بھی مجیب الرحمٰن اور بھٹو کے درمیان مفاہمت کے امکانات کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی بلا شرکتِ غیرے کامیابی اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کی غیر متوقع کامیابی نے ملک کو ایک عجیب صورتِ حال سے دوچار کر دیا ۔

اگر عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان میں سادہ اکثریت حاصل ہوئی ہوتی (جیسا کہ انتخابات کے پہلے اندازہ تھا) تو اسے مفاہمت پسندانہ رویّہ اختیار کرنے پہ مجبور کیا جا سکتا تھا ۔ اسی طرح اگر مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کو تمام نشستیں مل جاتیں تو وہ آسانی سے عوامی لیگ کو بھٹو کے ساتھ کسی معاہدے پر آمادہ کرا سکتی تھی ۔ قومی اسمبلی کی نشستوں پر مغربی پاکستان کی بعض چھوٹی جماعتوں کی کامیابی نے مجیب الرحمٰن کے لیے پیپلز پارٹی کو نظر انداز کرنا آسان بنا دیا ۔ گویا انتخابات ہی فساد کی جڑ بن گئے ۔

دریں اثناء بین الاقوامی سطح پر ظہور پذیر ہونے والے بعض واقعات سے مغربی پاکستان میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ۔ مجیب الرحمٰن کی فتح کے بعد بھارت کا

رویہ پاکستان کے ساتھ سخت ہو گیا اور اس نے مغربی بنگال میں منصفانہ انتخابات کے انعقاد کا بہانہ بنا کر مشرقی پاکستان کی سرحد پر اپنی فوج متعین کر دی ۔ بھارت کے ریڈیو اور دیگر ذرائع ابلاغ نے مجیب الرحمٰن کی حمایت میں تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے مشرقی پاکستانیوں کو مرکز کے خلاف اکسانا شروع کر دیا ۔ کئی ہزار بھارتی باشندے مشرقی پاکستان میں داخل ہو کر امنِ عامہ کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق ان بھارتی باشندوں نے وسیع پیمانے پر ہتھیار اور اسلحہ تقسیم کیا ۔

۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو دو نام نہاد کشمیری مجاہدین ایک بھارتی طیارہ اغوا کر کے لاہور لے آئے ۔ ہائی جیکروں نے فضائی عملے کو رہا کرنے کے بعد جہاز کو نذرِ آتش کر دیا۔ ان ہائی جیکروں نے حکومت پاکستان سے سیاسی پناہ کی درخواست کی ۔ چونکہ یہ ہائی جیکر پاکستانی یا بھارتی شہری نہیں تھے ۔ لہٰذا ان کی درخواست منظور کر لی گئی ۔ بھارت کی حکومت نے پاکستان کو اس واقعہ کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اس حقیقت کے علی الرغم کہ ہائی جیکر پاکستانی باشندے نہیں تھے پاکستان سے معاوضہ طلب کیا گیا ۔ اس مطالبے کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی بھارت نے اپنے علاقے پر سے تمام پاکستانی طیاروں کی پروازیں معطل کر دیں ۔ جس کے نتیجے میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان فضائی رابطہ منقطع ہو گیا ۔ بھارت نے پاکستان کی طرف سے معاملے کو افہام و تفہیم سے حل کرنے کی پیش کش کو مسترد کر دیا۔ بعد ازاں حکومت پاکستان کی طرف سے کی جانے والی تحقیقات کے نتیجے میں یہ ثابت ہو گیا کہ ہائی جیکنگ کا ڈرامہ بھارت نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پروازوں کو معطل کرنے کے لیے رچایا تھا۔ شیخ عبداللہ نے بھی جے پی نرائین کے نام ایک خط میں ہائی جیکر ہاشم کو بھارتی ایجنٹ اور ہائی جیکنگ کے واقعہ کو بھارتی حکومت کا منصوبہ قرار دیا ۔ بھارتی حکومت پاکستان کو مالی نقصان اور عوامی لیگ کو پاکستانی فوج سے آخری معرکہ آرائی کے لیے فوجی تیاریوں کا موقعہ بہم پہنچانا چاہتی تھی اور سیاسی صورتِ حال ملک کے دونوں خطوں کے درمیان تصادم کی طرف اشارہ کر رہی تھی ۔ اکثریتی پارٹیوں کے رہنماؤں کی طرف سے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کی ہر کوشش انہیں ایک دوسرے سے دور لے جا رہی تھی ۔

عوامی لیگ کے قانونی ماہرین مسودۂ آئین تیار کرنے میں مصروف تھے جبکہ پیپلز پارٹی واضح طور پر اعلان کر چکی تھی کہ وہ کسی قیمت پر اس آئین کو نافذ نہیں ہونے دے گی ۔ فروری میں حالات مزید نازک رخ اختیار کر گئے اور تصادم ناگزیر دکھائی دینے لگا۔ عوامی لیگ کی طرف سے فوری طور پر قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کے لیے دباؤ ہر روز بڑھ رہا تھا ۔ مجیب الرحمٰن نے اس بیان کا کئی بار اعادہ کیا کہ بنگالی خون بہانا سیکھ چکے ہیں اور اب کوئی طاقت ان کا راستہ نہیں روک سکتی (۴۶) ۔ یہ بھی حکومت پر دباؤ ڈالنے کا ایک حربہ تھا ۔

گیارہ فروری کو بھٹو نے یحییٰ خان سے ایک طویل ملاقات کی اور اس سے اگلے روز پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے لاہور میں عوامی لیگ کے دفتر پر حملہ کر کے اس کا جھنڈا جلا دیا اور بورڈ توڑ دیئے ۔ بھٹو یحییٰ ملاقات کے دو روز بعد یحییٰ خان نے اعلان کیا "قومی اسمبلی کا اجلاس ۳ مارچ کو ڈھاکے میں ہو گا ۔ بھٹو کا ردِ عمل کچھ اس طرح تھا کہ یہ اعلان ہمارے لیے انتہائی حیرت کا باعث تھا" ۔ ہم اس کے لیے پوری طرح تیار نہ تھے ۔ ہمارے صلاح و مشورے جاری تھے اور ابھی ہم نے مغربی پاکستان کے عوام سے ایک ایسے آئین کے بارے میں رائے نہیں پوچھی تھی جو غیر معمولی مراعات پر مبنی تھا ۔ چنانچہ ہمارے لیے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنا ممکن نہیں تھا (۴۷) ۔ ۱۵ فروری کو بھٹو نے پشاور میں ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ ان کی پارٹی کے اراکین قومی اسمبلی اس وقت تک اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے جب تک عوامی لیگ کی طرف سے کسی حد تک مفاہمت کا یقین نہیں دلایا جاتا ۔ بھٹو نے صاف الفاظ میں کہا ۔ "ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم محض ایک پارٹی کے پہلے سے تیار کردہ آئین کی توثیق کرنے اور بے عزت ہو کر واپس آنے کے لیے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شامل ہوں ۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ وہاں سمجھوتے اور مفاہمت کی گنجائش موجود ہے تو میں آج وہاں جانے کے لیے تیار ہوں ۔ میری جماعت فوری انتقالِ اقتدار کی ازحد خواہاں تھی مگر انتقالِ پاکستان کی نہیں ۔ ۔ ۔ میں بھارت کے معاندانہ رویئے اور چھ نکات کے سلسلے میں اپنی پارٹی کی مخالفت کے پیشِ نظر اپنی پارٹی کے اراکین اسمبلی کو "دوہرے یرغمالی" نہیں بنا سکتا ۔"

چھ نکات کے بارے میں مغربی پاکستان میں خدشات بدستور موجود تھے (۴۸) ۔ پیپلز پارٹی جہاں تک جا سکتی تھی وہاں تک گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے آگے تباہی کے سوا کچھ نہ تھا (۴۹) ۔

اسی روز عوامی لیگ کے اراکین قومی وصوبائی اسمبلی نے ایک مشترکہ اجلاس میں چھ نکات پر اپنے یقین کا اعادہ کیا یحیٰی خان سے اکثریت کا فیصلہ تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے دھمکی دی کہ ۶۹۔۱۹۶۸ میں جب ہم جیل میں تھے تو کارکنوں اور کسانوں نے ایوب خان کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیا تھا ۔ اب جب ہم جیلوں سے باہر ہیں حکومت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ واقعات کیا رخ اختیار کر سکتے ہیں (۵۰) یہ بھی سننے میں آیا کہ مجیب الرحمٰن نے اپنی پارٹی کے لیڈروں سے کہا "ہم اپنا کام دکھا چکے ہیں ۔ اب اسے (بھٹو کو) اپنا کام کرنے دیں ۔" (۵۱) چنانچہ اس صورتِ حال میں تباہی سے بچاؤ کی ہر امید دم توڑ چکی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے "ملک سقوطِ ہسپانیہ سے بھی بڑے المیے کی جانب بڑھ رہا ہو (۵۲) ۔"

۱۵ فروری کو بھٹو لاہور پہنچے تو بند کمرے کے ایک اجلاس میں انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اگر حکومت نے مجیب الرحمٰن کا ساتھ دیا تو ان کی پارٹی تحریک چلانے پر مجبور ہو جائے گی ۔ تاہم انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ حکومت ایسا نہیں کرے گی کیونکہ صدر اور ان کے ساتھی ایک متحدہ پاکستان کے نظریے کے حامی ہیں ۔ تعطل دور کرنے کا طریقہ تجویز کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ یا تو مشرقی پاکستان کو آزاد ہونے کی اجازت دے دی جائے یا پھر مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا جائے ۔ اور اس کا مواخذہ کیا جائے ۔ قومی اسمبلی کے ایک نو منتخب رکن شیخ رشید نے بھٹو کی تجویز کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ناگزیر ہو چکی ہے ۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو متحد رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مارشل لا جاری رکھا جائے اور مجیب الرحمٰن کے خلاف اقدام کیا جائے ۔ (۵۳) دو روز بعد ۱۷ فروری کو بھٹو نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بھارت کے معاندانہ رویّے ، ملک کے دونوں حصوں کے درمیان فضائی رابطے کے انقطاع ، پاکستان کے خلاف مزید اقدامات کی بھارتی

دھمکیوں اور پاکستانی سرحدوں پر بھارتی فوج کی نقل و حرکت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ۔ انہوں نے کہا "ان حالات میں اگر پیپلز پارٹی کے تمام اراکین قومی اسمبلی ڈھاکہ روانہ ہو جائیں تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں وہاں کتنا عرصہ رکنا پڑے ۔ مزید برآں اگر کوئی ہم پر بنابنایا آئین تھوپنا چاہتا ہے تو اس صورت میں ہم محض رسماً ڈھاکہ نہیں جا سکتے ۔۔۔۔۔۔ ہم کئی دفعہ پوچھ چکے ہیں کیا محض افتتاحی اجلاس ہو گا ۔ ہمارے اراکین اسمبلی کا تعلق کارکن طبقوں اور وکلاء وغیرہ سے ہے ۔ لہذا انہیں جانے سے پہلے انتظامات کرنے ہوں گے ۔" (۵۴)

مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کے کارکن اور بائیں بازو سے متعلق عناصر نے بھٹو کے فیصلے کی مکمل طور پر حمایت کی جبکہ دائیں بازو کے حامیوں نے اس فیصلے پر کڑی تنقید کی اور سنگین خدشات کا اظہار کیا ۔ انہوں نے متنبہ کیا اگر قومی اسمبلی کا اجلاس بروقت نہ ہوا تو "مشرقی پاکستان اپنا راستہ الگ کرلے گا ۔" (۵۵) دوسری سیاسی جماعتوں ، خصوصاً قیوم لیگ ، کے اراکین اسمبلی اجلاس میں شرکت کا پورا ارادہ رکھتے تھے ۔ انہوں نے یحیٰی خان سے مطالبہ کیا کہ یہ اجلاس بہر صورت منعقد کیا جائے ۔ عوامی لیگ نے بھٹو کے لب و لہجہ کی مذمت کی اور "دوہرے یرغمالی" اور "پیپلزپارٹی انتقالِ اقتدار چاہتی ہے ، انتقالِ پاکستان نہیں" کے الفاظ پر شدید احتجاج کیا ۔ (۵۶) عوامی لیگ نے اس موقع پر کسی فیصلے کا اعلان تو نہ کیا تاہم ان کے قریبی حلقوں کا خیال یہ تھا کہ "بھٹو کی آئینی طریق سے روگردانی ملک کو ایسے مقام تک پہنچا کر چھوڑے گی جہاں سے واپسی ممکن نہ ہوگی ۔ (۵۷) عوامی لیگ کے اس نقطۂ نظر کو کسی بھی صورت میں آنے والے حالات کی غلط تصویر کشی نہیں قرار دیا جا سکتا ۔ رفتہ رفتہ بھٹو عوامی لیگ کے خلاف جارحانہ رویہ اختیار کرتے چلے گئے ۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ علیحدگی کا لمحہ قریب سے قریب تر آرہا ہے ۔ ۲۰ فروری تک پورے مغربی پاکستان میں پیپلزپارٹی کے کارکنوں کو تحریک چلانے کے لئے ہدایات جاری کی جاچکی تھیں ۔ تمام تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں ۔ حکومت بھی اس صورتِ حال کی ساری تفصیلات سے باخبر تھی ۔ ۱۹ فروری کو بھٹو نے صدر سے ملاقات کے وقت صورتِ حال کی کشیدگی اور سنگینی پر گفتگو کی ۔ اس ملاقات کی تفصیلات دستیاب نہیں ہوسکیں ۔ تاہم پیپلز پارٹی کے سربراہ نے اراکین قومی اسمبلی سے استعفے طلب کرکے خیبر سے

٩

کراچی تک تحریک شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ۔ دریں اثناء پیپلزپارٹی کے منتخب نمائندوں نے عوامی لیگ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے جماعتی سربراہ سے وفاداری کا حلف اٹھایا ۔ یہ استعفے کسی قانونی حیثیت کے حامل نہیں تھے ۔ کیونکہ لیگل فریم آڈر کے مطابق کوئی رکن اسمبلی کے اجلاس اور سپیکر کے انتخاب سے پہلے اپنے عہدے سے مستعفی نہیں ہوسکتا تھا ۔ ۲۰ فروری کو لیگل فریم آرڈر میں ایک ترمیم کے ذریعے اراکین اسمبلی کو اجلاس سے پہلے مستعفی ہونے کی اجازت دے دی گئی جس سے بھٹو کا کام مزید آسان ہوگیا ۔ اس اقدام سے لوگوں کے ان شبہات کو تقویت ملی کہ بھٹو اور یحییٰ کے درمیان سیاسی سازباز موجود ہے (۵۸) ۔ لوگ پوچھتے تھے کہ یحییٰ خان بھٹو کو اعتماد میں لیے بغیر ۱۳ فروری کو اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد کا اعلان کیسے کر سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں ان دونوں کی دو روز پہلے ہونے والی ملاقات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ۔ اس کے بعد وقوع پذیر ہونے والا اہم واقعہ سیاسی صورتِ حال کے پیش نظر کابینہ کو توڑنے کا اعلان تھا ۔

یحییٰ خان نے ۲۲ فروری کو مشرقی پاکستان کے گورنر اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کا اجلاس طلب کیا اسی اجلاس میں مجیب الرحمٰن کی طرف سے چھ نکات میں تبدیلی سے انکار کی صورت میں فوجی اقدام کے منصوبے کی توثیق کی گئی ۔ (۵۹) چنانچہ اس اجلاس کے بعد مشرقی پاکستان میں مزید فوجی دستے بھیجے گئے ۔ اس فیصلے کے نتیجے میں عوامی لیگیوں کی صفوں میں بے چینی پھیل گئی اور انہوں نے چھ نکات پر اپنے مؤقف میں تبدیلی پر رضامندی کا اظہار کیا ۔ مشرقی پاکستان کے مارشل لا حکام نے عوامی لیگ کے رویّے میں اس تبدیلی کے پیشِ نظر صدر یحییٰ خان سے مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے کی درخواست کی ۔ مگر یحییٰ خان نے نامعلوم وجوہ کی بناء پر اس درخواست کو مسترد کر دیا ۔ اس طرح صورتِ حال پر قابو پانے کا آخری موقع بھی ضائع کر دیا گیا ۔ قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی اور قیوم لیگ کی، جن کے پاس علی الترتیب ۸۱ اور ۹ نشستیں تھیں ، عدم شمولیت کا مطلب کل اراکین کی ایک تہائی تعداد کا اسمبلی میں شرکت نہ کرنا تھا ۔ دوسرے لفظوں میں مغربی پاکستان کے لیے مختص ۱۳۸ نشستوں میں سے ۹۰ نشستیں پیپلز پارٹی اور قیوم لیگ کے پاس تھیں ۔ اس طرح یہ جماعتیں مغربی پاکستان کے دو تہائی عوام کی نمائندگی

کررہی تھیں ۔ ظاہر ہے کہ ان جماعتوں کے تعاون کے بغیر تشکیل پانے والا آئین پوری قوم کی امنگوں کا ترجمان نہیں کہلا سکتا تھا ۔

جوں جوں بحران میں شدت آتی گئی اختلافِ رائے تصادم کی شکل اختیار کرتا گیا ۔ پیپلزپارٹی کے رویّے کا اندازہ اس کے ایک رکن کے اخباری مضمون سے لگایا جا سکتا ہے جو ان دنوں شائع ہوا ۔ مضمون نگار نے عوام سے کہا کہ اب جبکہ متوقع بحران کے پیش نظر پورے ملک کی حفاظت ان کے بس میں نہیں رہی ، وہ ملک کے اس حصّے کو بچائیں جسے وہ بچا سکتے ہیں ۔ ہمیں عوامی لیگ سے چھ نکات کے دستبرداری کا مطالبہ ضرور کرنا چاہئیے ۔ تاہم اگر وہ اس مطالبے پر کان نہ دھرے تو ہمیں ہر صورت میں اسے مغربی پاکستان پر چھ نکات تھوپنے سے باز رکھنا چاہئیے ۔ (۶۰) مجیب الرحمٰن نے اس مضمون پر فوری ردِ عمل کا اظہار کیا اور کہا کہ "مضمون اس پالیسی کی عکاسی کرتا ہے کہ اگر بنگلہ دیش کو ایک کالونی کے طور پر نہیں رکھا جا سکتا اوراگر اسے اکثریتی صوبے کے طور پر اپنا کردار ادا کرنا ہے تو مغربی پاکستان کو بچایا جائے مگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس سے اور کس کے لیے بچایا جائے ؟ ظاہر ہے کہ مضمون نگار اسے بنگالیوں سے بچانا چاہتا ہے ۔" بھٹو کے ۱۵/فروری کے بیان پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ بھٹو نے یہ کہہ کر کہ مغربی پاکستان کے نمائندے قومی اسمبلی کے اجلاس میں بنگالیوں کے درمیان خود کو یرغمالی محسوس کریں گے ، اہلِ بنگال کو دشمن کے روپ میں پیش کیا ۔ مزید برآں مسٹر بھٹو نے قومی اسمبلی کو مذبح (SLAUGHTER HOUSE) قرار دے کر بنگالی اراکین کی توہین کی ۔" (۶۱) مغربی پاکستان پر چھ نکات تھوپنے کے الزام کا ذکر کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے وضاحت کی کہ یہ مغربی پاکستان کے صوبوں کی اپنی صوابدید ہے کہ وہ جتنے اختیارات سے چاہیں دستبردار ہو جائیں ۔ اس پر بھٹو کا تبصرہ یہ تھا کہ "دو مختلف آئینوں پر مشتمل ایک دستاویز عجوبے سے کم نہیں ہوگی"۔ (۶۲)

۲۷ فروری کو عوامی لیگ کی پارلیمنٹری پارٹی نے ایک مسوّدہ آئین منظور کیا (۶۳) ۔ جس کے نمایاں پہلو درج ذیل تھے ۔ (۶۴)

۱۔ ملک کا نام وفاقی جمہوریہ پاکستان ہو گا ۔

۲ ۔ مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش اور صوبہ سرحد کا نام پختونستان ہو گا ۔

۳ ـ ملک کے دو دارالحکومت ہوں گے ـ سرمائی دارالحکومت ڈھاکہ میں اور گرمائی دارالحکومت اسلام آباد میں ـ

۴ ـ جنگ یا ہنگامی حالت کا اعلان قومی اسمبلی کی رضامندی کے بغیر نہیں کیا جاسکے گا ـ

۵ ـ آرمی یا پھر بحریہ اور فضائیہ کے مرکزی دفاتر بنگلہ دیش میں ہوں گے ـ

۶ ـ امورِ خارجہ ، دفاع اور کرنسی مرکز کے پاس رہیں گے ـ

۷ ـ دونوں صوبوں کے لیے دو ریزرو بینک قائم کیے جائیں گے ـ

۸ ـ بیرونی قرضوں کی ادائیگی صوبوں میں ان کے استعمال کے تناسب سے کی جائے گی ـ

۹ ـ مرکز کے پاس ٹیکسیشن کے کوئی اختیار نہیں ہوں گے ـ

۱۰ ـ وفاقی حکومت کے لیے صوبوں سے مالیاتی فراہمی فی کس آمدنی ، اخراجات اوردرج ذیل شرح کے مطابق کی جائے گی ـ

بنگلہ دیش	۲۷ فیصد
پنجاب	۳۷ فیصد
سندھ	۲۱ فیصد
بلوچستان	۸فیصد
پختونستان	۷فیصد

۲۸ فروری کو ہونے والے واقعات فیصلہ کن اہمیت کے حامل تھے ـ مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستانی اراکین اسمبلی کو اجلاس میں شرکت کی دعوت دی اور ان کی معقول تجاویز کو قبول کرنے کا وعدہ کیا ـ لیکن انہوں نے بھٹو کو چھ نکات کے سلسلے میں کوئی یقین دہانی کرانے سے انکار کر دیا ـ کیونکہ مجیب الرحمٰن کے بقول "چھ نکاتی فارمولا اب سات کروڑ بنگالیوں کی ملکیت بن چکا ہے ـ"(۶۵) اسی روز گورنر احسن نے مجیب الرحمٰن کو قومی اسمبلی کےاجلاس کے التوا کی تجویز سے مطلع کیا اور اُن کا ردِ عمل دریافت کیا ـ مجیب الرحمٰن نے کہاکہ وہ اجلاس کے التوا کو قبول کرنے کے لے تیار ہے تاہم اُس کی شرط یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہونے والے اعلان میں اجلاس کی اگلی تاریخ مقرر کردی جائے ـ مجیب الرحمٰن کو

یقین دلایا گیا کہ ایسا ہی ہوگا اور صدر کو بذریعہ تار مجیب الرحمٰن کے مؤقف سے آگاہ کر دیا گیا ۔ (٦٦)

دوسری طرف مغربی پاکستان میں سیاسی صورت حال دگرگوں تھی ۔ ۲۸ فروری کو لاہور میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے اپنی اس دھمکی کو دہرایا کہ اگر قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہ کیا گیا تو خیبر سے کراچی تک تحریک چلائی جائے گی ۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ پیپلزپارٹی کو یقین ہے کہ پاکستان کے عوام اجلاس میں شرکت کرنے والے اراکین سے ڈھاکہ سے واپسی پر بدلہ لیں گے ۔ اگر عوام نے یہ بدلہ نہ لیا تو پیپلز پارٹی خود ان اراکین کے خلاف اقدام کرے گی ـــ اگر ان کی پارٹی کے کسی شخص نے اجلاس میں شرکت کی تو پارٹی کے کارکن اس سے ضرور حساب چکائیں گے ـــ اگر کوئی پاکستان میں مختلف آزاد ریاستیں بنانا چاہتا ہے تو وہ کھل کر اس کا اعلان کرے (٦٨) ۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کردیا جائے یا پھر آئین سازی کے لیے ۱۲۰ دنوں کی شرط واپس لے لی جائے ۔ ۲۸ فروری کا دن دونوں صوبوں میں محاذ آرائی کے آغاز کا دن تھا جو بالآخر علیحدگی پر منتج ہوئی بحران کو ختم کرنے کے لیے بھٹو کا نیا فارمولا ان کے پرانے مؤقف کے مطابق نہیں تھا ، انہوں نے ہمیشہ اس خدشے کا اظہار کیا کہ جونہی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوگا مجیب الرحمن اپنی اکثریت کے بل بوتے پر یکطرفہ طور پر تیار شدہ آئینی مسودہ منظور کرانے میں کامیاب ہو جائے گا اور پیپلز پارٹی اسے روک نہیں سکے گی ۔ اگر بھٹو کے یہ خدشات درست تھے تو آئین سازی کے لیے متعینہ مدت کی شرط کی منسوخی بھی مسئلہ کے حل میں کوئی مدد نہیں دے سکتی تھی ۔ کیونکہ مجیب الرحمٰن کسی وقت بھی اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اپنی مرضی کا آئین منظور کروا سکتے تھے ۔ صدر پاکستان ، بہر حال ، اسے منظور کرنے سے انکار کرسکتے تھے ۔ جیسا کہ حالات و قرائن سے ظاہر تھا اسمبلی کے اجلاس میں التواء سے بھٹو کو تو خوش کیا جاسکتا ہے ، مگر اس کا سیدھا سادہ مطلب آئین سازی کا خاتمہ ، اور ملک میں ایک نہ ختم ہونے والے بحران کو دعوت دینے کے سوا کچھ نہ تھا ۔

یہ تھے وہ حالات جن میں یکم مارچ کو قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی

کرنے کا اعلان کیا گیا ۔ اعلان میں کہا گیا کہ اسمبلی کا اجلاس پیپلز پارٹی کے بائیکاٹ اور بھارتی طرزِ عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کشیدہ صورت حال کے پیش منظر کیا گیا ہے ۔ مجیب الرحمٰن سے کیے گئے وعدے کے برعکس اسمبلی کے اجلاس کے لیے کوئی نئی تاریخ مقرر نہ کی گئی ۔

اجلاس کے التواء کا اعلان ریڈیو پر صدر یحییٰ خان کی طرف سے پڑھ کر سنایا گیا ۔ جس نے کئی شکوک کو جنم دیا ۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یحییٰ خان نے یہ فیصلہ دباؤ میں آکر کیا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس اعلان میں اجلاس کی آئندہ تاریخ دینے سے کون روک سکتا تھا جی ڈبلیو چوہدری کے مطابق اعلان کا مسودہ بھٹو اور جنرل پیرزادہ نے تیار کیا تھا اور اِس ضمن میں یحییٰ خان کی حیثیت ایک بے بس دستخط کنندہ کے سوا کچھ نہیں تھی (۶۸) ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جنوری ۱۹۷۱ء میں ہونے والی مجیب یحییٰ ملاقات کے بعد سیاسی امور میں بعض فوجی جرنیلوں کا عمل دخل بہت بڑھ گیا تھا ۔ تاہم اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یحییٰ خان مکمل طور پر بے اختیار بنا دیئے گئے تھے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء سمیت اپنے ساتھیوں کے بعض فیصلوں کو پسند نہ کیا ہو تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک وہ عہدۂ صدارت سے چمٹے رہے کوئی کام ان کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا ۔ یہ تو قوم کی تقدیر کا فیصلہ کرنے والے اہم معاملات تھے اگر یحییٰ خان کو مذکورہ فیصلوں سے اتفاق نہیں تھا تو کیا وہ اپنے ساتھیوں سے اختلاف کرتے ہوئے ان فیصلوں کی منظوری دینے سے انکار نہیں کر سکتے تھے یا پھر انہیں مستعفی ہونے سے کون روک سکتا تھا ۔ جی . ڈبلیو چودھری کا مؤقف یہ ہے کہ یحییٰ خان نے بھٹو کو اسمبلی کے اجلاس میں شرکت پر آمادہ کرنے کے لیے مقدور بھر مساعی کیں اور انہیں یقین دلایا کہ مجیب الرحمٰن نے اپنا آئین تھوپنے کی کوشش کی تو وہ اجلاس کو جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے ۔ اگر یحییٰ خان کی درخواست منظور کرلی جاتی تو مجیب الرحمٰن کی علیحدگی کا منصوبہ تمام دنیا پر ظاہر ہو جاتا (۶۹)

پروفیسر جی ۔ ڈبلیو چودھری کا یہ بھی خیال ہے کہ بھٹو کو اپنی سودے بازی کی طاقت کا پورا اندازہ تھا اور فوجی حکومت کے اہم اراکین یحییٰ خان کی بجائے ان کے ساتھ تھے (۷۰) چنانچہ انہوں نے صدر کی درخواست کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا ۔

یہ طرزِ استدلال زیادہ قرینِ قیاس نہیں یحییٰ خان ۱۱، ۱۹ اور ۲۶ فروری کو بھٹو کے ساتھ تین خفیہ ملاقاتیں کر چکے تھے اور انہیں بھٹو کے عزائم کا بخوبی اندازہ ہو چکا ہو گا ۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے بھٹو کی تقریروں سے اس بات کی واضح نشاندہی ہوتی تھی کہ وہ مجیب الرحمٰن سے پیشگی افہام و تفہیم کے بغیر اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہونگے ۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن تھا کہ یحییٰ خان بھٹو کو اعتماد میں لیے بغیر اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ کا اعلان کر دیتے ۔ علاوہ ازیں یحییٰ خان نے ۱۶ فروری کو وزارتِ قانون کو اسمبلی کے اجلاس کے التواء کے لیے مسودۂ تقریر تیار کرنے کی ہدایت کی تھی ۔ (۱۰) ظاہر ہے کہ وہ اس سے پیشتر اس فیصلے پر پہنچ چکے تھے ۔

۲۰ اور ۲۲ فروری کو یحییٰ خان نے مغربی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے درخواست کی کہ وہ قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء کے لیے بیانات جاری کریں ۔ اس سے پیشتر ۱۳ فروری کو بھٹو اور یحییٰ خان نے ایک طویل ملاقات کی ۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوئے نیپ کے لیڈر ولی خان نے الزام لگایا کہ بھٹو نے یحییٰ خان کو ـ

ڈھاکہ کا اجلاس ملتوی کرنے کا مشورہ دیا ہے (۱۱) انہوں نے مزید کہا کہ جنرل عمر نے صدر کی نیابت کرتے ہوئے مغربی پاکستان کے متعدد اراکین قومی اسمبلی سے درخواست کی ہے کہ وہ بھٹو کی بائیکاٹ کی مہم کی حمایت کریں ۔ اگرچہ اس بیان کی صداقت کا کھوج لگانا مشکل کام ہے (۱۲) تاہم واقعاتی شواہد پر مبنی عمومی تاثر یہی ہے کہ یحییٰ خان نے یہ فیصلہ بھٹو سے مل کر کیا تھا ۔

کئی مصنفین کے مطابق اسمبلی کے اجلاس کے التواء کا ایک سبب یحییٰ خان پر جرنیلوں کا دباؤ بھی تھا ۔ یحییٰ خان حالات کی خرابی کے بعد اپنے ساتھیوں کے اسیر ہو چکے تھے (۱۳) یحییٰ خان کے یہ ساتھی اور فوجی افسروں کی اکثریت مجیب الرحمٰن کے عزائم سے خوفزدہ تھی ۔ اور ان کا خیال تھا کہ عوامی لیگ کو اپنے چھ نکات کو عملی طور پر آئین کی شکل دینے سے روکنے کے لیے انہیں مداخلت کرنا پڑے گی (۱۴) صرف بھٹو اور قیوم خان نے اسمبلی کے التواء کا خیر مقدم کیا جبکہ عوامی لیگ نے اسے عوامی فیصلے کے خلاف سازش قرار دیا اور کہا کہ ہم اس سازش کا مقابلہ کریں گے (۱۵) اجلاس کے التواء کا اعلان ہوتے ہی بنگالی یہ نعرے لگاتے

ہوئے گلیوں میں نکل آئے کہ "ہم آزاد بنگال چاہتے ہیں"۔(۵)

سول کابینہ پہلے ہی برطرف کی جا چکی تھی ۔ اب ایڈمرل احسن کی جگہ جنرل یعقوب کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا گیا ۔ ایڈمرل احسن اپنی میانہ روی کے لیے معروف تھے اور ان کے تعلقات مجیب الرحمٰن کے ساتھ دوستانہ تھے ۔ ایڈمرل احسن کی علیحدگی کو مشرقی پاکستان میں غیر دوستانہ اقدام تصور کیا گیا ۔ یکم مارچ کے بعد مشرقی پاکستان میں حالات مکمل ابتری کا شکار ہو چکے تھے اور مجیب الرحمٰن نے متوازی حکومت قائم کر لی ۔ جنرل یعقوب نے واقعات کی رفتار سے محسوس کیا کہ صورتِ حال پر صرف سیاسی ذرائع سے قابو پایا جا سکتا ہے ، چنانچہ انہوں نے جنرل یحییٰ خان سے درخواست کی کہ وہ ڈھاکہ آکر مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کریں تاکہ حالات کو بگڑنے سے بچایا جا سکے ۔ یحییٰ خان نے یہ درخواست رد کر دی اور جنرل یعقوب نے دانائی سے کام لیتے ہوئے ۴ مارچ کو استعفیٰ دے دیا۔

دریں اثناء مشرقی پاکستان میں قیادت پر انتہا پسندوں کا قبضہ ہو چکا تھا ۔ مولانا بھاشانی اور پروفیسر مظفر احمد کی قیادت میں سرگرمِ عمل ان انتہا پسندوں نے کھلم کھلا علیحدگی کا نعرہ لگایا اور تشدد کا پرچار کیا ۔ نیپ کے ماسکو نواز گروپ کے سربراہ پروفیسر مظفر نے وسط فروری میں مطالبہ کیا تھا کہ "قومیتوں کو علیحدگی کا حق دیا جائے"(۱۰)

انتہا پسند سیاسی کارکنوں پر مشتمل نیپ کے اس گروپ کو بھارتی کمیونسٹوں کی شہہ بھی حاصل تھی اور بدلے ہوئے حالات میں انہیں مشرقی پاکستان میں بے حد عوامی مقبولیت حاصل ہو گئی ۔ مجیب الرحمٰن اور مرکزی حکومت کے درمیان فاصلے میں اضافے کے بعد اس گروپ نے پارٹی میں اہم پوزیشن حاصل کر لی اور مجیب الرحمٰن ان کے ہاتھوں میں آلۂ کار بن کر رہ گئے ۔

مجیب الرحمٰن نے ۲ مارچ کو اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کے خلاف عام ہڑتال کی اپیل کی ۔ انہوں نے بنگالیوں سے کہا کہ وہ "عوام دشمن طاقتوں کا بائیکاٹ کریں اور بنگلہ دیش کے خلاف سازش کو ناکام بنا دیں"۔ انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ قربانیوں کے لیے تیار ہو جائیں اور ہر سطح پر "لبریشن کمیٹیاں"

تشکیل دیں ۔ ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے اعلان کیا کہ سات مارچ کو ایک جلسۂ عام کے ذریعے "بنگال" کے عوام کے حقِ خود اختیاری کے حصول کے لیے ایک پروگرام پیش کریں گے[۸] عوامی لیگ کی پالیسی اور مجیب الرحمٰن کے رویّے نے سیاسی مبصرین کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ مجیب الرحمٰن "یکطرفہ اعلانِ آزادی" کا منصوبہ بنا رہے ہیں[۹]

ہڑتال کے لیے مجیب الرحمٰن کی اپیل کے فوراً بعد عوامی لیگ کے انتہا پسند کارکن ڈھاکہ کے مختلف حصوں میں پھیل گئے جہاں انہوں نے لوٹ مار، آتشزدگی اور غنڈہ گردی کا بازار گرم کر دیا[۱۰] تمام قصبوں میں انقلابی کونسلیں قائم کر دی گئیں اور کالجوں کی عمارات تخریب کارانہ سرگرمیوں کے لیے تربیتی کیمپوں کے طور پر استعمال ہونے لگیں ۔ متعدد دکانیں لوٹ لی گئیں اور سرکاری ملازموں کو پستول دکھا کر عوامی لیگ کی قیادت کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے مجبور کیا گیا ۔ ڈھاکہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے نئے گورنر جنرل ٹکا خان کا حلف لینے کے سلسلے میں اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اظہار کیا ۔ بھارتی تخریب پسند اور اسلحہ پہلے ہی بڑی مقدار اور بھاری تعداد میں مشرقی پاکستان میں داخل کیا جا چکا تھا[۱۱] نسلی آویزش کو ہوا دینے کے لیے غیر بنگالیوں کے گھروں پر سرخ نشان لگا دیئے گئے اور ان پر حملے کیے گئے ۔ ۲ مارچ کو آرمی یونٹوں پر حملے کیے گئے، جو بلاشبہ تربیت یافتہ گوریلوں کا کام تھا۔

یحییٰ خان بحران کی شدت کا صحیح ادراک نہ کر سکے ۔ اور انہوں نے ۱۰ مارچ کو سیاسی رہنماؤں کی گول میز کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا ۔ مجیب الرحمن نے اسے "ظالمانہ مذاق" قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ دعوت نامہ گن پوائنٹ پر دیا گیا ہے ۔ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ "ان کے عوام کو نہایت بے رحمانہ انداز میں قتل کیا جا رہا ہے" لہذا وہ کانفرنس میں شریک نہیں ہوں گے ۔ اگلے روز مسلم لیگ اور جماعت اسلامی نے بھی کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا ۔ ۳ مارچ ۱۹۷۱ کو مجیب الرحمٰن نے سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا جو دیکھتے ہی دیکھتے صوبے بھر میں پھیل گئی ۔ چٹاگانگ میں عوامی لیگ کے بلوائی دستوں کی قیادت میں ایک مشتعل ہجوم نے شہری آبادیوں پر حملے کیے اور لوٹ مار، آتشزنی، قتل و غارت اور آبروریزی جیسے جرائم کا ارتکاب کیا ۔ سات سو گھروں کو ان کے

مکینوں سمیت نذرِ آتش کر دیا گیا ۔ ان وارداتوں میں مزید تین سو افراد بھی ہلاک ہوئے (۱۳) بلوائیوں نے کئی جیلوں پر حملے کر کے قیدیوں کو رہا کروالیا ۔ صوبے بھر میں سرکاری دفاتر پر حملے کیے گئے اور قومی پرچم کی بے حرمتی کی گئی اور اسے نذرِ آتش کیا گیا ۔ ڈھاکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو بنگلہ دیش کا ترانہ نشر کرنے پر مجبور کیا گیا ۔ ۵ مارچ کو محکمہ ٹیلی فون و تار کے ملازمین کی ہڑتال کے نتیجے میں مواصلات کا نظام معطل ہو کر رہ گیا ۔ ایک طرف پورا صوبہ خوف اور دہشت گردی کی گرفت میں تھا اور دوسری طرف فوج جو امنِ عامہ کی نگہداشت کی واحد ضامن تھی ، خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی ۔

مارچ کے پہلے ہفتے کے دوران میں ہونے والے واقعات سے ظاہر تھا کہ علیحدگی ناگزیر ہو چکی ہے ۔ یحییٰ خان اب بھی بحران کے حل کے لیے مصالحتی فارمولے کی تلاش میں سرگرمِ عمل تھے ۔ بنگالیوں کی اکثریت کا خیال یہ تھا کہ اسمبلی کا اجلاس بھٹو کے کہنے پر ملتوی کیا گیا ہے اور اب تباہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ مجیب الرحمٰن کو اعتماد میں لیا جائے ۔ علیحدگی جو اب تک محض ایک نعرہ تھی ، اسمبلی کے التواء کے نتیجے میں حقیقت نظر آنے لگی تھی ۔ ٦ مارچ کو صدر یحییٰ خان نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے اپنی ان مساعی پر روشنی ڈالی جو انہوں نے دونوں سیاسی جماعتوں کو قریب لانے کے لیے کی تھیں ۔ انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ عوامی لیگ نے ان کی دعوت مسترد کر دی ۔ یحییٰ خان نے سختی سے کہا کہ وہ ایک چھوٹی سی اقلیت کو بے گناہ پاکستانیوں کے ملک کو تباہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے ۔ انہوں نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۵ مارچ کو ہو گا ۔ یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ اجلاس کی تاریخ کے تعین سے امنِ عامہ بحال ہو جائے گا ، لیکن یہ ان کی غلط فہمی تھی ۔ یکم مارچ کے بعد حالات بہت بدل چکے تھے اور صوبے میں بلووں ، لوٹ مار اور قتل و غارت کا سلسلہ بدستور جاری تھا ۔ یحییٰ خان کو اس مرحلے پر بھی اس حقیقت کا ادراک نہ ہو سکا کہ مجیب الرحمٰن کو اعتماد میں لیے بغیر اسمبلی کا اجلاس بلایا جا سکتا ہے نہ صورت حال بہتر ہو سکتی ہے ۔

مجیب الرحمٰن نے اجلاس میں شرکت کے لیے تین شرائط پیش کیں جو درج ذیل تھیں : مارشل لاء کا خاتمہ اور فوج کی فوری واپسی ، فائرنگ سے ہلاک

ہونے والی اموات کی تحقیقات اور منتخب نمائندوں کو فوری انتقالِ اقتدار ۔ مجیب الرحمٰن کو انتقالِ اقتدار اور مارشل لاء ہٹانے کی راہ میں حائل مشکلات سمجھانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے ۔ مجیب الرحمٰن کی طرف سے پیش کی جانے والی شرائط دراصل مشرقی پاکستان کی آزادی کا اعلان تھا[۸۴]

۷ مارچ کو ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ اختلافات کو پُرامن طریقے سے حل کیا جا سکتا ہے[۸۵] انہوں نے شکایت کی کہ یحییٰ خان نے ڈھاکہ کا دورہ کرنے کی بجائے بھٹو کے ساتھ پانچ گھنٹے تک خفیہ ملاقات کی اور یکطرفہ طور پر اسمبلی کی تاریخ مقرر کر دی ۔ عوامی لیگ نے ۱۵ فروری کو اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا تھا مگر اس کی بجائے بھٹو کی ۳ مارچ کی تجویز قبول کر لی گئی ۔ اس کے باوجود اقلیتی جماعت نے اجلاس میں شرکت سے انکار کر دیا اور اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا ۔ اس کے بعد لیگل فریم آرڈر میں ترمیم کی گئی ۔ جب مغربی پاکستان کے دوسرے اراکین قومی اسمبلی نے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا تو یہ پارٹی احتجاجی مظاہروں پر اتر آئی اور اسمبلی اجلاس میں شرکت کرنے والے اراکین اسمبلی کی ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دی ۔ پھر اچانک اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے فوجی اقدام شروع کر دیا گیا ۔ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اکثریتی پارٹی اقلیتی پارٹی کے مطالبات نہیں مانتی تو اسے فوج سے لڑنا پڑے گا ۔ انہوں نے کہا کہ اگر یحییٰ خان مخلص ہیں تو انہیں اسمبلی کو آزادانہ کام کرنے کا موقع دینا چاہئیے اور فوجی اقدام فوری طور پر روک دینا چاہیے[۸۶]

۷ مارچ کو مجیب الرحمٰن نے متوازی حکومت چلانے کے منصوبے کا اعلان کیا اور اس سلسلے میں متعدد ہدایات جاری کیں ۔ اس روز ان کے گھر پر بنگلہ دیش کا جھنڈا آویزاں رہا ۔ مجیب الرحمٰن کا یہ تاریخی بیان ، مکمل آزادی کے اعلان سے کچھ ہی کم تھا[۸۷] مگر اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان یقیناً "علیحدگی کے کنارے" پر پہنچ گیا[۸۸] تمام تعلیمی ادارے ، عدالتیں اور سرکاری دفاتر بند کر دیئے گئے اور اعلان کیا گیا کہ حکومت کو کوئی ٹیکس ادا نہیں کیا جائے گا ۔ ریڈیو ، ٹیلی ویژن اور اخبارات کو ہدایت کی گئی کہ وہ عوامی لیگ کی سرگرمیوں کی پوری تشہیر

کریں ۔ دونوں حصوں کے درمیان ٹیلیفون کا رابطہ منقطع کر دیا گیا اور بینک کو ہدایت دی گئی کہ وہ مغربی پاکستان کو رقوم کی منتقلی بند کر دیں۔(۸۹)

مارچ کے پہلے پندرھواڑے میں صوبے بھر میں ناقابل بیان مظالم روا رکھے گئے ۔ ضلع بوگرہ کے ساتنا ہار کے علاقے میں پندرہ ہزار افراد کو گھیرے میں لے کر نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا ۔ عورتوں کے ننگے جلوس نکالے گئے اور ماؤں کو اپنے بیٹوں کا خون پینے پر مجبور کیا گیا ۔ چٹاگانگ کے ایک چھوٹے سے علاقے میں دس ہزار افراد کو جن میں ساڑھے سات سو عورتیں اور بچے شامل تھے ، موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۔ پبنا کے نزدیک سراج گنج میں ۲۵۰ عورتوں اور بچوں کو ایک ہال نما کمرے میں بند کر کے زندہ جلا دیا گیا ۔ میمن سنگھ میں دو ہزار خاندانوں پر مشتمل ایک بستی کو مکمل طور پر ملیامیٹ کر دیا گیا(۹۰) مشرقی پاکستان کے دوسرے شہروں سے بھی اسی طرح کی رپورٹیں منظرِ عام پر آئیں ۔ بیرونی اخبارات نے بھی ، عوامی حقوق کے نام پر روا رکھے جانے والے ان مظالم کی دلدوز تفصیلات شائع کیں(۹۱)

مارچ کے تیسرے ہفتے میں ڈھاکہ کی گلیاں لاشوں سے اٹی پڑی تھیں ۔ سڑکوں پر ہر طرف گندگی کے ڈھیر تھے ۔ شہر غذائی قلت کا شکار ہو چکا تھا اور مسلح نوجوانوں کے گروہ غیر بنگالیوں کے گھروں میں لوٹ مار کر رہے تھے ۔ اس پر مستزاد یہ کہ پانی اور بجلی مفقود تھی ، جس سے صنعت و تجارت معطل ہو چکی تھی ۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ڈھاکہ مکمل خانہ جنگی کی طرف بڑھ رہا ہے ۔ جب ڈھاکہ کی گلیوں میں غیر بنگالیوں کو ہلاک کیا جاتا تو مکتی باہنی کے کارکن اپنی بربریت کے ثبوت کو چھپانے کی زحمت بھی گوارا نہ کرتے ۔ قتل و غارت کے ایک ایسے ہی مظاہرے کے بعد ایک عوامی لیگی نے کہا کہ "ان لاشوں کو یہیں پڑا رہنے دو ۔۔۔ عبرت کے نشان کے طور پر ۔۔۔۔۔"

خود مختاری کے لیے چلائی جانے والی تحریک کے داعیوں نے پہلے ریاست کے اندر ایک اور ریاست قائم کرنے کی کوشش کی ۔ لیکن بعد میں مجیب الرحمن نے اطراف و جوانب سے بڑھتے ہوئے دباؤ کے پیش نظر ایک طرح کی "متوازی

حکومت" قائم کر لی(۹۳)مارچ اور اپریل کے دوران میں "بنگالی قومیت کا مد توں سے رکا ہوا سیلاب کنارے توڑ کر بہہ نکلا اور پورے صوبے میں غیر بنگالیوں کے خلاف تشدد آمیز نفرت کی لہر دوڑ گئی"(۹۴) ڈھاکہ میں بنگالیوں نے انگریزی زبان میں لکھے ہوئے بورڈ توڑ ڈالے اور غیر بنگالیوں کی دوکانوں کو تباہ کر دیا ، کئی مقامات پر انہوں نے پنجابیوں اور بہاریوں پر حملے کیے ، ان کے جسم ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے یا انہیں زندہ جلا دیا گیا یا ان کے گلے کاٹے گئے ۔ ایسا کرنے میں مرد ، عورت اور بچوں کی کوئی تفریق روا نہ رکھی گئی ۔ میمن سنگھ میں ایک پوسٹ ماسٹر نے صحافیوں کو اپنے جسم پر چھروں سے لگائے گئے زخم دکھاتے ہوئے بتایا کہ وہ بنگالی بلوائیوں کے قتلِ عام کا نشانہ بننے والے پانچ ہزار غیر بنگالیوں میں سے بچ رہنے والے ۲۵ افراد میں سے ایک ہے ۔ انتھونی ماسکار نہاس (ANTHONY MASCARENHAS) کے مطابق ہلاک ہونے والے غیر بنگالیوں کی تعداد ایک لاکھ ہو سکتی ہے ۔ اس نے آبرو ریزی ، تشدد ، اعضاء بریدگی اور مردوں اور عورتوں کو سرعام کوڑے مارنے کے واقعات کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے ۔ اس کا کہنا ہے کہ کئی مقامات پر تشدد کا شکار ہونے والی خواتین کو ہلاک کرنے سے پہلے ان کی چھاتیاں کاٹ دی گئیں ۔ چٹاگانگ میں ملٹری اکیڈمی کے کرنل کمانڈنٹ کو ہلاک کر دیا گیا اور اس کی آٹھ ماہ کی حاملہ بیوی کی آبرو ریزی کے بعد پیٹ میں چھرا گھونپ دیا گیا اور اس کے بیٹے کا سر اس کے ننگے بدن پر "سجا" دیا گیا ۔ متعدد غیر بنگالی نوجوان لڑکیوں کی لاشیں اس حالت میں برآمد ہوئیں کہ ان کی شرمگاہوں میں بنگالی جھنڈے نصب تھے ۔ بعض اطلاعات کے مطابق ماؤں کو اپنے ہی مقتول بیٹوں کا خون پینے پر مجبور کیا گیا(۹۵)

درس اثناء اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے درخواست کی گئی کہ بنگلہ دیش کو اس عالمی تنظیم کا رکن بنا لیا جائے ۔ بنگالی انتہا پسندوں نے لندن اور نیو یارک میں مظاہرے کیے اور اقوامِ متحدہ کے مراکز کے سامنے پاکستانی پرچم کو نذرِ آتش کیا ۔ بعض بنگالی طلبہ نے واشنگٹن میں پاکستانی سفارت خانے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ۔ ظاہر ہے عوامی لیگ بغاوت کے راستے پر گامزن ہو چکی تھی ۔

دوسری طرف یحییٰ خان نے سیاستدانوں کو جس طرح دھوکے میں رکھا اس کی ایک جھلک حمودالرحمٰن کمیشن کے سامنے ولی خان کے بیان سے ملتی ہے (۹۵) ولی خان نے کہا کہ ۲۳ مارچ کو جب وہ مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ پر ان سے ملے تو مجیب الرحمٰن نے انہیں یحییٰ خان کا خط دکھایا جس میں مجیب الرحمٰن سے کہا گیا تھا کہ وہ ڈھاکہ میں ان کی آمد کا انتظار کریں ۔ صدر نے مجیب الرحمٰن کو یقین دلایا تھا کہ بنگالی عوام کو چھ نکات سے بھی بڑھ کر حقوق دیئے جائیں گے (۹۶) جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ، چھ نکات کا مقصد مشرقی پاکستان کی علیحدگی تھا ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یحییٰ خان اس سے بڑھ کر مشرقی پاکستان کو کیا دینا چاہتے تھے ۔ اس امر کے مضبوط شواہد موجود ہیں کہ مجیب الرحمٰن ۷ مارچ کو یک طرفہ اعلانِ آزادی کا فیصلہ کر چکے تھے ۔ ایک نامہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "پاکستان اپنی موجودہ حالت میں ختم ہو چکا ہے ۔ اب سمجھوتے کی کوئی امید باقی نہیں" (۹۷) ٹائمز نے اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "محسوس ہو رہا تھا کہ مجیب الرحمٰن اپنے بنگلہ دیش کی آزادی کے کنارے پہنچ چکا ہے" (۹۸) غیر ملکی پریس کی متفقہ رائے یہ تھی کہ مشرقی پاکستان بالآخر علیحدہ ہو جائے گا ۔ سرکاری ذرائع سے بھی یحییٰ خان کو اسی قسم کی رپورٹیں موصول ہوئی تھیں چنانچہ ان حالات میں انہوں نے چھ مارچ کی رات کو مجیب الرحمٰن کو وہ پیغام بھیجا ، جس کا حوالہ ولی خان نے کمیشن کے سامنے دیا تھا ۔ اس خط کا مقصد مجیب الرحمٰن کو اعلانِ آزادی سے باز رکھنے کے سوا کچھ نہ تھا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یحییٰ خان اپنی مذکورہ پیش کش میں سنجیدہ نہ تھے ۔ یحییٰ خان کے طرزِ سیاست کے گہرے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے شاطرانہ حربوں کی پوری اہلیت رکھتے تھے ۔

۱۰ مارچ کو بھٹو نے مجیب الرحمٰن کو ایک تار بھیجا جس میں انہوں نے کہا کہ "پاکستان کو ہر قیمت پر بچایا جانا چاہیے ۔ میں ڈھاکہ آنے کے لیے تیار ہوں تا کہ بحران کا مشترکہ حل نکالا جائے اور اسمبلی آئین سازی کا کام کر سکے (۹۹) بھٹو کی اس کوشش کو بعد از وقت قرار دیا گیا اور مغربی پاکستان میں اسے "دھوکے کی ٹٹی" کا نام دیا گیا ۔ عوامی لیگ نے اس پیشکش کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا ۔ جبکہ بھاشانی نے حکومت کو الٹی میٹم دیا کہ مجیب الرحمٰن کے مطالبات ۲۵

مارچ سے پیشتر تسلیم کر لیے جائیں ۔

۱۳ مارچ کو عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل قمرالزماں نے بعض لوگوں کے پیدا کردہ اس تاثر پر اظہارِ افسوس کیا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ناگزیر ہو چکی ہے ۔ اس روز بھٹو نے ایک بیان میں کہا کہ دونوں صوبوں میں دونوں اکثریتی جماعتوں کو انتقالِ اقتدار کے مطالبے سے ان کی مراد دو وزیرِ اعظم یا دو پاکستان نہیں تھے ۔ اس ضمن میں ایک اہم پیش رفت ہوئی کہ جماعت اسلامی ، کونسل مسلم لیگ ، جمعیت العلمائے اسلام ، جمعیت العلمائے پاکستان اور کنونشن مسلم لیگ کے پارلیمانی گروپوں نے ایک مشترکہ بیان میں مجیب الرحمٰن کی حمایت کا اعلان کر دیا(۱۰۰) جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ بھٹو کو صرف پنجاب میں اکثریت حاصل ہے ۔ وہاں وہ اپنی حکومت بنا سکتے ہیں ۔ اور یہ کہ بھٹو کی ہوسِ اقتدار نے ملکی یکجہتی کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے(۱۰۱)

وقت کے ساتھ ساتھ بحران کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ ۱۴ مارچ کو بھٹو نے مطالبہ کیا کہ اگر انتقالِ اقتدار کا عمل کسی آئینی سمجھوتے سے پیشتر ہوتا ہے تو پھر اقتدار مشرقی اور مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعتوں کو منتقل کر دیا جائے(۱۰۲) بھٹو کے اس بیان کو عوامی لیگ نے "ملک کو تقسیم کرنے کی خواہش" قرار دیا(۱۰۳) جی ۔ ڈبلیو چوہدری کے مطابق بھٹو کا یہ مطالبہ پاکستان کے اندر دو قومی نظریے کو بروئے کار لانے کے مترادف تھا(۱۰۴) تاہم بھٹو اس امر پر مصر تھے کہ ان کی تجویز کی یہ توجیہہ کسی طور بھی درست نہیں ۔ انہوں نے کہا کہ "موجودہ حالات میں مشرقی پاکستان کی اکثریتی جماعت ، مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعت کے ساتھ مل کر ہی ملک کی جمہوری انداز میں ترجمانی کر سکتی ہے ۔ پیپلز پارٹی کو نظر انداز کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ مغربی حصے کی اکثریت کی رائے کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے(۱۰۵) تاہم یہاں بھٹو کے ایک اور بیان کا حوالہ مناسب ہو گا جس میں انہوں نے تجویز پیش کی تھی کہ کنفیڈریشن کے انتظامات کے تحت شیخ مجیب الرحمٰن مشرقی پاکستان کے اور وہ خود مغربی پاکستان کے وزیرِ اعظم بن سکتے ہیں(۱۰۶)

بھٹو کے اس بیان پر پاکستان میں شدید ردِّعمل کا اظہار کیا گیا اور کراچی میں سات سیاسی جماعتوں کے ایک مشترکہ جلسۂ عام میں بھٹو کے اس ناپاک منصوبے کی مذمت کی گئی ۔ جلسے میں انتقالِ اقتدار کے لئے تحریک چلانے کا اعلان کیا گیا ۔ دریں اثناء یحییٰ خان ، مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کے لیے ۱۵ مارچ کو ڈھاکہ پہنچے ۔ لوگ اس امر پر حیران تھے کہ یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان کے دورے میں تاخیر کیوں کی ؟ جبکہ وہاں حالات تیزی سے خراب ہو رہے تھے ۔ اور ہر آنے والا دن ملک کے دونوں حصوں کے درمیان فاصلہ بڑھا رہا تھا ۔ لوگ پوچھتے تھے کہ وہ جنرل یعقوب کی درخواست پر ڈھاکہ کیوں نہ پہنچے ؟ انہوں نے اسمبلی کے اجلاس کے التوا کے اعلان کے ساتھ ہی نئی تاریخ کا اعلان کیوں نہ کیا ؟ اگر یہ اقدامات بروقت ہو جاتے تو شاید صورتِ حال بہتر ہو جاتی ۔ بہت سے لوگوں کی رائے کے مطابق مشرقی پاکستان کے بحران کو سنگین تر بنانے میں یحییٰ خان کے تاخیری اقدامات کا بھی ہاتھ تھا(۱۰۷) ۱۷ مارچ کو پروفیسر غلام اعظم کا یہ کہنا کہ یحییٰ خان نے بھٹو کو غیر معمولی اہمیت دے کر اپنا تاثر خراب کر لیا ہے ، دراصل اس عام نقطۂ نظر کی ترجمانی کر رہا تھا کہ یحییٰ خان بھٹو کے مشورے پر سب کچھ کر رہے ہیں(۱۰۸)

مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ صدر یحییٰ خان کا استقبال بنگلہ دیش کے مہمان کی حیثیت سے کیا جائے گا ، لیکن یحییٰ خان نے بعد میں انکشاف کیا کہ انہیں ڈھاکہ پہنچنے پر گرفتار کر لینے کا منصوبہ تیار کر لیا گیا تھا(۱۰۹) ڈھاکہ پہنچنے کے بعد یحییٰ خان نے مجیب الرحمٰن کے ساتھ ایک ابتدائی سمجھوتہ تشکیل دیا ۔ مجیب الرحمٰن ، یحییٰ خان اور بھٹو کے درمیان ڈھاکہ میں کیا گفتگو ہوئی کسی کو خبر نہیں ۔ تاہم بھٹو اور یحییٰ خاں نے سمجھوتے کے بعض نمایاں پہلوؤں کا انکشاف کیا جو تاج الدین احمد کے بیان سے مماثل تھے(۱۱۰) سمجھوتہ ان نکات پر مبنی تھا :

۱ ۔ مارشل لاء فوری طور پر اٹھا لیا جائے ۔
۲ ۔ وفاقی اور صوبائی وزارتیں قائم کرنے کے لیے انتظامات کیے جائیں ۔
۳ ۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کو قانون سازی کے اختیارات دیے جائیں ۔
۴ ۔ مشرقی پاکستان کو مزید خود مختاری دی جائے(۱۱۱)

بعد ازاں فریقین نے ایک مشترکہ اعلامیے کے مسودے پر اظہارِ اتفاق کیا بشرطیکہ اس میں کوئی قانونی سقم نہ ہو(۱۱۳) اعلامیہ کی بعض شقیں فریقین کے درمیان نزاع کا باعث بن گئیں اور مذاکرات کا سلسلہ منقطع ہو گیا ۔ سمجھوتے کے مطابق مرکز میں انتقالِ اقتدار نہیں ہونا تھا(۱۱۳) وقتی طور پر یحییٰ خان کو عہدۂ صدارت پر فائز رہنا تھا اور تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل کابینہ تشکیل دینی تھی ۔ ظاہر ہے یہ تجویز قابلِ عمل نہیں تھی ۔ مجیب الرحمٰن اکثریتی پارٹی کے قائد ہوتے ہوئے مرکز میں دوسری جماعتوں خصوصاً پیپلز پارٹی کو اقتدار میں کیوں شریک کرتے ؟ اعلامیہ میں کہا گیا کہ صوبوں میں اقتدار اکثریتی جماعتوں کو منتقل کیا جائے گا اور مارشل لاء اسی روز اٹھا لیا جائے گا جس روز صوبوں میں وزارتیں حلف اٹھائیں گی ۔ صدر کے اختیارات ۱۹۶۲ء کے آئین کے مطابق تجویز کیے گئے تھے ۔ اعلامیہ کے تحت مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے اراکین قومی اسمبلی کو اسلام آباد اور ڈھاکہ میں بالترتیب اکٹھے ہو کر خصوصی تصریحات اور تجاویز تشکیل دینا تھیں ، جنہیں آئین میں شامل کیا جاتا(۱۱۴)

جب یہ مسودہ بھٹو کو دکھایا گیا تو انہوں نے مارشل لاء ہٹانے کی تجویز پر اعتراض کیا ان کا مؤقف تھا کہ مارشل لاء ہٹانے سے ایک آئینی خلا پیدا ہو جائے گا اور اعلامیہ کی کوئی آئینی حیثیت نہیں رہے گی ۔ انہوں نے کہا کہ اعلامیہ میں یہ شق بھی شامل کر دی جائے کہ منظور ہونے والے آئین کو دونوں حصوں کے اراکین قومی اسمبلی کی اکثریت کی حمایت حاصل ہونا ضروری ہے ۔ بھٹو نے سب سے زیادہ تنقید اراکین اسمبلی کے علیحدہ علیحدہ اجلاسوں پر کی ، جس کے جواب میں تاج الدین نے کہا کہ اعلامیہ میں یہ شق خود بھٹو کے حق میں ہے جو کئی دفعہ اس خدشے کا اظہار کر چکے ہیں کہ مجیب الرحمٰن قومی اسمبلی میں ان کی طاقت کو بے اثر بنانے کے لیے اقلیتی گروہوں کے اراکین کی مدد حاصل کریں گے(۱۱۵) اس کے برعکس بھٹو نے اس تجویز کو دو پاکستانوں کا پیش خیمہ قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا(۱۱۶) مجیب الرحمٰن کی تجویز کے مطابق وجود میں آنے والی اسمبلی "دوجماعتی اسمبلی" کی بجائے "دو قومی اسمبلی" ہوتی(۱۱۷) بھٹو کا بیان ہے کہ ان ملاقاتوں کے درمیان مجیب الرحمٰن نے ان سے کہا تھا کہ "وہ مغربی پاکستان کے وزیرِ اعظم بن جائیں جبکہ مشرقی پاکستان کا انتظام میں خود چلا لوں گا"(۱۱۸) مجیب

الرحمٰن اپنے اس مؤقف کا اظہار اس سے پہلے ٹائمز کے نامہ نگار کے ساتھ ایک انٹرویو میں بھی کر چکے تھے کہ "مشرقی اور مغربی پاکستان کے لیے علیحدہ علیحدہ آئین ہونے چاہئیں(۱۱۹)"

آخر کار وہ لمحہ آگیا جس نے مزید مذاکرات کے تمام امکانات کو بالکل معدوم کر دیا ۔ ۲۲ مارچ کو مجیب الرحمٰن اور تاج الدین نے بغیر کسی پروگرام کے یحییٰ خان سے ملاقات کی جس میں انہوں نے صدر کو صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ عوامی لیگ کسی مرکزی یا قومی کابینہ کے قیام کی تجویز پر صاد نہیں کہہ سکتی ۔ اس کی بجائے انہوں نے مطالبہ کیا کہ اقتدار دونوں صوبوں کو منتقل کیا جائے ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ "وہ باقاعدہ طور پر ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے"(۱۲۰) قبل ازیں بھٹو بھی مشرقی اور مغربی حصوں میں اکثریتی جماعتوں کو اقتدار کی منتقلی کا ایسا ہی مطالبہ کر چکے تھے بہر حال اس طرح سہ فریقی مذاکرات اپنے انجام کو پہنچے ۔

۲۳ مارچ کو ڈاکٹر کمال حسین نے یحییٰ خان کے ساتھیوں سے ملاقات کی اور انہیں عوامی لیگ کا مسوّدہ آئین پیش کیا ۔ اس آئین کے نفاذ کا سیدھا سادا مطلب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو آئینی حیثیت دینا تھا ۔ اس مسوّدے میں ملک کے لیے دو آئین تشکیل دینے کا طریق کار تجویز کیا گیا تھا(۱۲۱) تاج الدین نے اعلان کیا کہ مذکورہ مسوّدہ کو ۴۸ گھنٹوں کے اندر اندر اعلامیہ کی شکل میں جاری کر دیا جائے ۔

عوامی لیگ کے رہنماؤں نے دوسرے کئی سیاستدانوں کی طرح یحییٰ خان کو مذاکرات کی ناکامی کا ذمہ دار گردانا ۔ عوامی لیگ نے الزام لگایا کہ یحییٰ خان نے جان بوجھ کر پیپلزپارٹی کے سامنے عوامی لیگ کے ساتھ اپنے مذاکرات کی غلط تصویر پیش کی اور انہیں یہ تاثر دیا کہ مجیب الرحمٰن طاقت کا مظاہرہ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں اور ہر روز اپنے مطالبات میں اضافہ کر رہے ہیں(۱۲۲) مغربی پاکستان کے ایک سینئر صحافی مظہر علی خان نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا(۱۲۳) مجیب الرحمٰن انتہا پسندوں کے غیر معمولی دباؤ کی زد میں تھے ۔ ان انتہا پسندوں میں

مولانا بھاشانی اور پروفیسر مظفر بھی شامل تھے ۔ مؤخر الذکر نے قومیتوں کے لیے علیحدگی کے حق کا نعرہ بلند کیا ۔ جبکہ مولانا بھاشانی نے مشرقی پاکستان کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے عوامی لیگ کے لیے ووٹ کو مشرقی پاکستان کی آزادی کا ووٹ قرار دیا(۱۴) ۲۵ مارچ تک صورتِ حال اس نہج پر پہنچ چکی تھی کہ مشرقی پاکستان کے فعال سیاسی عناصر مکمل علیحدگی سے کم کسی سمجھوتے پر رضا مند ہونے کو تیار نہ تھے(۱۵)

ایک طرف مجیب الرحمن پر علیحدگی کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا تھا ، دوسری طرف مغربی پاکستان کے بعض سیاستدانوں کو یہ خوف لاحق تھا کہ اگر عوامی لیگ برسرِاقتدار آگئی تو وہ ماضی کی نا انصافیوں کا انتقام لے گی ۔ ان میں سے کچھ مشرقی پاکستان کو ایک قسم کا بوجھ تصور کرتے تھے اور اب نئے نظام کے لازمی نتیجے کے طور پر مشرقی پاکستان کی مستقل بالا دستی سے خائف تھے ۔ امریکی پروفیسر وائن ولکاکس کا تجزیہ بالکل درست ہے کہ عوامی لیگ کے بعض اراکین ہر قیمت پر مشرقی پاکستان کی آزادی کے کھلم کھلا داعی تھے ۔ جبکہ دوسروں کا خیال تھا کہ اگر سمجھوتہ سود مند ثابت نہ ہوا تو حقیقی خود مختاری کی راہ سے آزادی کی منزل حاصل کرنا مشکل نہیں ہو گا ۔ کئی مغربی پاکستانی رہنما اپنی نجی گفتگوؤں میں اسی خیال کا اظہار کر چکے تھے کہ مغربی پاکستان کے لیے بہتر ہو گا کہ وہ مشرقی پاکستان کو پروانہ رخصتی دے دیں کیونکہ ان کی حیثیت ایک بوجھ سے زیادہ نہیں ہے اور اسمبلی میں ۵۵ فیصد نشستوں کے حصول کے بعد اس بوجھ میں مزید اضافہ ہو جائے گا(۱۶) لگتا تھا کہ علیحدگی پاکستان کا مقدر بن چکی ہے ۔ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو برداشت کرنے کا جذبہ اور خواہش دم توڑ چکی تھی اور ملک پر برسر اقتدار فوجی حکمران اور منتخب سیاستدان جو ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے بے تاب تھے دونوں تعاون کے اس وسیع تر جذبے سے کام لینے پر آمادہ نہیں تھے جن کو بروئے کار لا کر شائد (لیکن صرف شائد) ملک کے دونوں حصوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلوں کو پاٹا جا سکتا تھا(۱۷)

دسمبر ۱۹۷۰ سے مارچ ۱۹۷۱ کے واقعات خصوصاً قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء کا انداز اس امر کے غماز تھے کہ فوج سیاسی قوت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ۔ دوسری طرف مشرقی پاکستان کے تیور بتاتے تھے کہ وہ

اقتدار کو بزورِ بازو چھین لینے کا عزم کر چکے ہیں اور ۱۹۴۷ء کے بعد سے ہونے والی ہر بات کو ملیامیٹ کرنے کے درپے ہیں ۔ یحییٰ خاں اور ان کے ساتھیوں نے جن کے ذمے دونوں علاقائی رہنماؤں کے درمیان مصالحت کا کام تھا ، غلطی پر غلطی کرتے گئے ۔ فوجی حکومت کے عزائم ہمیشہ مشکوک رہے اور مصالحت کے حصول میں ان کی ناکامی نے دونوں صوبوں کے درمیان خلیج کو ناقابلِ عبور بنا دیا۔
تاج الدین احمد کے اس بیان کی صداقت ثابت کرنے کے لیے کئی شواہد موجود ہیں کہ یحییٰ خان نے جان بوجھ کر بھٹو کو حقائق کی غلط تصویر پیش کی ۔ فوجی اقدام کا منصوبہ حکومت نے بہت پہلے سے تیار کر رکھا تھا اور مجیب کے علیحدگی پسندانہ کردار کو منظرِ عام پر لا کر اس منصوبے پر عمل درآمد آسان ہوگیا ۔

۲۳ مارچ کو مجیب الرحمٰن کی ہدایت پر مشرقی پاکستان میں یوم مزاحمت منایا گیا ۔ مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ پر بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرایا گیا اور شہر میں مسلح جلوس نکالے گئے ۔ مظاہرین نے قراردادِ لاہور کی اکتیسویں سالگرہ پاکستان کے جھنڈے کی بے حرمتی کر کے اور سیکرٹریٹ سمیت تمام عمارتوں پر بنگلہ دیش کے نئے جھنڈے کو لہرا کر منائی[۲۸] برطانوی ہائی کمشنر اور روسی کونسلر جنرل نے بھی اپنے دفاتر پر بنگلہ دیشی جھنڈا لہرایا ۔ مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کا جھنڈا لہراتے ہوئے کہا کہ "ہماری جدوجہد کا مقصد عوام کی نجات اور آزادی ہے[۲۹] اسی روز عوامی لیگ کے ترجمان روزنامہ "دی پیپل" کے دفتر میں بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرانے کا اہتمام کیا گیا[۳۰] مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیشی جھنڈے کے سائے میں کھڑے ہو کر سلامی لی ۔ جھنڈے پر جلی حروف میں یہ عبارت تحریر تھی "آج دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک ابھرا ہے" ۔ دھان منڈی میں مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ کے آہنی گیٹ پر بھی بنگلہ دیش کا جھنڈا اکندہ کیا گیا تھا ۔ روزنامہ "دی پیپل" نے اپنے ۲۳ مارچ کے شمارے میں صفحہ اول پر بنگلہ دیش کے نقشے کی تصویر شائع کی جس کے نیچے یہ عبارت درج تھی ۔ "آج دنیا کی مختلف ریاستوں اور قوموں کی ترجمانی کرنے والے پرچموں کی فہرست میں ایک اور پرچم کا اضافہ ہوگیا ہے ۔ یہ آزاد بنگلہ دیش کا پرچم ہے[۳۱] ۲۴ مارچ کو اخبار نے تقریبِ پرچم کشائی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ "ایک نئی قوم کی تخلیق عمل میں آچکی ہے ۔ تمام عمارتوں پر ایک نیا پرچم لہرا رہا ہے ۔ آزادی بنگلہ دیش کی

سرزمین کا مقدر بن چکی ہے"(۱۳۲) کچھ لوگ اب بھی مشرقی پاکستان کو پاکستان کا حصہ سمجھ رہے تھے ۔

دریں اثناء مجیب الرحمٰن نے کرنل عثمانی کو انقلابی افواج کا کمانڈر مقرر کیا اور میجر جنرل مجید کو سابق فوجیوں کی فہرستیں تیار کرنے کا حکم دیا ۔ بھارت سے ہتھیاروں اور بارود سے بھری ہوئی ٹرینیں دھڑا دھڑ مشرقی پاکستان پہنچ رہی تھیں ۔ صرف ڈھاکہ کے پولیس ہیڈکوارٹر میں ۱۵ ہزار بھری ہوئی رائفلوں کا ذخیرہ موجود تھا ۔ ایسٹ پاکستان رائفلز کی مختلف چوکیاں انتہا پسندوں کی آماجگاہ بن چکی تھیں اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ وائرلیس پر رابطہ قائم تھا ۔ الغرض بھارتی تخریب کاروں کی مدد سے مسلح بغاوت کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے ۔ ۳۱ مارچ کو کولمبیا براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کے نامہ نگار ویدر آل نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ اس امر کے کافی شواہد موجود ہیں کہ مجیب الرحمٰن اور ان کی کالعدم عوامی لیگ نے بہت پہلے ایک سوچا سمجھا فوجی منصوبہ تیار کر رکھا تھا ۔ باور کیا جاتا ہے کہ مجیب الرحمٰن کو ایک عرصے سے بیرونی ذرائع سے ہتھیار موصول ہو رہے تھے ۔ متعدد سفارت کاروں کا یہ خیال ہے کہ یہ ہتھیار صرف بھارت ہی سے آسکتے تھے(۱۳۳) بہار (بھارت) کے وزیرِ اعلیٰ نے کھلے لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا جسے بھارتی حکومت خفیہ رکھے ہوئے تھی ۔ انہوں نے عوامی لیگی لیڈروں کی مدد کے بارے میں اپنے عزائم کا بر ملا اظہار کیا اور کہا کہ میں بنگلہ دیش کو اسلحے اور گولہ بارود کی فراہمی کی ضرورت پر پورا یقین رکھتا ہوں(۱۳۴)

مشرقی پاکستان کو علیحدگی کے دہانے پر چھوڑ کر یحییٰ خان اور بھٹو علی الترتیب ۲۵ اور ۲۶ مارچ کو پاکستان واپس آ گئے ۔ بھٹو نے ڈھاکہ سے اپنی واپسی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "اب دوسرے فریق کی جانب سے مفاہمت کی کوئی امید باقی نہیں رہی اور یہ کہ عوامی لیگ جس خود مختاری کا مطالبہ کر رہی ہے وہ آزادی کے مترادف ہے"(۱۳۵) ۔ مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام کی حمایت کرتے ہوئے بھٹو نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کو بچا لیا گیا ہے"(۱۳۶) ۔ یحییٰ خان کے لیے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا "ہر محبِ وطن پاکستانی کو چاہیئے کہ وہ یحییٰ خان حکومت پر تنقید کرنے والوں کے بارے میں قریبی پولیس

اسٹیشن کو اطلاع دیں" (۱۳۷) ۔ بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام دراصل متحدہ پاکستان کے خاتمے کا اعلان تھا ۔ بھٹو یحییٰ سازباز کا ثبوت بھٹو کے اس اعتراف سے بھی ملتا ہے کہ انہوں نے یحییٰ خان کو "ہلکے فوجی اقدام" کا مشورہ دیا تھا جو ان کے خیال میں علیحدگی کو روکنے کے لیے ضروری تھا (۱۳۸) ۔ کیا بھٹو اس سے بے خبر تھے کہ موجودہ صورتِ حال میں فوجی اقدام نہ تو ہلکا ہو سکتا ہے اور نہ محدود (۱۳۹) ۲۵ ، مارچ کو مجیب الرحمٰن نے ڈھاکہ میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے عوام سے کہا کہ وہ عظیم قربانی کے لیے تیار ہو جائیں ۔ اس کے بعد انہوں نے عوام کو متعدد ہدایات جاری کیں جن میں زور دیا گیا تھا کہ علیحدگی کی منزل بہت دور نہیں ہے ۔

۲۶ ، مارچ کو مشرقی پاکستان میں بہت بڑے پیمانے پر بغاوت کا آغاز ہو گیا اور ایک خفیہ ریڈیو نے چٹاگانگ ، جیسور کومیلا ، سلہٹ ، باریسال اور کھلنا میں جھڑپوں کی خبر نشر کی اور دعویٰ کیا کہ ان مقامات پر پاکستانی افواج کو ایسٹ بنگال رجمنٹ ، ایسٹ پاکستان رائفلز اور پولیس فورس نے گھیرے میں لے رکھا ہے ۔ ریڈیو نے عوام سے اپیل کی کہ وہ اس وقت تک اپنی آزادی کی جنگ جاری رکھیں گے "جب تک دشمن کا آخری سپاہی بھی ختم نہیں ہو جاتا" ۔ نشریے میں مجیب الرحمٰن کو ، جو بعض اطلاع کے مطابق زیرِ زمین جا چکے تھے ، "آزاد بنگلہ دیش کا واحد رہنما" قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ ملک کو "مغربی پاکستان کی سفاکانہ آمریت" سے بچانے کے لیے مجیب الرحمٰن کے ہر حکم کو تسلیم کیا جائے ۔ ایک اور خفیہ نشریے میں کہا گیا کہ بنگلہ دیش نے اقوام متحدہ اور ایفروایشیائی ممالک کو اپنی "آزادی کی جدوجہد" میں مدد دینے کی درخواست کی ہے ۔ ملک اس وقت تک تقسیم کے دہانے تک پہنچ چکا تھا "اور کوئی حکومت اپنے ملک کو ٹوٹنے کی اجازت نہیں دے سکتی ۔ ظاہر ہے کہ پاکستانی فوج کو تعداد کی کمی اور مغربی پاکستان سے دُوری کی بنا پر اپنے بچاؤ کے لیے سخت اقدام کرنا پڑا" (۱۴۰)۔

بعد ازاں مجیب الرحمٰن نے اس امر کا اعتراف کیا کہ اس نے ۲۶، مارچ کو گرفتاری سے پہلے آزادی کا اعلان کر دیا تھا (۱۴۱) ۔ اسی روز خفیہ ریڈیو اسٹیشن سے یہ اعلان کیا گیا کہ "بنگلہ دیش اب ایک آزاد اور خود مختار ریاست ہے" (۱۴۲) ۔ یہ تھے وہ حالات جن میں فوجی اقدام کا فیصلہ کیا گیا اور مجیب الرحمٰن کی گرفتاری

عمل میں آئی ۔

۲۶، مارچ کو یحییٰ خان نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے عوامی لیگ کو خلافِ قانون قرار دیا، پاکستان بھر میں تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی اور اخبارات پر مکمل سنسر شپ نافذ کر دیا ۔ مجیب الرحمٰن کی تحریکِ عدم تعاون کی مذمت کرتے ہوئے یحییٰ خان نے اسے "بغاوت کا اقدام" قرار دیا اور کہا کہ "مجیب الرحمٰن اور ان کی جماعت پاکستان کے دشمن ہیں اور ملک سے مکمل طور پر علیحدگی کے خواہاں ہیں"۔ انہوں نے اعلان کیا کہ "مجیب الرحمٰن کا یہ جُرم معاف نہیں کیا جائے گا"۔ مجیب الرحمٰن کے لیے یہ اقدام غیر متوقع نہیں تھا ۔ عوامی لیگ ہر سب ڈویژن میں اپنے کمانڈروں کی قیادت میں اپنی تنظیم کو لڑائی کے لیے تیار کر چکی تھی (۱۴۳) ۔ کرنل عثمانی نے بھی ایک انٹرویو میں بتایا کہ مجیب الرحمٰن نے انہیں آرمی ایکشن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی تھی (۱۴۴) ۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۶ ، مارچ ۱۹۷۱ء کو میجر ضیا کی جانب سے چٹاگانگ پر قبضے اور عبوری حکومت کے اعلان کے فوری اقدام میں پیش بندی اور منصوبہ سازی کی جھلک نظر آتی تھی (۱۴۵) ۔ گویا یہ سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کا حصّہ تھا نہ کہ فوری ردِّ عمل کا نتیجہ ۔

یہ کہنا کہ مکتی باہنی راتوں رات معرض وجود میں آگئی تھی حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ مکتی باہنی کی تشکیل جولائی ۱۹۷۰ء سے پہلے ہو چکی تھی ۔ اس کی کمانڈ کرنل عثمانی کے پاس تھی جنہوں نے شہید مینار کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اس کی سلامی لی تھی ۔ انتخابات سے پہلے ایسی تنظیم کی تشکیل بذاتِ خود تعجب خیز ہے ۔ متحدہ پاکستان کی حدود میں تشکیل دی گئی اس تنظیم کے بارے میں عوامی لیگی رہنماؤں نے یہ چھپانا کبھی ضروری نہ سمجھا تھا کہ اسے "استحصال" کی زنجیریں توڑنے کے لیے قائم کیا گیا ہے ۔ اس امر کی ٹھوس شہادتیں دستیاب ہیں کہ ۱۹۷۰۔۱۹۷۱ء کے دوران میں مشرقی پاکستان میں بھارت سے اس کی سرحدی سیکورٹی فورس کی نگرانی میں مسلح افراد اور اسلحے کی آمد زوروں پر تھی ۔ اس عرصے میں مکتی باہنی کی تنظیم میں وسعت کی گئی اور اس کے لیے فوجی تربیت کا اہتمام کیا گیا ۔ ادھر خفیہ اطلاعات بہم پہنچانے کے ذمہ دار ادارے ، جن کی حالت پہلے ہی ناگفتہ بہ تھی ، فروری ۱۹۷۱ء تک مکمل طور

پر ناکارہ ہو چکے تھے ۔ چنانچہ مرکزی حکومت کو مشرقی پاکستان کے بارے میں صحیح معلومات کا حصول ممکن نہ رہا ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام سے پیشتر امنِ عامہ کی صورتِ حال مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی اور اگر اس معاملے میں ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو غیر بنگالی آبادی پوری طرح نیست و نابود کر دی جاتی ۔ لیکن اس عام اور سیدھے سادے سوال کا جواب کیا ہے کہ حالات کو اس حد تک خراب ہونے کی اجازت کیوں دی گئی؟ کیا اس کا مقصد فوجی اقدام کے لیے جواز پیدا کرنا تھا؟ کیا یحییٰ خان کو حالات کی خرابی سے بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

صورتِ حال کا بہترین حل یہ ہوتا کہ فوجی اقدام کو امنِ عامہ بحال کرنے تک محدود رکھا جاتا اور یہ بات واضح کر دی جاتی کہ فوجی اقدام کا واحد مقصد کسی قابل قبول حل کے حصول کے لیے پرامن حالات کی بحالی کے سوا کچھ نہیں ۔ ہو سکتا ہے اس طرح (۱۳۰) ملک تباہی سے بچ جاتا ۔ یحییٰ خان کی بے حسی کا اندازہ نیویارک ٹائمز کے ساتھ ان کے انٹرویو سے بخوبی کیا جا سکتا ہے ۔ فوج کی زیادتیوں کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "ڈھاکہ میں جو کچھ ہوا وہ کوئی فٹ بال میچ نہیں تھا ۔ لڑنے والے ایک دوسرے پر پھول نہیں پھینکتے" (۱۴۰)ء یہ ایک حقیقت ہے کہ فوجی اقدام کے دوران میں زیادتیاں روا رکھی گئیں اور متعدد محبِ وطن افراد کو بھی ہلاک کر دیا گیا (۱۴۹) ۔ اگرچہ فوج کی تادیبی کاروائی غیر بنگالیوں اور فوجی افسروں کے ساتھ شرپسندوں کے سلوک کی روح فرسا خبروں کا نتیجہ تھی تاہم شہری آبادی کے غیر ضروری طور پر ہلاک کرنے کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا ۔ اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کے کئی سیاستدانوں نے فوج اور ٹکا خان کو حالات کی خرابی کا ذمہ دار قرار دیا ، بلکہ ان کے سخت رویے کی مذمت بھی کی ۔ پروفیسر غلام اعظم نے الزام لگایا کہ ٹکا خان نے خالص فوجی انداز میں فیصلے کیے جس کے نتیجے میں فوج اور بنگالی آبادی کے درمیان عناد میں اضافہ ہوا جو عوامی لیگ کے لیے سودمند ثابت ہوا ۔

مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام کی وسیع پیمانے پر مذمت ہوئی ، جو اپنی جگہ بجا تھی ، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ فوج کی زیادتیوں اور فوجی اقدام میں ہلاک ہونے والوں کے بارے میں اعداد و شمار میں غیر معمولی مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ۔

ڈھاکہ کے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کی بالکونیوں سے ہونے والی رپورٹنگ میں اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا گیا کہ فوجی اقدام کا ہدف عام شہریوں کی بجائے مجیب الرحمٰن کی فوج کے مسلح افراد تھے ۔ سب سے پہلے مرنے والوں میں بیشتر سپاہی تھے (۱۵۰) ۔ کومیلا میں اجتماعی قبروں سے یہ معلوم ہوا کہ مغربی پاکستان گیریزن نے بالعموم مشرقی پاکستان کے سپاہیوں کو ہلاک کیا ۔

یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ فوجی اقدام کا نتیجہ پاکستان کی تقسیم کی شکل میں برآمد ہوا اور سیاسی مبصرین کی یہ رائے بالکل درست تھی کہ مشرقی پاکستان میں ہونے والے مظالم اتنے سنگین ہیں کہ اب مشرقی اور مغربی پاکستان کا ایک ملک کی صورت میں اکٹھے رہنا ناممکن ہو چکا ہے (۱۵۱) ۔ مشرقی پاکستان میں فوجی حکومت کی یہ کاروائی اونٹ کی پشت پر آخری تنکا ثابت ہوئی ۔ اس کاروائی کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں موجود پاکستان کے حامی عناصر نے بھی معاندانہ رویہ اختیار کر لیا اور دنیا بھر میں پاکستان کے وقار کو شدید دھچکا لگا ۔ یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ فوجی کاروائی کے ذریعے پاکستان کی وحدت کا تحفظ ممکن ہو سکے گا ۔ مگر اس کے برعکس یہ کاروائی متحدہ پاکستان کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ۔

حواشی

۱: بھٹو نے اپنی خواہش اقتدار کو چھپانے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی اس سلسلے میں ان کی توجیہہ خاصی دلچسپ تھی ۔ "ہم عوامی لیگ کے ساتھ شریکِ اقتدار ہونا چاہتے ہیں، کیونکہ مشرقی پاکستان میں تسلط اور مرکزی حکومت میں انتظامیہ پر قبضہ کے بعد مجیب کو علیحدگی کا حتمی قدم اٹھانے سے کوئی نہیں روک سکے گا ۔" The Great Tragedy, pp19 – 20

۲: بھٹو کا ۲۱ دسمبر ۱۹۷۰ کو ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل لاہور میں ایک استقبالیہ سے خطاب ۔

3. Anthony Mascarenhas, The Rape of Bangladesh, p–68

۴: پیپلز پارٹی کے دستور ۱۹۶۷ء میں اس سلسلہ میں خاص طور پر تصریح کی گئی ۔

۵: The Pakistan Times، ۲۰ دسمبر ۱۹۷۰ء ۔

:۶ The Pakistan Observer، ۲۱ دسمبر ۱۹۷۰ء

:۷ ایضاً ۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۰ء

:۸ The Pakistan Observer، ۲۲ دسمبر ۱۹۷۰ء

:۹ ۱۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل راولپنڈی میں بھٹو کا پی پی پی کے کارکنوں سے خطاب ۔

:۱۰ ایضاً، ۸ جنوری ۱۹۷۱ء

:۱۲ ایضاً ، ۲۲ دسمبر ۱۹۷۰ء

:۱۳ ایضاً ، ۲۵ دسمبر ۱۹۷۰ء

:۱۴ ایضاً ، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۰ء

:۱۵ ایضاً ، ۱۲ جنوری ۱۹۷۱ء

:۱۶ The Pakistan Observer، ۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء

17. Bangladesh My Bangladesh (Speech of Shaikh Mujib ed. by Ramendu Majumdar) p–36.

:۱۸ ایضاً، ص ۔ ۳۵ مزید ملاحظہ ہو بحوالہ جی ڈبلیو چودھری، ص ۔ ۱۳۵ ۔

19. Globe and Mail Ottawa, 7January 1971.
20. The Times, London, 23 Feb. 1971.

:۲۲ The Pakistan Observer، دسمبر ۱۹۷۰ء، جنوری اور فروری ۱۹۷۱ء

:۲۳ ایضاً ، ۲۱ جنوری ۱۹۷۱ء

:۲۴ ایضاً ، ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء

:۲۵ The Pakistan Observer، یکم فروری ۱۹۷۱ء

:۲۶ ایضاً ۵ فروری ۱۹۷۱ء

:۲۷ The Pakistan Times ، ۲۹ جون ۱۹۷۱ء ملاحظہ ہو یحییٰ خان کی تقریر ۔

:۲۸ The Pakistan Observer، ۱۵ جنوری ۱۹۷۱ء

:۲۹ The Dawn، ۱۵ جنوری ۱۹۷۱ء

30. Mascarenhas, op.cit,. p –68.

:۳۱ بحریہ کے سابق سربراہ مظفر حسن نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ بھٹو نے جنرل حمید اور پیرزادہ کے ساتھ مل کر لاڑکانہ میں یحییٰ خان پر زور ڈالا تھا کہ مجیب الرحمٰن کو فوجی کارروائی کے ذریعے کچل دیا جائے ۔ ہفت روزہ "صحافت" لاہور ۲۶ اکتوبر یکم نومبر ۱۹۷۷ء، ص ۔ ۲۱،۲۲ ۔ مزید ملاحظہ ہو سلطان خان سابق سیکرٹری خارجہ کا مضمون "The Muslim" ۔ ۱۹ جولائی ۱۹۸۳ء

:۳۲ راؤ فرمان علی نے ایک مضمون میں انکشاف کیا ہے کہ یحییٰ خان اور مجیب نے

ان کے سامنے اس امر پہ اتفاق کیا تھا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس اس وقت تک نہیں بلایا جائے گا جب تک سیاسی رہنماؤں میں اتفاق رائے نہیں ہو جاتا۔"نوائے وقت" ۲۶ اپریل ۱۹۷۸ء

:۳۳ The Pakistan Times، ۲۶ جنوری ۱۹۷۱ء

:۳۴ The Daily News، کراچی ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۰ء

:۳۵ روزنامہ "جسارت" کراچی ، ۱۷ دسمبر ۱۹۷۷ء مزید ملاحظہ ہو سعید قریشی کا مضمون۔ "پاکستان کا قاتل کون؟"

:۳۶ ۲۴ جولائی ۱۹۷۱ کو مجیب کا اخباری بیان ۔

:۳۷ ایضاً ۔

:۳۸ ۲۴ جولائی ۱۹۷۱ء کو مجیب کا اخباری بیان ۔

39. Z.A Bhutto The Great Tragedy, p –22

:۴۰ ۲۴ فروری ۱۹۷۱ء کو مجیب الرحمٰن کا بیان ۔

:۴۱ ماخذ مجیب کے ایک معتمد ساتھی سے ذاتی ملاقات ۔

:۴۲ یہ اطلاع مصنف کو ایک باخبر ذریعے سے ملی ۔

:۴۳ روزنامہ "نوائے وقت" ۲۶ اپریل ۱۹۷۸ء میں راؤ فرمان علی کا مضمون ۔

44. Z.A. Bhutto, The Great Traged, p– 24.

:۴۵ ایضاً ص ، ۲۵،۲۴۔

:۴۶ Daily Dawn ، ۱۰ فروری ۱۹۷۱ء

:۴۷ Z.A Bhutto, The Great Tragedy, p 26 یہ کتاب ستمبر ۱۹۷۱ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی تھی ۔ یحییٰ خان کی حکومت نے اس کے مندرجات کی کبھی تردید نہیں کی ۔

:۴۸ مغربی پاکستان کے ایک سنئیر صحافی زیڈ ۔ اے سلہری نے مغربی پاکستان پر چھ نکات کے اطلاق کے مضمرات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مضمون "A Full Circle" میں تحریر کیا کہ عوامی لیگ چھ نکات کے مطابق مشرقی پاکستان کے لیے خود مختاری کا مطالبہ کرتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ مغربی پاکستان میں پھر بھی اس کے اطلاق کو روکا نہیں جا سکتا ۔ مشرقی پاکستان میں تو جغرافیائی صورت حال کے پیش منظر اس مطالبے کی حمایت کی جا سکتی ہے لیکن مغربی پاکستان میں صورت برعکس ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو تو روکا نہیں جا سکتا جبکہ چھ نکات کے اطلاق کے بعد مغربی پاکستان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا ۔

The Pakistan Times ۱۴ فروری ۱۹۷۱ء

۴۹: The Dawn ۱۶ جنوری ۱۹۷۱ء

۵۰: The Pakistan Observer، ۱۶ فروری ۱۹۷۱ء

۵۱: ایضاً۔

۵۲: ایضاً۔

۵۳: مصنف کی ایک عینی شاہد سے گفتگو۔

۵۴: اخباری بیان۔ ۱۷ فروری۔

۵۵: روزنامہ "جسارت" کراچی، ۱۷ فروری ۱۹۷۱ء اخبار نے اپنے اداریے میں بھٹو کو سازش کی علامت قرار دیتے ہوئے لکھا کہ وہ جمہوریت کا راستہ روکنے پر تلا بیٹھا ہے۔ اخبار نے مزید کہا کہ اپنی سازشوں کی تکمیل کے لیے مشرقی پاکستان کی علیحدگی قبول کر لے گا۔

۵۶: The Pakistan Times, ۱۳ فروری ۱۹۷۱ء

۵۷: The Holiday (Weekly)، ڈھاکہ۔ ۲۱ فروری ۱۹۷۱ء

۵۸: رابرٹ جیکسن بھی اس خیال سے متفق ہیں۔ "صدر یحییٰ کے بہت سے اقدامات کو بھٹو کے مطالبات کی تائید سمجھا گیا"۔ South Asian Crisis, ۔ ص ۲۸

۵۹: یہ اطلاع ایک باخبر ذریعے سے مصنف کو ملی۔

۶۰: The Pakistan Times, ۲۵ فروری ۱۹۷۱ء ملاحظہ ہو رضا کاظم کا مضمون۔

۶۱: ۲۴ فروری ۱۹۷۱ء کا مجیب کا اخباری بیان۔

۶۲: The Pakistan Times, یکم مارچ ۱۹۷۱ء

۶۳: Daily Dawn، ۲۸ فروری ۱۹۷۱ء

۶۴: یہ معلومات ایک باخبر ذریعے سے مصنف کو حاصل ہوئیں۔

۶۵: مجیب الرحمٰن کا چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری ڈھاکہ سے خطاب، ۲۸ فروری ۱۹۷۱ء

۶۶: ذاتی ذریعے سے حاصل شدہ معلومات۔

۶۷: Daily Dawn، یکم مارچ ۱۹۷۱ء

۶۸: بحوالہ جی۔ ڈبلیو چودھری، ص۔ ۱۵۶

۶۹: بحوالہ جی۔ ڈبلیو چودھری، ص۔ ۱۵۶

۷۰: ایضاً، ص۔ ۱۵۵

۷۱: ایک عینی شاہد نے مصنف کو یہ اطلاعات فراہم کیں۔

۷۲: اداکار (ہفت روزہ زندگی) حمود الرحمٰن کمیشن میں ولی خان کا بیان، ص - ۱۵ - ۱۷

۷۳: ان ساتھیوں سے مراد جنرل حمید، پیرزادہ، گل حسن اور عمر ہیں -

74 Wayne Wilcox, p-21. Also see Herbert Feldman, pp. 112-113. Rebert Jackson, pp-26-27, and G.W. Choudhury, p. 155.

۷۵: تاج الدین احمد کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی تصنیف **"Pakistan Divided"**

۷۶: ملاحظہ ہو مشرقی پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا مراسلہ، ۳ مارچ ۱۹۷۱ء

۷۷: **The Dawn**، ۱۸ فروری ۱۹۷۱ء

۷۸: **The Washington Post**، ۳ مارچ ۱۹۷۱ء

۷۹: **The Daily Telegraph**، ۴ مارچ ۱۹۷۱ء

۸۰: **The White Paper**، ص - ۲۹

۸۱: ملاحظہ ہو امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان، پروفیسر غلام اعظم کا انٹرویو، روزنامہ "جسارت" کراچی - ۲۷ نومبر ۱۹۷۲ء

۸۲: پاکستان آنے والے بنگالیوں کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں -

۸۳: **White Paper** ص ۳۱ - تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو عینی مشاہدات پر مبنی مسعود مفتی کی تصنیف "لمحے" -

۸۴: **The Daily Telegraph London**، ۹ مارچ ۱۹۷۱ء

۸۵: **The Dawn**، ۸ مارچ ۱۹۷۱ء

۸۶: ایضاً -

۸۷: **The Daily Telegraph**، ۴ مارچ ۱۹۷۱ء

۸۸: ایضاً -

۸۹: **White Paper**، ص - ۳۳

۹۰: ایضاً -

91 See: Washington Post, Washington Evening Star (12 May 1971) New York Times (12 May) Economic Review, Hong Kong (24 April) and Ceylon Daily News (15 May 1971).

92. David Loshak, op.cit p-99

۹۳: ایضاً، ص ۔ ۱۰۰ ۔

۹۴: ایضاً مزید ملاحظہ ہو ڈاکٹر حسن زمان کی تصنیف
"East Pakistan Crisis and India" ، ص ۔ ۳

۹۵: یہ کمیشن، بھٹو حکومت نے ۱۹۷۲ء میں قائم کیا تھا اور اس کا مقصد مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کی وجوہ کی تحقیقات کرنا تھا۔کمیشن کے سربراہ اس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان، جسٹس حمود الرحمٰن تھے ۔

۹۶: بحوالہ اداکار (ہفت روزہ زندگی) ، ص ۷۱ ۔

۹۷: The Time Magazine ، ۵ مارچ ۱۹۷۱ء، ص ۔ ۲۱ ۔

۹۸: ایضاً ۔

۹۹: The Pakistan Observer, ، ۱۱ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۰۰: نوائے وقت، ۱۴ مارچ ۱۹۷۱ء ۔ چنانچہ یوں قیوم لیگ اور پی پی پی کے علاوہ قومی اسمبلی میں نمائندگی رکھنے والی مغربی پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے مجیب کے لئے اپنی حمایت کا اعلان کیا ۔

۱۰۱: ایضاً ۔ مزید ملاحظہ ہو روزنامہ "جسارت" کراچی ۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۷ء میں احمد سعید قریشی کا مضمون "پاکستان کا قاتل کون؟"

۱۰۲: The Dawn ، ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء

103. David Dunbar, "Pakistan: The Failure of Political Negotiations," Asian Survey, May 1972, p–458

۱۰۴: بحوالہ جی ۔ ڈبلیو چودھری ص ۱۴۵

۱۰۵: The Dawn ، ۱۶ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۰۶: Weekly Current ، کراچی ، ۱۱ تا ۱۸ دسمبر ۱۹۷۷ء

۱۰۷: پروفیسر غلام اعظم مشرقی پاکستان کی جماعت اسلامی کے امیر تھے ۔

108. Herebert Feldman, p–114.

۱۰۹: The Pakistan Times, ، ۲۷ مارچ ۱۹۷۱ء ۔

110. David Dunbar, op.cit p–457

۱۱۱: ایضاً ۔

۱۱۲: White Paper ص ۱۹ ۔ ۲۰ (یہ مسودہ وائٹ پیپر کے جدول 'ای' میں دیا گیا ہے)

۱۱۳: "جسارت" کراچی، ۱۷ دسمبر ۱۹۷۷ء

114 " Prelude to and Order for Genocide" by Rahman Sobhan, Manchester Guardian, 5 June 1971. Also see Dawn, 25 March 1971.

115 "Negotiation for Bangladesh – A Practical View", by Rahman Sobhan South–Asian Review, July 1971 . Also see Bangladesh Documentation, Ministry of External Affairs, Delhi 19 II, Further see Article by Rahman Sobhan in Manchester Guardian, 5 June 1970.

۱۱۶: بحوالہ زیڈ ۔ اے بھٹو، ص ۔ ۴۱

117. David Loshak, op cit., p–56

۱۱۸: بحوالہ زیڈ ۔ اے بھٹو، ص ۔ ۴۳

۱۱۹: The Time نیویارک، ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۲۰: بحوالہ جی ۔ ڈبلیو چودھری، ص ۔ ۱۶۹ ۔

۱۲۱: مسودہ وائٹ پیپر میں موجود ہے ۔

۱۲۲: تاج الدین احمد کے بیان کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی تصنیف "Pakistan, Divided" ۔

۱۲۳: ہفت روزہ Viewpoint, لاہور کے مدیر مظہر علی خان نے جو ان دنوں ڈھاکہ میں تھے، بعد ازاں ایک مقام پر تحریر کیا ہے کہ ہمیں جلد ہی یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ یحییٰ خان اور اس کے ترجمان پی پی پی کو معاہدے کے بارے میں غلط معلومات مہیا کررہے ہیں ۔ اسی طرح عوامی لیگ کو بھی پی پی پی کا مؤقف توڑ مروڑ کر پہنچایا جارہا ہے ۔ ۱۹ نومبر ۱۹۷۲ء

۱۲۴: The Pakistan Observer ، ۱۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

۱۲۵: بحوالہ ظفر اللہ خاں، ص ۔ ۱۳۱ ۔

126. Wayne Wilcox, op.cit., pp–19–22

127. David Dunbar, op ci.t, p–444

۱۲۸: The Pakistan Times (راولپنڈی) ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۲۹: White Paper ، ص ۔ ۲۷

۱۳۰: یہ اطلاع ایک عینی شاہد نے مصنف کو فراہم کی ۔

۱۳۱: The Daily People ڈھاکہ، ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۳۲: The Daily People ، ۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۳۳: "مساوات" ۳ اپریل اور "نوائے وقت" ۲ اپریل ۱۹۷۱ء

۱۳۴: The Indian Nation (بمبئی) ۷ اپریل ۱۹۷۱ء

۱۳۵: The Pakistan Observer, (ڈھاکہ) ۲۰ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۳۶: The Morning News, (کراچی) ۲۷ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۳۷: Weekly Current (کراچی) ۱۱ ۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۷۰ء

۱۳۸: Statesman (نیو دہلی) ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء ۔ ملاحظہ ہو بھٹو کا کلدیپ نیر کو انٹرویو اور قومی اسمبلی میں بیان ۔ ۱۴ اپریل ۱۹۷۲ء

۱۳۹: پروفیسر غلام اعظم نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ بھٹو نے ان سے ایک علیحدہ ملاقات میں اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ انہوں نے یحییٰ خان کو محدود پیمانے پر فوجی کارروائی کی تجویز پیش کی تھی ۔ ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" (لاہور) ۲۵ ستمبر، ۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء، ص ۱۶ ۔

140. Interview of Mr. John Wilkinson, British M.P., The Telegraph and Argus, London, 17 September 1971.

۱۴۱: The Bangladesh Observer (ڈھاکہ) ۱۹ جنوری ۱۹۷۲ء (ملاحظہ ہو مجیب کی تقریر)

۱۴۲: ایضاً ۔

۱۴۳: ۱۹ جنوری ۱۹۷۲ء کو عوامی لیگ کونسل کے اجلاس میں مجیب کی تقریر ۔

۱۴۴: Illustrated Weekly of India، ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء، ص ۔ ۳۵ اور ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء، ص ۔ ۲۲

145. Muhammad Ayoob and A.K. Subrahmanyam, The Liberation War, pp. 151–52.

۱۴۶: بحوالہ محمد ظفر اللہ خان، ص ۔ ۱۴۱ ۔

147. The New York Times, Yahya Khan Speaks 29. September 1971

۱۴۸: تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر غلام اعظم کا انٹرویو۔ "اسلامی جمہوریہ"، ص ۔ ۱۷ ۔

۱۴۹: ایضاً ۔

150. Wayne Wilcox, op. cit., p –29
151. The Tablet, London, 19 June 1971 (See "Genocide by Terrorism")

باب ٦

بھارتی مداخلت

پاکستان کے اندرونی معاملات میں بھارت کی مداخلت کے عمل کو سمجھنے کے لیے اس کے صحیح تاریخی پس منظر کا مطالعہ ضروری ہے ۔ پاکستان کے خلاف بھارت کے عناد کا اصل سبب ہندوستان کو متحد رکھنے میں کانگرسی قیادت کی کوششوں کی ناکامی تھا ۔ ہندوؤں کے لیے پاکستان کی تخلیق دراصل بھارت ماتا کو لخت لخت کرنے کے مترادف تھی ۔ اسی لیے انہوں نے تقسیم ہند کے نظریے کو کبھی بھی دل سے قبول نہ کیا ۔ ''اکھنڈ بھارت'' کا خواب ہمیشہ سے ان کا اجتماعی آدرش رہا تھا ۔ چنانچہ پاکستان میں پیدا ہونے والے ۱۹۷۱ء کے بحران نے بھارت کو اپنی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لیے بہتر موقع فراہم کر دیا ۔ بھارت کو یقین تھا کہ ''ایسا موقع دوبارہ نہیں آئے گا''(۱) ۔ چنانچہ اس صورت حال سے فائدہ اُٹھانے کے لیے بھارت نے تمام مسلّمہ اقدار کو خیرباد کہہ دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بھارت نے تقسیم کو اس امید کے ساتھ قبول کیا تھا کہ پاکستان کی نوزائیدہ ریاست حالات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور ''تھوڑے ہی عرصہ میں'' دم توڑ جائے گی (۲) ۔ جواہر لال نہرو نے کہا کہ پاکستان کی تخلیق ایک عارضی اقدام ہے اور یہ آخر کار متحدہ ہندوستان پر منتج ہو گی (۳) ۔ جوزف کاربل سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا ''پاکستان ناقابلِ عمل مذہبی نظریے کی حامل

قرونِ وسطیٰ کی ایک ریاست ہے (۴) ۔ ایک وقت آئے گا کہ بھارت کے ساتھ اس کا الحاق ضروری ہو جائے گا"۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے ۱۴، جون ۱۹۴۷ء کو ایسے ہی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی قرارداد میں کہا تھا "ہندوستان کی صورت گری اس کے جغرافیے ، پہاڑوں اور سمندروں نے کی ہے اور کوئی انسانی کوشش اس کی ہیئت میں تبدیلی نہیں کر سکتی ، نہ اس کی حتمی منزل کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے ۔ ہندوستان کا جو نقشہ ہمارے خوابوں کی سرزمین ہے وہ ہمارے دلوں اور دماغوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا ۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی دیانتداری سے یہ سمجھتی ہے کہ جب جذبات کا یہ طوفان کم ہو گا تو ہندوستان کے مسئلے کا اس کے صحیح پس منظر میں جائزہ لیا جا سکے گا اور دو قوموں کے باطل نظریے کا کوئی حامی نہیں مل سکے گا" (۵) ۔ آل انڈیا کانگرس کی یہ قرارداد پاکستان کے ساتھ ہندوستانی رہنماؤں کے رویّے پر ہمیشہ سایہ فگن رہی ۔ اس قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا "تقسیم کے عمل سے صرف ہندوستان کا نقشہ متاثر ہوا ہے لوگوں کے دل تقسیم نہیں ہوئے اور مجھے یقین ہے کہ یہ تقسیم عارضی ثابت ہو گی" (۶) ۔ گاندھی نے کہا "کانگرس پاکستان کی مخالف تھی اور وہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے ہندوستان کی تقسیم کی ثابت قدمی سے مخالفت کی" (۷) :

قیامِ پاکستان کے بعد بھی بھارتی رہنما "متحدہ ہندوستان" کا راگ الاپتے رہے۔اس وقت کے کانگرس کے صدر ، اچاریہ کرپلانی نے کہا کانگرس اور قوم دونوں متحدہ ہندوستان کے دعوے سے دستبردار نہیں ہوئے ۔ پٹیل دُور کی کوڑی لائے "جلد یا بدیر ہم سب اپنی ارضِ وطن کی خدمت کے لیے متحدہ ہو جائیں گے" (۸) ۔ ۳۰ نومبر کو مغربی پاکستان کی سرحد پر محاذِ جنگ کھولنے سے چند گھنٹے قبل ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے اندرا گاندھی نے نہایت جذباتی انداز میں پاکستان کے وجود کو چیلنج کیا ۔ انہوں نے کہا "بھارت نے پاکستان کے وجود کو کبھی تسلیم نہیں کیا ۔ بھارتی رہنماؤں کا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے کہ پاکستان کی تخلیق ایک غلط اقدام تھا اور پاکستانی قوم کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں" (۹) ۔ جنوبی ایشیائی برِ عظیم کے تمام غیر ملکی ماہرین اس امر پر متفق ہیں کہ "ہندو

رہنماؤں نے پاکستان کی نوزائیدہ ریاست کا گلا گھونٹنے کے لیے ہر وہ اقدام کیا جو اُن کے اختیار میں تھا" (۱۰) ۔ نراد سی چودھری اس موقف کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۰ء تک پاکستان کو اپنی نشیب و فراز سے بھرپور زندگی میں بھارت کی مسلسل معاندانہ پالیسی کا سامنا کرنا پڑا اور یہ پالیسی ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد اپنی انتہا کو پہنچ گئی ۔ اس کے بعد بھارت عملی اقدام کے لیے صرف مناسب حالات کی تلاش میں تھا جو روسی امداد کی شہ ملتے ہی اسے میسّر آ گئے اور بھارت نے وار کرنے میں دیر نہیں کی (۱۱) ۔ بھارتی پارلیمنٹ کے رکن سبرامنیم سوامی نے کھلے الفاظ میں اعتراف کیا "بھارت کا سوادِ اعظم ہندوستان کی تقسیم کو کالعدم کرنے کے حق میں ہے ۔ بھارتی قوم پرست بچے کھچے پاکستان کو بھی توڑنا چاہتے ہیں ۔ اکھنڈ بھارت کا حصول اسی طرح ممکن ہے" (۱۲) ۔ بھارتی عوام کے ذہنوں میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ پاکستان کو توڑے بغیر بھارت سپرپاور کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا (۱۳) ۔ ہندوستانی وزیر شکلا کے اس بیان کو "مجیب الرحمٰن ہندوستان کی جنگ لڑ رہا ہے" (۱۴) ۔ اسی پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے ۔ سورن سنگھ کے بقول "ہر بھارتی مشرقی بنگال میں اپنے ہمسایوں اور بھائیوں کی جدوجہد میں برابر کا شریک تھا" (۱۵) ۔ بھارت کے عزائم کا اندازہ جن سنگھی رہنما ٹھاکر پرشاد کے اس انٹرویو سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے مشرقی افریقہ کے نامہ نگار کو دیا تھا ۔ ٹھاکر پرشاد نے کہا "ہم اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک پاکستان تباہ ہو کر بھارت کا حصّہ نہیں بن جاتا" (۱۶) ۔

مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی اور شیخ مجیب الرحمٰن کی گرفتاری پر بھارت نے فوری ردِّعمل کا اظہار کیا ۔ "بھارتی خوش تھے کہ ان کا دُشمن پاکستان مصیبت میں مبتلا ہے" (۱۷) ۔ بنگالی تارکینِ وطن کی آمد پر بھارت کی تشویش کو بجا قرار دیا جا سکتا ہے ، مگر حقیقت یہ ہے کہ ۲۷، مارچ کو جب بھارتی وزیرِ اعظم اندرا گاندھی نے سرکاری طور پر بنگالیوں سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا تو اس وقت تک ایک بھی بنگالی مہاجر سرحد پار کر کے بھارت نہیں پہنچا تھا ۔ بھارتی مداخلت کے پسِ پشت کارفرما عزائم اور جذبات کا اظہار ۲۷، مارچ کو لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں اندرا گاندھی کے خطاب سے ہوتا ہے ۔ انہوں نے کہا "مشرقی بنگال میں حالات بدل چکے ہیں ۔ ہم نے نئی صورتِ حال کو خوش آمدید کہا ہے ۔ ہم حالات پر

مسلسل نظر رکھے ہوئے ہیں اور ہم نے ممکنہ حد تک رابطہ قائم رکھا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ معزز ممبران بخوبی سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر حکومت کے لیے اس سے زیادہ کہنا ممکن نہیں ۔ میں ان فاضل اراکین کو جنہوں نے سوال کیا ہے کہ کیا فیصلے بروقت کیے جائیں گے ، یقین دلانا چاہتی ہوں کہ اس وقت ہمارے لیے اہم ترین کام یہی ہے ۔ اس مرحلے پر ہمارا ردِّ عمل صرف نظری نہیں ہونا چاہیے" (۱۸) ۔ مختصراً مشرقی بنگال میں اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ بھارتی حکومت مناسب وقت پر عملی اقدامات سے گریز نہیں کرے گی ۔ وقت آنے پر اندرا گاندھی نے اپنے الفاظ کو سچ کر دکھایا ۔

۳۱، مارچ کو بھارتی پارلیمنٹ نے ایک قرارداد کے ذریعے مشرقی پاکستان کے واقعات پر شدید غم و غصہ اور تشویش کا اظہار کیا ۔ ایوان نے اس یقین کا اظہار کیا کہ "مشرقی پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام کی تاریخی جدوجہد فتح سے ہمکنار ہو گی"۔ اور بنگالی تحریک کے لیے بھرپور مدد کی پیش کش کی (۱۹) ۔ کانگرس کی پارلیمانی پارٹی کے بعض اراکین کے جذبات کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے اور پاکستان کے خلاف اعلانِ جنگ کا مطالبہ کیا (۲۰) ۔ تاریخ کسی خودمختار ملک کے اندرونی معاملات میں کسی دوسرے ملک کی طرف سے ایسی دلیرانہ علی الاعلان مداخلت کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے (۲۱) ۔ ان ایام میں آل انڈیا ریڈیو سے یہ خبر مسلسل نشر ہوتی رہی کہ مجیب الرحمٰن نے اعلانِ آزادی کر دیا ہے اور بنگلہ دیش کا قیام عمل میں آ چکا ہے ۔ اس موقع پر پاکستان نے اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت پر احتجاج کیا جسے بھارت نے ۲۸، مارچ کو مسترد کر دیا ۔ وسط اپریل میں حکومتِ پاکستان نے دعویٰ کیا کہ مشرقی پاکستان میں صورتحال بہتر ہو چکی ہے ۔ سفارت کاروں نے ڈھاکہ اور چٹاگانگ کا دورہ کیا اور بی۔بی۔سی نے اعتراف کیا کہ مشرقی پاکستان میں زندگی معمول پر آ چکی ہے (۲۲) ۔ مگر یہ خاموشی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھی ۔ فوجی کاروائی نفرت کے سیلاب پر عارضی بند ثابت ہوئی اور اس نے پاکستان دوست عناصر کو بھی علیحدگی پسند بنا دیا ۔ عوام صورتِ حال سے اس قدر مایوس ہو چکے تھے کہ "وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے شیطان کو بھی گلے لگانے کے لیے تیار تھے" (۲۳) ۔ جنرل حمید ، جنرل پیرزادہ اور جنرل عمر اور دوسرے فوجی حکمرانوں کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان

کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل کر لیا گیا ہے ۔ فوجی حکومت نے جسٹس کارنیلس کو ایک ایسے آئین کی تیاری کا کام سپرد کیا جس میں مشرقی پاکستان کو بعض حدود میں رہتے ہوئے خود مختاری دی گئی ہو (۲۴) ۔ اس صورتحال پر ایک مصری صحافی کا یہ تبصرہ "پاکستان کا برسراقتدار طبقہ اپنی ناک سے آگے نہیں دیکھ سکا" (۲۵) ۔ ہر اعتبار سے درست تھا ۔ کئی سیاسی مبصرین نے اس موقع پر مشرقی پاکستان کے افق پر امنڈنے والے طوفان کی نشاندہی کی ۔

فوجی کاروائی کے دوران میں بھارتی مداخلت کے ناقابل تردید شواہد منظر عام پر آئے ۔ کئی مقامات سے بھارتی اسلحہ اور گولہ بارود کی برآمدگی محض پروپیگنڈہ نہیں تھی (۲۶) ۔ بعد ازاں اس امر کے واضح ثبوت بھی ملے کہ سادہ کپڑوں میں ملبوس بھارتی فوجی بڑی تعداد میں مشرقی پاکستان میں داخل ہوئے تھے (۲۷) ۔ ایک معروف بھارتی مبصر نے انکشاف کیا کہ "انڈین بارڈر سیکورٹی فورس کو باغیوں کو مدد کے لیے سپاہی اور اسلحہ بھیجنے کی اجازت دے دی گئی تھی اور بھارتی فوج کو ہر طرح کی صورت حال سے نمٹنے کی ہدایات جاری کی جا چکی تھیں (۲۸) ۔ دراصل عوامی لیگ کے رہنما بہت پہلے سے بھارتی حکومت سے قومی رابطہ قائم کیے ہوئے تھے ، اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لیے سرگرم تھے (۲۹) ۔ کلدیپ نیر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ بنگلہ دیش کے رہنماؤں نے یحییٰ خان کے ساتھ اپنے مذاکرات ناکام ہونے کے فوراً بعد ہی بھارتی حکومت سے رابطہ قائم کر لیا تھا (۳۰) ۔

تقسیم کے بعد پاکستان کی سیاسی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ بھارتی حکومت نے ایک لمحہ کے لیے بھی پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا (۳۱) ۔ چنانچہ اس نے پاکستان میں ہر اس تحریک کی حمایت کی جس کا مقصد پاکستان کی سالمیت اور یک جہتی کو گزند پہنچانا تھا ۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے دگرگوں حالات نے وہ زریں موقع فراہم کر دیا جس کا بھارت کو برسوں سے انتظار تھا ۔ بھارتی پارلیمنٹ کے رکن سبرامنیم سوامی نے پاکستان کے بارے میں بھارتی رویے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے "حالات کے معروضی مطالعہ سے ظاہر ہو گا کہ بھارت نے پاکستان کو مہاجرین کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا ۔ یہ ایک لغو تصور ہے ۔ بھارت نے پاکستان کے خلاف جنگ کا آغاز قوم پرستوں کی تشفی اور اس معقول نقطۂ نظر کے پیش نظر کیا تھا کہ پاکستان کی تقسیم بھارت کے طویل

المیعاد مفاد میں ہے(۳۲)۔

بھارت نے پروپیگنڈہ کے محاذ پر بھی پاکستان سے سبقت لے جانے میں کامیابی حاصل کی ۔ اس نے صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور غیر ملکی پریس کی مدد سے خود کو بنگالیوں کے نجات دہندہ کے طور پر پیش کیا ۔ بھارت کی بہتر پروپیگنڈہ مشینری کے علاوہ کئی اور عوامل بھی پاکستان کے لیے کامیابی سے اپنا مؤقف پیش کرنے کی مساعی میں رکاوٹ کا باعث بنے ۔ ان میں سے بعض عوامل یہ تھے ۔ (۱) بھارت سب سے بڑا ایشیائی جمہوری ملک تھا جبکہ پاکستان میں فوجی حکومت قائم تھی ۔ (۲) مغرب میں ذرائع ابلاغ کے بڑے حصے پر قابض صہیونی لابی نے بھارت کا کھل کر ساتھ دیا ۔

دراصل تل ابیب (اسرائیل) نے مغربی دنیا میں بسنے والے اپنے پیروکاروں کو یہ پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ بنگالی علیحدگی پسندوں کی اخلاقی اور مادی مدد کریں اور اس ضمن میں بھارت سے تعاون کریں (۳۳) ۔ (۳) سیاسی مسائل کے حل کے لیے فوجی کارروائی کے خلاف عمومی نفرت (۴) عوامی لیگ کے رہنماؤں کے غیر ملکی نامہ نگاروں سے ذاتی مراسم اور سب سے بڑھ کر (۵) فوجی حکومت کا غیر ملکی نامہ نگاروں کے ساتھ غیر دانش مندانہ سلوک اور ڈھاکہ کی فوجی انتظامیہ کی طرف سے انہیں شہر چھوڑ دینے کا حکم ۔

غیر ملکی نامہ نگاروں کی ذاتی رنجش اور غصے کا عکس "فوجی کاروائی کے بارے میں ان کی مبالغہ آمیز رپورٹنگ" میں بخوبی دیکھا جا سکتا تھا (۳۴) ۔ جنرل ٹکا خاں کا یہ کہنا غلط نہیں تھا کہ "دنیا آج بھی یہ سمجھتی ہے کہ آغاز ہماری طرف سے ہوا ۔ یہ تاریخ کے ساتھ سنگین ترین مذاق ہے ۔ مجیب الرحمٰن بہرصورت طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے ، جس کے نتیجے میں جنم لینے والے تصادم میں بنگالی ہلاک شدگان کی تعداد کو ہزار فی صد اور بعض اوقات اس سے بھی بڑھ کر پیش کیا گیا ۔ مجیب الرحمٰن کہتا ہے کہ فوجی کاروائی کے دوران میں آبروریزی کے دو لاکھ ۲۰ ہزار واقعات رونما ہوئے ، جبکہ ایک رومن کیتھولک تنظیم کے مطابق جس کا ذکر اخبارات نے مناسب نہیں سمجھا ، یہ تعداد چار ہزار تھی ہمیں پروپیگنڈہ کا شکار بنایا گیا ہے" (۳۵) ۔ فوجی کارروائی کے بعد عوام کے جذبات اس بری طرح بھڑک چکے

تھے کہ عوامی لیگ کی پروپیگنڈہ مشینری نے حقائق اور صداقت کو دبا دیا ۔ جذبات کا یہ طوفان تھمنے کے بعد غیر ملکی اخبارات میں مشرقی پاکستان میں ہلاک شدگان کی مبالغہ آمیز تعداد کے بارے میں تردیدی رپورٹیں شائع ہونے لگیں ۔ ایسی ہی ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ "میں نے بنگلہ دیش کا تفصیلی دورہ کیا ہے اور دیہی عوام اور دیہی کارندوں سے بے شمار ملاقاتوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تیس لاکھ افراد کی ہلاکت کا دعویٰ لغو اور مبالغہ آمیزی ہے ۔ بنگلہ دیش کی وزارتِ داخلہ نے مارچ میں تحقیقات کی تو شہریوں نے پاکستانی فوج کے ہاتھوں تقریباً ۲ ہزار افراد کی ہلاکت کی اطلاعات فراہم کیں" ۳۶ ۔

اس دور کی جنگ میں پروپیگنڈہ کو نفسیاتی ہتھیار کے طور پر غیر معمولی اہمیت حاصل ہو چکی ہے ۔ بھارت نے اس حقیقت کے پیش نظر اپنی پروپیگنڈہ مشینری کو نہایت مہارت اور کامیابی سے استعمال کیا ۔ اس نے نہ صرف بنگلہ دیش کے کاز کے لیے دنیا بھر کی ہمدردیاں جیت لیں بلکہ عالمی رائے عامہ کو بے بنیاد خبروں اور خود ساختہ داستانوں کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا ۔ مثال کے طور پر آل انڈیا ریڈیو نے اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان میں پٹ سن کی تیاری اور برآمدات سمیت تمام اقتصادی سرگرمیاں مکمل طور پر معطل ہو چکی ہیں جبکہ ڈیلی ٹیلیگراف (۳۷) کے ڈپلومیٹک نمائندے نے اپریل میں اپنے اخبار کو یہ رپورٹ ارسال کی کہ پٹ سن کی ملوں میں کام بدستور جاری ہے اور برآمدات کا سلسلہ بحال ہو چکا ہے ۔ اسی طرح آل انڈیا ریڈیو نے متعدد پروفیسروں کی ہلاکت کی خبر نشر کی جس کی تردید ان پروفیسروں نے خود ڈھاکہ ٹیلیویژن پر آ کر کی (۳۸) ۔ پروفیسر رحمان سبحان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہیں پاکستانی فوج نے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے ۔ مگر بعد ازاں پتہ چلا کہ وہ امریکہ میں زندہ و سلامت موجود ہیں (۳۹) ۔ بھارت نے ایک منظم منصوبے کے تحت یہ مبالغہ آمیز خبریں پھیلائیں کہ مشرقی پاکستان سے ہندوؤں کو باہر دھکیلا جا رہا ہے اور یہ کہ وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ کر آ رہے ہیں ۔ غیر ملکی اخبارات نے ہندو اساتذہ اور دانشوروں کے قتل عام کو خاص طور پر نمایاں انداز میں شائع کیا تھا ، لیکن مشرقی پاکستان کے ایک سابق سیکرٹری تعلیم نے ۱۹۷۵ء میں انکشاف کیا کہ مارچ کی کاروائی کے فوراً بعد تمام ہندو پروفیسر اور استاد اپنی ڈیوٹیوں پر واپس آ گئے تھے ، اور یہ کہ حکومت

نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے ۲۵ ہندو پروفیسروں کے مطالبے پر انہیں تحفظ فراہم کیا تھا (۴۰)۔ بھارت نے تخریب کاروں کو اسلحے کی فراہمی کے الزام کو بار بار غلط قرار دیا، مگر پاکستانی فوج کاروائی کے دوران میں کئی مقامات سے اسلحہ اور گولہ بارود برآمد کرنے میں کامیاب ہوئی (۴۱)۔ کلکتہ ریڈیو سٹیشن سے مشرقی پاکستان سے فرار ہونے والے پروفیسروں کے لیے شاندار ملازمتوں کا اعلان کیا گیا۔ راجشاہی یونیورسٹی اور زرعی یونیورسٹی میمن سنگھ کے ۸۳ فیصد اساتذہ نے بھارتی پروپیگنڈے کی اس مہم کی بھرپور مذمت کی (۴۲)۔ مگر یہ تمام حقائق بھارتی پروپیگنڈہ کے اثرات کو زائل نہ کر سکے۔ بنگلہ دیش کی تحریک اب ایک قانونی اور اخلاقی جدوجہدِ آزادی کا رُخ اختیار کر چکی تھی جس کے نتیجے میں دنیا بھر کے دانشور، سماجی بہبود کی تنظیمیں اور سیاستدان کھلم کھلا پاکستان کی مخالفت پر اتر آئے۔ پاکستان کے خلاف تعصب کو فروغ دینے کے لیے یہ حقیقت کافی تھی کہ بنگالیوں کے منتخب رہنما مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور ان کی قوم پرستانہ تحریک کو فوجی طاقت کے زور پر نہایت بے دردی سے کچلا جا رہا ہے۔ مشرقی پاکستان میں ہونے والے واقعات کی حقیقی تصویر سے کوئی باخبر نہ تھا۔ غیر ملکی اخبارات میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں بتائی گئی جو کہ بلاشبہ مبالغہ آمیز تھی۔ عجیب تر بات یہ تھی کہ پنجاب کو تمام تنقید اور نفرت کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ حالانکہ فوجی حکومت کے فیصلہ ساز کرداروں یا مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے رہنماؤں میں سے کسی کا تعلق پنجاب سے نہ تھا۔

مارچ اور اپریل میں انتہا پسندوں اور بھارتی تخریب کاروں کی پیدا کردہ دہشت کے نتیجے میں مشرقی پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد سرحد عبور کر کے بھارت چلی گئی۔ عوامی لیگ اور بھارتی حکومت کے پروپیگنڈے سے متاثر مغربی پریس نے پاکستانی فوج پر "قتلِ عام" کا الزام تو عائد کیا مگر کسی نے یہ سوال نہ کیا کہ مغربی پاکستانی تاجروں، صنعتی کارکنوں، سرکاری ملازموں اور دیہی علاقوں میں متعین فوجی افسروں کا قاتل کون تھا۔ اگر مہاجروں کی نقلِ مکانی کی وجہ پاک فوج کے مظالم تھے تو مارچ اور اپریل کے درمیان بے شمار مغربی پاکستانیوں نے سرحد پار کر کے بھارتی جیلوں میں سڑنے کو کیوں ترجیح دی؟ پاکستانی فوج کی زیادتیاں اپنی جگہ، لیکن شہری آبادی کو بھارت میں پناہ لینے پر مجبور کرنے کا بنیادی سبب

عوامی لیگی غنڈوں اور بھارتی تخریب کاروں کا وہ دہشت انگیز رویہ تھا جس کی مذمت بعد میں خود بنگالی رہنماؤں نے کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بھارتی ذرائع ابلاغ کی گھڑی ہوئی روح فرسا داستانوں اور واقعات کی دہشت ناک تصویر سے خوفزدہ ہو کر اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے(۴۳)۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے فوج کے سرحدی علاقوں پر پہنچنے سے پہلے بینکوں کو لوٹا ، گندم ، چاول اور پٹ سن کی بڑی مقدار سمگل کر کے کلکتہ پہنچائی اور متعدد مسلم لیگی رہنماؤں ، سابق اراکین اسمبلی اور پارلیمانی سیکرٹریوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے؟ ظاہر ہے کہ عوامی لیگ کے تعاون سے تشکیل پانے والے بھارتی پروپیگنڈے کی اس مہم کا منصوبہ فوراً تیار نہیں ہوا تھا ۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ عوامی لیگ نے ہر چیز کی سوچی سمجھی منصوبہ بندی بہت پہلے کر رکھی تھی ۔

فوجی اقدام اور تخریب کاروں کی کارروائیوں سے پیدا ہونے والی دہشت آمیز فضا کے نتیجے میں تقریباً دو لاکھ ہندو اور مسلمان مشرقی پاکستانی باشندے سرحد پار کر کے مغربی بنگال اور آسام میں داخل ہو گئے ۔ ۲۱، اپریل کو بھارتی حکومت نے اعلان کیا کہ ۲۵۸۷۳۴، مہاجر سرحد پار کر کے بھارت میں آ چکے ہیں ۔ نائیجیریا کی خانہ جنگی کے دوران میں اس کے کسی ہمسایہ ملک نے باغیوں کو اپنی سرحدیں پار کرنے کی اجازت نہیں دی تھی ۔ لیکن بھارت نے جس کے پاس اتنی طاقتور فوج تھی کہ وہ مشرقی پاکستان کو فتح کر سکے ، ان مہاجروں کو کیوں نہ روکا ؟ اس کے برعکس بھارت نے مہاجروں کے لیے کیمپ قائم کیے ، انہیں ملازمتیں مہیا کیں اور انہیں پاکستان کے خلاف لڑنے کے لیے فوجی تربیت دلائی ۔ مہاجروں کے مسئلے کو پاکستان پر حملے کے لیے ایک بہانے کے طور پر استعمال کیا گیا (۴۴) ۔ بھارتی رویے کی وضاحت میں انڈین انسٹی ٹیوٹ فار ڈیفنس سٹڈیز کے ڈائریکٹر کا بیان خاص طور پر توجہ طلب ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ "بھارتی حکومت نے بڑے غور و فکر کے بعد اپنی سرحد بند کرنے کی بجائے مہاجروں کو اپنے ملک میں در آنے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا ۔ ایک لحاظ سے یہ فیصلہ بنگلہ دیش کی آزادی کے بارے میں بھارتی ہمدردیوں کا عکاس تھا ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بنگلہ دیش میں مزاحمت کی تحریک کو برقرار رکھنا دشوار ہو جاتا" (۴۵) ۔ کیا یہ بیان بھارت کے حقیقی عزائم کی نشاندہی کے لیے کافی نہیں؟ اس امر میں شک کی بہت کم گنجائش ہے کہ

بھارت نے بہت پہلے ہر چیز کی منصوبہ بندی کر رکھی تھی ۔ مہاجروں کے مسئلے کو مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت کے لیے محض بہانہ بنایا ۔ بھارتی حکومت نے پاکستان کی ہر اس کوشش کو ناکام بنا دیا جس کا مقصد اس مسئلے کو خوش اسلوبی سے نپٹانا تھا ۔

اس کے برعکس ۱۹۷۴ - ۷۵ء کے دوران میں بھارت کے سرحدی دستوں نے کم از کم ۳۹۰۰۰، افراد کو جو سرحد پار کرنے کی کوشش کر رہے تھے واپس بنگلہ دیش دھکیل دیا (۴۶) ۔ بھارتی حکومت نے اعلان کیا کہ لاکھوں بنگلہ دیشی بھارت میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے جن میں سے ایک بڑی تعداد سرحد پار کرنے میں کامیاب ہو گئی ۔ کلکتہ کے اخبارات کے مطابق ان مہاجروں کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی ۔ بھارتی حکومت نے امید ظاہر کی کہ بنگلہ دیش اپنے شہریوں کو بھارت میں داخل ہونے سے روکنے اور تمام مہاجرین کی واپسی کے کام میں تعاون کرے گا (۴۷) ۔ بھارتی حکومت کا یہ بیان اس لحاظ سے حیرت انگیز تھا ، کہ ۱۹۷۱ء میں مہاجرین کو خوش آمدید کہنے والا ملک ۱۹۷۴ - ۷۵ء میں اپنے دیرینہ مہمانوں کی واپسی پر کیوں مُصر تھا؟

مہاجرین کیمپوں میں بھارتی رضاکاروں نے یہ پروپیگنڈہ پوری شدت سے کیا کہ اگر مہاجروں نے اپنے وطن واپس جانے کی کوشش کی تو انہیں وہاں موت کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ اس پروپیگنڈے کے علی الرغم واپسی پر آمادہ مہاجرین کو زبردستی بھارت میں روک لیا گیا ۔ جان بچا کر واپس پہنچنے والے مہاجرین نے انکشاف کیا کہ بھارتی فوج نے ان کے قافلوں پر فائرنگ سے بھی دریغ نہیں کیا (۴۹) ۔ خود اندرا گاندھی نے فرانسیسی ٹیلی ویژن سے ۸، نومبر ۱۹۷۱ء کو ایک انٹرویو میں اعتراف کیا کہ مشرقی پاکستان کے مسئلے کا حل "بنگلہ دیش کی آزادی" کے سوا کچھ نہ تھا ۔ آزاد بنگلہ دیش ایک ناگزیر حقیقت تھا ۔۔۔ بھارت مجیب الرحمٰن کی رہائی تک مہاجرین کی واپسی کی اجازت نہیں دے سکتا تھا (۵۰) ۔ پاکستان کے خلاف جنگ بھارتی حکمت عملی کے "قومی مفاد" کا حصہ تھی (۵۱) ۔ عالمی رائے عامہ کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے بھارت نے یہ مطالبہ پورے زور شور سے جاری رکھا کہ پاکستان مہاجرین کی واپسی کو ممکن بنانے کے لیے سیاسی فضا تیار کرے لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ بھارتی حکومت بہت دیر پہلے

مشرقی پاکستان میں کاروائی کی تیاریوں میں مصروف تھی اور اس کا منصوبہ تھا کہ اس کاروائی کو مکتی باہنی کے کھاتے میں ڈال دیا جائے (۵۲) ۔ تارکین وطن کو جنگ کرنے کے بہانے اور مکتی باہنی کے گوریلوں کو بھارتی فوج کے "نمائشی روپ" کے طور پر استعمال کیا گیا (۵۳) ۔ جگ جیون رام نے اگست میں وعدہ کیا تھا کہ مہاجرین کو یحییٰ خان کے پاکستان کے بجائے مجیب الرحمن کے آزاد بنگلہ دیش بھیجی جائے گا ۔ یہ وعدہ بالآخر دسمبر ۱۹۷۱ء میں پورا کر دیا گیا ۔ بد قسمتی سے تارکین وطن کو پاکستانی اخبارات اور ریڈیو تک رسائی حاصل نہیں تھی ۔ جس کے نتیجے میں وہ پاکستانی حکومت کی طرف سے عام معافی کے اعلان سے مکمل طور پر بے خبر رہے ۔ علاوہ ازیں مارچ میں جیلوں سے فرار ہو کر سرحد پار کر کے جانے والے گیارہ ہزار قیدی سزا کے خوف سے واپس جانے پر آمادہ نہیں تھے ۔

پاکستان نے براہ راست مذاکرات کے ذریعے مہاجرین کا مسئلہ حل کرنے کی پیش کش کی جسے بھارت نے نامنظور کر دیا ۔ پاکستان کی طرف سے اقوام متحدہ کی نگرانی میں مہاجروں کی واپسی کی پاکستانی تجویز کو بھی مسترد کر دیا گیا ۔ پاکستان نے او تھان کی ثالثی پر بھی رضامندی کا اظہار کیا مگر بھارت نے اسے ماننے سے انکار کر دیا ۔ پاکستان نے پاک بھارت سرحد پر اقوام متحدہ کے مبصرین کی تعیناتی کی تجویز تسلیم کر لی ، مگر بھارت کو اس پر بھی اعتراض تھا ۔ اپنی مؤثر اور منظم پروپیگنڈہ مہم کے نتیجے میں بھارت ایک "مظلوم ، مقہور اور استحصال زدہ" قوم کے حقوق کا چیمپئن بننے میں کامیاب ہو گیا ۔ مہاجروں اور مصیبت زدہ عوام کی مدد کے "خوشنما دعووں" کے پیچھے دراصل پاکستان کے "اندرونی معاملات میں مداخلت کی برسوں پرانی پالیسی" پنہاں تھی (۵۵) ۔ بھارت کا یہ طرز عمل ہر اعتبار سے خطرناک رجحان کی عکاسی کرتا ہے ۔ کیونکہ اس طرح کوئی بھی طاقتور ملک زیادتی کا نشانہ بننے والے عوام کی نجات کو جواز بنا کر اپنے ہمسایہ ملک پر حملہ کر سکتا ہے ۔

بھارت نے مہاجرین کا مسئلہ حالات کو مزید بگاڑنے اور امدادی کاموں کے لیے زیادہ سے زیادہ امداد حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا ۔ مہاجرین کے بارے میں اعداد و شمار بڑھا چڑھا کر پیش کیے گئے ۔ مبالغہ آمیزی کی اس مہم میں

پروپیگنڈہ کے بھارتی ماہرین اکثر تضاد بیانی کا شکار دکھائی دیتے ہیں ۔ مثال کے طور پر بھارتی وزیر اعظم اور ان کی وزارتِ بحالیات کی طرف سے دیے گئے اعداد و شمار میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ مسز گاندھی کے مطابق مشرقی پاکستان سے بھارت میں داخل ہونے والے مہاجروں کی تعداد بیس ہزار سے تیس ہزار فی ہفتہ یعنی ۲۹۰۰، سے ۴۳۰۰ یومیہ تھی ۔ جبکہ وزارتِ بحالیات نے چھ اکتوبر کو اس تعداد کو ۴۰۰۰۰ یومیہ قرار دیا تھا ۔ ان دونوں بیانات میں کم از کم ایک اور دس کی نسبت ہے ۔ بعد ازاں مسز گاندھی نے دعویٰ کیا کہ مہاجرین کی تعداد ایک کروڑ ہے ۔ جبکہ دیہی علاقوں کے تفصیلی سروے کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ مہاجرین کی اصل تعداد بیس اور تیس لاکھ کے درمیان تھی ۔ بصورتِ دیگر بھی بھارت کی مسلسل بمباری اور سرحدوں کی کڑی نگہداشت کے پیش نظر ایک ہفتے میں بیس ہزار مہاجرین کا سرحد پار کرنا ممکن نہیں تھا (٥٦) ۔

مئی ۱۹۷۱ء میں بھارتی انسٹی ٹیوٹ آف ڈیفنس سٹڈیز کے ڈائریکٹر سبرامنیم نے یہ نظریہ پیش کیا کہ "لاکھوں مہاجرین کو غیر معینہ مدت تک پالنے کی بجائے اقتصادی نقطۂ نظر سے بہتر ہو گا کہ بنگلہ دیش کا مسئلہ جنگ کے ذریعے حل کر دیا جائے" (٥٧) ۔ ان کا کہنا تھا کہ مشرقی پاکستان زیادہ دیر تک مزاحمت نہیں کر سکے گا ۔ پاکستان سے جنگ کے دوران بھارتی صنعتیں متاثر نہیں ہوں گی ، اور یہ کہ بنگلہ دیش کے مسئلے کا جنگی حل بھارت کی استعداد سے باہر نہیں ۔ انہوں نے پیش گوئی بھی کی کہ پاک بھارت جنگ کے نتیجے میں چین مداخلت نہیں کرے گا ۔ انہوں نے یقین ظاہر کیا کہ پاکستان کی فوجی حکومت بھارت کے ہاتھوں شکست کو مجیب الرحمٰن کے ساتھ سیاسی سمجھوتے پر ترجیح دیگی ۔ تاہم انہوں نے بھارت کو مغربی محاذ پر اچانک پاکستانی حملے کے امکانات سے خبردار کیا (٥٨) ۔ سبرامنیم کے ان خیالات کو بھارت کے سرکاری حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور نئی دہلی میں ہونے والے کئی فیصلے ان خیالات کے زیرِ اثر کیے گئے ۔

یہاں سبرامنیم کے اس مقالے کا حوالہ غیر ضروری نہ ہو گا جو انہوں نے ایک سیمینار میں پیش کیا ۔ انہوں نے کہا کہ اس حقیقت کا ادراک ضروری ہے کہ پاکستان کا ٹوٹنا ہمارے مفاد میں ہے (٥٩) ۔ انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش میں

جدوجہدِ آزادی کی طوالت بھارت کے لیے سنگین خطرات کا باعث بن سکتی ہے اور یہ کہ اس جدوجہد کا فوری خاتمہ اور عوامی لیگی قیادت کے تحت بنگلہ دیش حکومت کا قیام ہمارے وسیع تر مفاد میں ہے'(٦٠)۔ بھارت کئی برسوں سے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش میں مصروف رہا ہے کہ فوجی طور پر ایک مضبوط پاکستان کی موجودگی میں جنوب مشرقی ایشیا میں توازن اور امن کا حصول ممکن نہیں۔ اسی بنیاد پر بھارت نے ہمیشہ پاکستان کے لیے فوجی امداد کی مخالفت کی ہے۔ مشرقی پاکستان میں بھارتی مداخلت کے جواز میں ایک بھارتی مصنف نے اس مؤقف کا سہارا لیتے ہوئے لکھا ہے کہ "بھارتی کاروائی کا مقصد برصغیر میں مستقل امن کا قیام تھا۔ جس کا حصول پاکستان کی فوجی مشینری کو ٹکڑے ٹکڑے کیے بغیر ممکن نہیں"(٦١)۔ کوئی بھی غیر جانبدار مبصر اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ "کسی بہت بڑے علاقے کی علیحدگی کے ذریعے اپنے ہمسائے ملک کو کمزور کرنے کی خاموش خواہش کو بھارتی پالیسیوں میں روح رواں کی حیثیت حاصل تھی" (٦٢)۔ اور وہ پاکستان کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے صورتِ حال سے سیاسی و جغرافیائی فائدے اٹھانے کے درپے تھے (٦٣)۔

ممتاز بھارتی رہنماؤں کی کئی تحریروں اور تقریروں سے بھارت کے اس دعوے کی نفی ہوتی ہے کہ مشرقی پاکستان پر اس کے حملے کا مقصد مصیبت زدہ عوام کی امداد تھی۔ جے پرکاش نرائن نے بنگلہ دیش کے موضوع پر بند کمرے میں ہونے والے ایک سیمینار میں انکشاف کیا کہ "بھارت نے مشرقی پاکستان کی آزادی کے لیے مداخلت کا فیصلہ خدائی فوجدار کے طور پر نہیں کیا تھا بلکہ اس فیصلے کا واحد محرک ہمارا قومی مفاد تھا"(٦٤)۔ ظاہر ہے کہ بنگالیوں کی ہلاکت اور ان کی جدوجہد کے بارے میں بھارتی پروپیگنڈے اور تارکینِ وطن سے اظہارِ ہمدردی کا ڈرامہ محض مشرقی پاکستان پر حملے کے لیے رچایا گیا تھا۔ دی ٹائمز (لندن) نے درست لکھا تھا کہ مارچ سے لے کر نومبر میں فوجی حملے تک بھارتی مداخلت میں ایک سست رو مگر مسلسل عمل کے تحت اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بھارت نے بہت پہلے سے مشرقی پاکستان پر حملے کا منصوبہ تیار کر رکھا تھا (٦٥)۔ کلدیپ نیر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ بھارت کا ارادہ مئی جون میں پاکستان پر حملہ کرنے کا تھا، مگر چیف آف سٹاف نے مشورہ دیا کہ مشرقی بنگال میں مون سون کی وجہ سے وسیع تر فوجی

کاروائی نامناسب ہوگی ۔ ان کے خیال میں "اس مقصد کے لیے سردیوں کا موسم بہترین ہو گا" (٦٦) ۔ کلدیپ نیر نے مزید انکشاف کیا کہ درحقیقت بھارت نے قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی "مشرقی پاکستان پر قبضے کا ایک پندرہ روزہ منصوبہ تیار کیا تھا ۔ یہی وہ منصوبہ تھا جسے اب جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے بروئے کار لایا جا رہا ہے" (٦٧) ۔

مئی ۱۹۷۱ء میں مکتی گوریلوں نے ، جنہیں اندرا کے ترجمانوں اور "افسرانِ تعلقات عامہ" (٦٨) کی حیثیت حاصل تھی اور جنہیں رقوم خرچ کر کے بھارتی سرزمین پر تربیت دی گئی تھی (٦٩) نہایت سرگرمی سے ذرائع مواصلات اور عمارات کو تباہ کرنا شروع کر دیا ۔ اگلے دو ماہ میں ان گوریلوں کی سرگرمیاں مزید زور پکڑ گئیں اور انہوں نے کئی مقامات پر ریلوے کی پٹریاں بموں کے ذریعے اڑا دیں اور متعدد سیاسی رہنماؤں کو ہلاک کر دیا ۔ اگرچہ بھارت نے ابتداء میں تخریب کاری کی سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے انکار کیا ، تاہم بعد ازاں ٹھوس شواہد سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی کہ بھارت نے نہ صرف مکتی باہنی کے گوریلوں کو فوجی تربیت دی اور اسلحہ مہیا کیا بلکہ اس کی مسلح افواج کے ارکان نے مکتی باہنی کے شانہ بشانہ قتل و غارت میں حصہ لیا ۔ سبرامنیم نے اس سلسلے میں بھارتی حکومت کے "جرأت مندانہ" فیصلے کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے (۷۰) ۔ بھارت کے ایک مقتدر رہنما مرارجی ڈیسائی نے معروف اطالوی صحافی اوریانا فلاچی کے ساتھ انٹرویو میں مکتی باہنی کے اصلی رُخ پر سے نقاب اُٹھایا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ "اپریل سے دسمبر ۱۹۷۱ء تک بھارتی فوج کے باقاعدہ سپاہی مکتی باہنی کے روپ میں پاکستانی فوج کے خلاف برسرِ پیکار رہے ۔ اس خفیہ کاروائی میں پانچ ہزار جانوں کے ضیاع کے بعد اندرا نے پاکستان کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان کر دیا ۔ اندرا جنگ جیتنے میں کامیاب ہو گئی کیونکہ یحییٰ بے وقوف تھا" (۷۱) ۔

حقیقت یہ ہے کہ جنگ سے بہت عرصہ پہلے ڈھاکہ کے گردونواح میں سادہ کپڑوں میں ملبوس بھارتی فوجی دیکھے گئے ۔ بعد ازاں مسز گاندھی نے خود اپنے بیان میں کہا کہ گوریلوں کی تربیت اور انہیں بھارتی اسلحے کی فراہمی ہی "مشرقی پاکستان" کے بحران کا حتمی حل ہے" اور یہ حل "آزاد بنگلہ دیش کے سوا کچھ نہیں"

(۰۲) ۔ ایک بنگالی ہندو صحافی ایس براتا کے انکشافات مزید حیران کن ہیں ، جن کے بقول مکتی باہنی دراصل بھارتی سپاہیوں ہی کی ایک تنظیم تھی اور یہ کہ "اگر وہ بھارت میں رہتے ہوئے یہ بات کہتے تو انہیں یقیناً گرفتار کر لیا جاتا" (۰۳) ۔

اس امر کی واضح شہادتیں موجود ہیں کہ مکتی باہنی تمام نہیں تو اس کا بڑا حصہ بھارتی فوجیوں پر مشتمل تھا ۔ ٹائمز (لندن) کا یہ تبصرہ بالکل بجا تھا کہ "فوجی کاروائی کے بعد بھارت سے اسلحے کی فراہمی رک گئی ۔ اب بھارت کا اگلا اقدام یہ تھا کہ پاک فوج کے اقدام میں رکاوٹ کے لیے ذرائع مواصلات کو سبوتاژ کرنے اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی غرض سے مشرقی پاکستان میں تخریب کار بھیجے جائیں" (۰۴) ۔ ابتداء میں بھارت نے مکتی باہنی کو اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کیا لیکن جب یہ بات واضح ہو گئی کہ متعینہ مقاصد کا حصول تنہا مکتی باہنی کے بس کی بات نہیں تو بھارتی فوج بھی میدان میں کود پڑی ۔ "دی ٹیلیگراف" نے اپریل میں شائع ہونے والی ایک خبر میں کہا کہ "قرائن بتاتے ہیں کہ بھارتی اسلحہ سے بھری ہوئی ایک ٹرین مداری پور کے قریب علیحدگی پسندوں کے پاس پہنچ چکی ہے (۵۰) ۔ ایک غیر ملکی اخبار کے مطابق انڈیا نے مشرقی سرحد کے ساتھ چوکیاں قائم کر رکھی تھیں، جہاں سے بھارتی اسلحہ مشرقی پاکستان میں پہنچایا جاتا تھا" (۰۶) ۔ ایسی کئی اور رپورٹوں میں اس امر کی تصدیق کی گئی کہ بھارت تخریب کاروں کو براہِ راست اسلحہ فراہم کر رہا ہے ۔ گوریلا سرگرمیوں کے مراکز زیادہ تر ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز میں موجود تھے ۔ طالب علموں خصوصاً مکتی فوج میں شمولیت کے خواہش مند ہندو نوجوانوں (۰۸) میں سے رضاکار بھی بھرتی کیے گئے ، جن کا اہم مقصد سبوتاژ کی کاروائیاں کرنا تھا ۔ ان رضاکاروں کو بھارتی فوج کے قائم کردہ پچاس سے زیادہ تربیتی مراکز میں تربیت دی گئی (۰۹) ۔ دوسری طرف بائیں بازو کی نیشنل عوامی پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی کے گوریلا گروپ نے بھارتی سپاہیوں کے تعاون سے مشرقی پاکستان کے اندرونی علاقوں کو اپنی تخریبی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا ۔ بھارت نے مکتی باہنی کے چھاپہ ماروں کو پناہ دینے کے علاوہ اس کے رضاکاروں کی تربیت کا انتظام بھی کر رکھا تھا ۔ اس نے بعض موقعوں پر انہیں توپیں اور مارٹر فائر بھی مہیا کیے" (۱۰) ۔

پاکستانی فوج کے خلاف سرگرمِ عمل گوریلوں کی تعداد کے بارے میں

مختلف اندازے پیش کیے گئے ۔ "گارڈین" کے مطابق "غیرجانبدارانہ تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ گوریلا تنظیم کے اراکین کی تعداد سات ماہ کے دوران میں صفر سے بڑھ کر ۸۰، ہزار سے ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے جو ان کے خلاف سرگرم عمل باقاعدہ پاکستانی فوجیوں کی تعداد کے تقریباً برابر ہے"(۹۱)۔ ڈیلی ٹیلیگراف کے ایک اور تخمینے کے مطابق ان گوریلوں کی تعداد ۵۰ ہزار تھی جبکہ انہیں ڈیڑھ لاکھ سرگرم حامیوں کا تعاون بھی حاصل تھا(۹۲)۔

مکتی باہنی نے مال بردار جہازوں اور دریائی بیڑوں پر بھی حملے کیے ۔ چٹاگانگ کی بندرگاہ میں ۱۵، اور ۱۶، اگست کے درمیان تین بحری جہاز اور تین نومبر کو ایک تیل بردار جہاز ڈبو دیا گیا ۔ جبکہ ریڈیو پاکستان نے ۲۸، ستمبر کو دعویٰ کیا کہ بحریہ نے ۱۰ ایسے تخریب کاروں کو ہلاک کر دیا جنہیں چٹاگانگ اور چالنا کی بندرگاہوں میں بحری جہازوں کو بارودی سرنگوں کے ذریعے تباہ کرنے کی تربیت دی گئی تھی ۔

گوریلا سرگرمیوں کے نتیجے میں سب سے زیادہ نقصان مواصلات کو پہنچا ۔ ۱۲، ستمبر کی اطلاعات مظہر ہیں کہ ڈھاکہ کو کومیلا ، جیسور اور کشتیا سے ملانے والی سڑکوں پر نوے فیصد آبی راستے اور چھوٹے پلوں کو تباہ کیا جا چکا تھا ۔ سڑکوں اور ریل کے ذریعے سامان کی ترسیل کم ہو کر ۱۰ فیصد رہ گئی ۔ اقتصادی سرگرمیاں غیر معمولی طور پر متاثر ہو چکی تھیں اور فیکٹریوں کی پیداوار کُل استعداد کی ۳۵، فیصد سے زائد نہیں تھی ۔ ایک اندازے کے مطابق نومبر کے اوائل میں ڈھاکہ میں روزی کمانے والی آبادی کا ۶۰ فیصد حصہ بے روزگار تھا ۔ ستمبر کے آخری ہفتہ میں بھارت نے امدادی کام میں مصروف غیر ملکیوں کو فارغ کر دیا ۔ جس کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ بھارت نہیں چاہتا تھا کہ مشرقی پاکستان کی خانہ جنگی میں اس کی مداخلت بیرونی دنیا کے سامنے آئے(۹۳)۔

ڈھاکہ شہر میں مصروفِ کار گوریلا گروپ نے ستمبر کے اوائل میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل پر بم پھینکا ۔ اکتوبر کے آخر تک گروپ کی سرگرمیاں اپنے عروج پر پہنچ چکی تھیں ۔ چنانچہ ان گوریلوں نے ڈھاکہ ایئرپورٹ کو بم سے اڑا دینے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی ۔ ۳، نومبر کو مکتی باہنی کے چند گوریلوں نے

پاکستانی فوجیوں کے بھیس میں شہر کے بڑے بجلی گھر میں داخل ہو کر چار میں سے تین جنریٹروں کو تباہ کر دیا، جس کے نتیجے میں ۳۰ میل کے رقبے میں صنعتی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ۔ اس عرصے میں گوریلوں نے فوج کی نگرانی میں چلنے والے تعلیمی اداروں پر حملے کیے اور کئی بینکوں کو لوٹ لیا ۔ مکتی باہنی تخریبی سرگرمیوں کے ذریعے نومبر ۱۹۷۱ء تک تین مقاصد حاصل کر چکی تھی ۔ اولاً پاکستان دوست قوتوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے ۔ ثانیاً معیشت کی بنیادیں مکمل طور پر ہل چکی تھیں، اور ثالثاً گزشتہ نو مہینوں میں مصروف پاکستانی فوج تھک کر دل شکستہ ہو گئی تھی ۔ بھارتی حملے کے لیے اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا؟

بھارت کی جنگی تیاریوں اور اس کے تہدید آمیز رویے سے نمایاں تھا کہ وہ پاکستان کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا مصمم ارادہ کیے ہوئے ہے ۔ اندرا نے اپنے غیر ملکی دورے کے دوران میں واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر عالمی رائے عامہ بنگالیوں کے مسئلے کے حل کے لئے فوری طور پر حرکت میں نہ آئی تو بھارت اپنی مرضی کا قدم اُٹھانے گا(۱۴)۔ بعض اطلاعات کے مطابق بھارتی وزراء کی اکثریت پاکستان پر حملے کے حق میں تھی(۱۵)۔ بھارتی فوج مشرقی پاکستان پر حملے کے لیے پہلے ہی ضروری منصوبہ بندی اور تیاریاں کر چکی تھی(۱۶)۔ ستمبر تک بھارتی بکتربند دستوں کی نقل و حرکت سرحدوں کی طرف شروع ہو چکی تھی ۱۰ ۔ ۲۵ نومبر کو جگ جیون رام نے اس فیصلے کا اعادہ کیا کہ بھارت اپنی فوجوں کو سرحدوں سے نہیں ہٹانے گا ۔ اور اس امر کی تصدیق کی کہ بھارتی دستے پاکستانی سرحدوں پر جنگی پوزیشنیں لے چکے ہیں(۱۱)۔ بھارت اس حقیقت سے بخوبی باخبر تھا کہ دور حاضر میں کسی چھوٹے ملک پر حملے کے لیے ایک بڑی طاقت کا تعاون اور حمایت ناگزیر ہے ۔ چنانچہ اس نے اگست میں روس کے ساتھ ۲۰ سالہ دفاعی معاہدے پر دستخط کیے ۔ اگرچہ دونوں سپر طاقتیں یعنی امریکہ اور روس ایک طویل عرصے سے بھارت کا دل جیتنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر بالآخر کامیابی روس کے حصے میں آئی کیونکہ امریکہ پاکستان کے خلاف کھلم کھلا معاندانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتا تھا ۔

۱۲، نومبر ۱۹۷۱ء کو بھارت نے دہلی میں اسرائیل سے اسلحہ کی خریداری کے ایک معاہدہ پر دستخط کیے۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلحہ امریکی ساخت کا تھا۔ اسلحہ کی اس فراہمی پر امریکہ کی طرف سے کوئی اعتراض نہ کیا گیا نہ روس نے۔ جو کہ مشرقِ وسطیٰ میں عربوں کی حمایت کر رہا تھا اس پر احتجاج کیا۔ لیکن جب اردن اور سعودی عرب نے پاکستان کو فوجی ساز و سامان دینے پر آمادگی ظاہر کی تو امریکہ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ پاکستان اپنی تاریخ کے سنگین ترین بحران سے گزر رہا تھا اور اسے نامساعد حالات سے نکالنے کے لیے باصلاحیت سیاسی قیادت کی اشد ضرورت تھی مگر بدقسمتی سے بھارتی سیاستدانوں کے مقابلے میں پاکستان کی عنان حکومت یک کوتاہ بین فوجی آمر کے ہاتھوں میں تھی جس پر انہوں نے نہایت آسانی سے سبقت حاصل کر لی۔ ایک غیر ملکی جریدے کے مطابق یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان میں سیحدگی کے بحران اور جنگ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کو "خالص سٹاف کالج کے انداز" میں حل کرنے کی کوشش کی۔ جس کا نتیجہ پاکستان کی تباہی کی شکل میں برآمد ہوا(۱۹)۔

حواشی

۱: The Hindustan Times دہلی۔ یکم اپریل ۱۹۷۱ء

2. M. A. K Azad, India Wins Freedom, p – 242
3. Nehru's on 3 June, Quoted by H.V Hodson, the Great Divide p– 315.
4. Josef Korbel, Danger in Kashmir, pp 127 30
5. V.P. Menon, The Transfer of Power in India, p – 384
6. –do–
7. –do–

۸: بحوالہ ایوب خان "Friends Not Masters" ص ۱۱۵

۹: "The Daily Telegraph" ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء

۱۰: The New York Herald Tribune, ۱۶ جون ۱۹۴۸ء

۱۱: The Times, ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء

12. Subrahmanyam Swamy, M.P., Organiser, Delhi, 13 July 1974
13. S. Swamy, Mother Land, New Delhi, 15 June 1971.

۱۴: دہلی میں آل انڈیا کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۴ اپریل ۱۹۷۱ء میں کے شُکلا کی تقریر،
مدراس ۔ ۵ اپریل ۱۹۷۱ء

۱۵: ایضاً سورن سنگھ کا اے، آئی سی ۔ سی کو انٹرویو، نیو دہلی ۔ ملاحظہ ہو
The Hindu, مدارس ۔ ۵ اپریل ۱۹۷۱ء

۱۶: The Nationalist (تنزانیہ)، ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۱ء

17. Kuldip Nayyar. Distant Neighbours. p−145.
18. Bangladesh Documents. op cit . 1. pp. 669−70 Also see India and Bangladesh Selected Speeches and Statements of Indra Gandhi , pp. 9−14.

۱۹: ایضاً ۔

20. T. Chandra Bloodbath in Bangladesh, p −4
21. See G W Choudhury, Last Days of United Pakistan. p.204

۲۲: بی بی سی عالمی سروس ۴ اپریل ۱۹۷۱ء ۔ مزید ملاحظہ ہو روز نامہ "جنگ" اور
"The Dawn" ۴ اور ۵ اپریل ۱۹۷۱ء

۲۳: بحوالہ جی ڈبلیو چودھری، ص ۔ ۱۸۸

۲۴: ایضاً ۔ ص ۱۹۱

25. Muhammad Hasnain Haykal, "The General Who was Defeated" quoted by G.W. Chaudhury op.cit., p−193.

۲۶: The Pakistan Times، ۱۶ اپریل ۔ "نوائے وقت" ۱۴ اپریل، "جنگ" ۱۳
اپریل ۱۹۷۱ء

۲۷: "جنگ" ۸ اپریل ۱۹۷۱ء

۲۸: بحوالہ کلدیپ نیر، ص ۔ ۱۵۵ ۔

29. Arun Bhattacharjee. Dateline 'Mujibnagar. pp 194−95

۳۰: بحوالہ کلدیپ نیر، ص ۔ ۱۵۵ ۔

۳۱: بھارت کے حقیقی عزائم جاننے کے لیے ملاحظہ ہو مضمون از سُبرا منیم،
Organizer (رسالہ) دہلی، ۱۳ جولائی ۱۹۷۷ء

۳۲: بھارت کے حقیقی عزائم جاننے کے لئے ملاحظہ ہو مضمون از سُبرا منیم Organizer
(رسالہ) دہلی، ۱۳ جولائی ۱۹۷۷ء

33. Qutbuddin Aziz, Mission to Washingt on, p−57

۳۴: ایضاً ۔

۳۵: انٹرویو جنرل ٹکا خان، Newsweek، ۱۰ اپریل ۱۹۷۲ء

۳۶: The Guardian (لندن) ۔ ۶ جون ۱۹۷۲ء

:۳۷ The Dawn ، یکم مئی ۱۹۷۱ء

:۳۸ "نوائے وقت" ۱۷ مئی ۱۹۷۱ء

:۳۹ The Pakistan Times, ، ۱۹ مئی ۱۹۷۱ء

:۴۰ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں مضمون از مسعود مفتی سابق سیکرٹری تعلیم مشرقی پاکستان ۔ ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ"، دسمبر ۱۹۷۴ء، ص ۔ ۳۵ ۔

:۴۱ The Pakistan Times, ، ۸،۲۰ اپریل ، ۵ مئی، ۲ جون ۱۹۷۱ء

:۴۲ The Pakistan Observer ، ۳ جون ۱۹۷۱ء ۔ The Pakistan Times, ۴ جون ۱۹۷۱ء

:۴۳ اداریہ ، The Pakistan Observer ، ۶ جون ۱۹۷۱ء

:۴۴ The Ceylon Daily News, ۲۶ فروری ۱۹۷۱ء

45 Muhammad Ayoob and K. Subrahmanayam. The Liberation War. op.cit., p–156.

:۴۶ The Pakistan Times (راولپنڈی) ، ۱۰ مئی ۱۹۷۵ء ، بھارتی ڈپٹی وزیر خارجہ کا بیان ۔

:۴۷ ایضاً ۔

:۴۸ The Pakistan Times ، ۲ جون ۱۹۷۱ء (ملاحظہ ہو نمائندہ ڈھاکہ کی رپورٹ) مزید ملاحظہ ہو The Pakistan Times, ، ۷ جولائی ۱۹۷۱ء

:۴۹ ملاحظہ ہو "نوائے وقت" ۱۲ جون ۱۹۷۱ء میں واپس آنے والے ایک تارکِ وطن کا بیان ۔

:۵۰ کچھ تفصیلات The Dawn ، ۱۹ نومبر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئیں ۔

.۵۱ اندرا گاندھی کی تقریر، ہمالین ہل اسٹیشن ، رانی کوٹ (اتر پردیش ریاست) کے ریڈیو سے ۱۹ مئی ۱۹۷۱ء کو نشر کی گئی ۔

:۵۲ The Times ، ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء

:۵۳ The Irish Times ، ۲۹ مارچ ۱۹۷۲ء

:۵۴ The Statesman ، (نیو دہلی) ۱۰ اگست ۱۹۷۱ء

55. The Gristan (Stockholm), 25 January 1972.

:۵۶ The Economist ۲۰ ۔ ۲۶ نومبر ۱۹۷۲ء

۵۷: یہ مقالہ انڈین کونسل آف ورلڈ آفئیرز کے بند کمرے میں منعقد ہونے والے اجلاس میں پڑھا گیا اور ۱۳ جولائی ۱۹۷۱ء کے "The Times" میں شائع ہوا۔ مزید ملاحظہ ہو دیباچہ از ڈی کے پیلٹ برائے سُبرامنیم،
"Bangladesh and India's Security" ڈیرہ دُون، ۱۹۷۲ء

۵۸: ایضاً۔

۵۹: The Hindustan Times، دہلی، یکم اپریل ۱۹۷۱ء

۶۰: بحوالہ کے سبرامنیم، ص۔ ۴۱

۶۱: ارون بھٹاچارجی، ص۔ ۹۴، ۹۵

۶۲: The Times Weekly، ۱۳ دسمبر ۱۹۷۱ء، ص ۹۔۱۱

۶۳: ایضاً۔

۶۴: جے پی نراین کا کونسل آف ورلڈ آفئیرز کے تحت سیمینار، منعقدہ ۳ جولائی ۱۹۷۱ء میں صدارتی خطاب۔

۶۵: The Times (لندن) ۷ دسمبر ۱۹۷۱ء

۶۶: بحوالہ کلدیپ نیر، ص ۱۵۔ ۵۶

۶۷: ایضاً، ص۔۱۷۵

۶۸: The Irish Times، ۲۹ مارچ ۱۹۷۱ء

،،۔ بحوالہ محمد ایوب خاں اور سبرامنیم، ص۔ ۱۵۶

69. Robert Payne Massacre, p−106.

۷۱: بحوالہ "The Pakistan Times" ۱۳ اگست ۱۹۷۴ء

۷۲: فرانسیسی ٹیلی ویژن کے ایک پروگرام میں ایڈیٹروں سے گفتگو کرتے ہوئے اندرا کا بیان۔ ۸ نومبر ۱۹۷۱ء ملاحظہ ہو The New Times (راولپنڈی)

۷۳: The Guardian، ۱۸ ستمبر ۱۹۷۱ء

۷۴: The Times, (لندن) یکم دسمبر ۱۹۷۱ء

۷۵: The Telegraph، ۱۴ اپریل ۱۹۷۱ء

۷۶: The Nigerian Tribune، (لاگوس) ۱۴ مئی ۱۹۷۱ء

۷۷: The Washington Post ۱۳ ستمبر ۱۹۷۱ء اور The New York Times, ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء

۷۸: The Telegraph، ۱۴ اگست ۱۹۷۱ء

۷۹: ایضاً۔

:۸۰ The New York Times ، ۱۰ اکتوبر اور ۱۱ نومبر ۱۹۷۱ء

:۸۱ The Guardian، ۳ نومبر ۱۹۷۱

:۸۲ The Daily Telegraph ، ۲۴ نومبر ۱۹۷۱ء

:۸۳ The York Shire Post، ۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء

:۸۴ The Financial Times، یکم نومبر ۱۹۷۱ء

:۸۵ ایضاً ۔

:۸۶ The Evening Star ، (واشنگٹن) ۲۶ جولائی ۱۹۷۱ء

:۸۷ The Guardian ۲۷ اگست ۱۹۷۱ء

88. Keesing's Contemporary Archives, 18–25 December 1971, pp. 24989–92.

باب ۷

عالمی طاقتوں کا کردار

عالمی سیاست کی بساط پر ترقی پذیر ممالک کا مستقبل بڑی حد تک سپر طاقتوں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے ۔ بنگلہ دیش انہی طاقتوں کی شاطرانہ چالوں کا جیتا جاگتا نمونہ ہے ۔ کسی ملک کی اندرونی صورتِ حال کو اس انداز میں ایک بین الاقوامی مسئلہ بنا دینا کہ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ اور سیاست کے زور پر ایک نیا ملک معرضِ وجود میں آ جائے بڑی طاقتوں ہی کا کارنامہ ہے ۔

روس

روس نے بھارت کے ساتھ مل کر بنگلہ دیش کے قیام میں اہم بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کیا ۔ ۱۹۷۱ء کے بحران کے بارے میں روسی رویّے کا تجزیہ صحیح تاریخی تناظر کے مطالعے کے بغیر ممکن نہیں ۔ برِصغیر میں مسلمانوں کی جد و جہد آزادی کے دوران میں روس نے بین الاقوامی امور میں اپنے نظریاتی طرزِ عمل کے تحت لاتعلقی کا رویہ اختیار کیا ۱ ۔ روس کا خیال تھا کہ پاکستان کا قیام برطانیہ کی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کا آئینہ دار ہے ۔ نیو ٹائمز نے تقسیمِ ہند کے فیصلے پر کہا تھا کہ اس فیصلے سے ہندو مسلم عناد بڑھے گا اور ہندوستان کے اندرونی معاملات میں برطانوی مداخلت میں مدد ملے گی ۲ ۔

روس کے نزدیک اسلامی مملکت کا تصور ، یا اسلامی بلاک کے قیام کی تجویز کسی طور پر بھی پسندیدہ نہیں تھی ۔ اس کے خیال میں ایسی تمام مساعی کسی ایک نظریئے کو دوسرے کے مقابل ترجیح دینے کے مترادف تھیں۴ ۔ روس کے نزدیک پاکستان "شہنشاہی" مفادات کا آلۂ کار تھا کیونکہ وہ علانیہ طور پر مغربی نظام کا حامی تھا ۔

پاک روس تعلقات میں ابتدا سے گرم جوشی مفقود تھی جس کا بنیادی سبب دونوں ملکوں کا نظریاتی تضاد تھا ۔ اس کے برعکس نہرو آزادی سے قبل ہی روس کے لیے اپنے والہانہ پن کا اظہار کر چکے تھے ۔ ان تعلقات کو مزید وسعت دینے کے لیے نہرو نے اپنی بہن وجے لکشمی پنڈت کو روس میں بھارتی سفیر مقرر کیا ، جبکہ ہندوستان کی عبوری حکومت میں مسلم لیگی وزیر لیاقت علی خاں نے سرے سے ماسکو میں سفیر مقرر کرنے کی تجویز ہی کی مخالفت کی ۵ ۔ چنانچہ روس نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے قیام پر قائد اعظم کو مبارکباد کا کوئی پیغام ارسال نہ کیا بلکہ اس نے نئی مملکت کو تسلیم کرنے میں بھی نیم دلانہ طرز عمل کا مظاہرہ کیا ۔

مئی ۱۹۴۹ء میں نہرو کو دورۂ امریکہ کی دعوت موصول ہوئی جسے نہرو نے قبول کر لیا ۔ لیاقت علی خان کے غیر معمولی مغرب نواز رویئے کے باوجود امریکہ نے انہیں دورے کی دعوت دینے کی ضرورت محسوس نہ کی ، جسے لیاقت علی خاں نے اپنی توہین تصور کیا ۔ روس نے پاکستان کے احساسات کا اندازہ لگانے میں کوئی دیر نہ کی اور لیاقت علی خاں کو دورۂ روس کی دعوت بھیج دی جسے ۸ جون کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا ۔ مگر وزارتِ خارجہ کے مغرب نواز بزرجمہروں کے طفیل یہ دورہ غیر معینہ عرصے کے لیے ملتوی کر دیا گیا۶ ۔ پاکستان کا یہ اقدام پاک روس تعلقات میں گہری مغائرت کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا ۔ بد قسمتی سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں پیدا ہونے والا یہ رخنہ کبھی دور نہ ہو سکا ۔ دریں اثناء لیاقت علی خاں کو امریکہ کے صدر کی طرف سے مئی ۱۹۵۰ء میں دورۂ امریکہ کا ذاتی دعوت نامہ موصول ہوا ۔ اس دورے کے دوران میں امریکیوں کے لیے لیاقت علی خاں کی طرف سے غیر معمولی گرمجوشی کے اظہار نے روس کو مزید ناراض کر دیا ۔ دوسری طرف ایک غیر وابستہ قوم کے طور پر ہندوستان کے کردار اور خصوصاً

کوریا کے بحران میں اس کے طرزِ عمل کے سبب بھارت روس تعلقات میں مزید پختگی آگئی ۔ نہرو کا ترقی پسندانہ اور غیر جانبدارانہ مؤقف بھی بھارت اور روس کے تعلقات کو مضبوط بنانے کا باعث بنا ۔ جون ۱۹۵۵ء میں نہرو نے روس کا دورہ کیا جہاں ان کا تاریخی استقبال کیا گیا ۔ نہرو روس کی مہمان نوازی سے اتنے متاثر ہوئے کہ روس سے لوٹتے ہوئے انہوں نے بیان دیا کہ وہ اپنے دل کا ایک حصہ وہیں چھوڑے جا رہے ہیں ۔ اسی سال روسی رہنماؤں بلگانن اور خروشیف نے بھارت کا جوابی دورہ کیا ۔ روسی رہنماؤں نے نہ صرف بھارت کی صنعتی ترقی کے لیے امداد کا وعدہ کیا ، بلکہ اس امر پر اظہارِ افسوس بھی کیا کہ "سامراجی طاقتیں ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے میں کامیاب ہوگئیں"، ۔ روانگی سے پیشتر خروشیف نے نہرو سے کہا ۔ "میں بھی اپنے دل کا ایک ٹکڑا بھارتی عوام کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں" ۔

امریکہ اور بھارت کے نقطہ ہائے نظر میں تفاوت نے بھی بھارت روس تعلقات کو گہرا کرنے میں مدد دی ۔ امریکہ کمیونزم کو عالمِ انسانیت کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف سرگرم عمل تھا جبکہ بھارت کے نزدیک دنیا کا بنیادی مسئلہ "نوآبادیاتی نظام" تھا ۔ نہرو دونوں عالمی بلاکوں کی مدد حاصل کرنے کے علاوہ کشمیر کے مسئلے پر روس کا ٹھوس تعاون حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوگئے ۔ بھارت کے برعکس پاکستان مغربی بلاک کی طرف جھکتا چلا گیا اور ۵۰ کے عشرے کے وسط میں اس کی حیثیت مغربی بلاک کے ایک مسلمہ اتحادی کی ہو چکی تھی ۔ وہ دوسرے بلاک کے لیے دلچسپی کے تمام امکانات کھو چکا تھا ۔ حالات کی ستم ظریفی یہ تھی کہ اگرچہ پاکستان کو امریکی اسلحہ اور جنگی سازو سامان ملنا شروع ہوگیا تھا مگر وہ کشمیر کے مسئلے پر امریکی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا ۔ اپنی خارجہ پالیسی کی وجہ سے پاکستان نہ صرف روس بلکہ مسلم عرب دنیا کے بعض ممالک سے بھی دور ہوتا چلا گیا ۔ ۱۴، فروری ۱۹۵۷ء کو روس نے مسئلہ کشمیر پر بھارت کے حق میں اپنا پہلا ویٹو استعمال کیا ۔ سنٹو اور سیٹو میں پاکستان کی شمولیت کے بعد روس نے پاکستان کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کر لیا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ پاکستان امریکہ کو روس کے خلاف اپنے علاقے استعمال کرنے کی اجازت دے دے گا ۔ چنانچہ اس نے پاکستان کو بار بار متنبہ

کیا کہ امریکہ کو پاکستان میں فوجی اڈے بنانے کی اجازت نہ دی جائے ۔ مذکورہ معاہدوں میں شمولیت کے بعد روس کی طرف سے مسئلہ کشمیر پر بھارت کی حمایت اور افغانستان کے مطالبۂ "پختونستان" کی سرپرستی اچنبھے کی بات نہیں تھی ۔ ۱۹۶۰ء میں یو۔ ٹو کے واقعہ نے پاک روس تعلقات میں بگاڑ کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ۔ اس موقع پر روس نے دھمکی دی کہ وہ پشاور میں امریکی اڈے کو نیست و نابود کر دے گا۱۰ ۔

ان تمام عوامل کے باوجود روس نے مفاہمت کے دروازے کھلے رکھے ۔ ۱۹۶۰ء میں بین الاقوامی صورتِ حال نے ایک نئی کروٹ لی ۔ عالمی سیاست کے اس نئے موڑ پر روس اور امریکہ عوامی جمہوریہ چین کی مخالفت میں ہم آواز پائے گئے ۔ ادھر جنوب ایشیا میں چین روس مناقشت نے روس کو پاکستان کے بارے میں اپنا رویہ نرم کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا ۔ اسے خدشہ تھا کہ پاکستان مکمل طور پر چین کے زیرِاثر آ جائے گا ۔ حالات کی تبدیلی کے ساتھ پاک سوویت تعلقات میں بہتری کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے ۔ جسے ایوب خاں کی "دو طرفہ تعلقات" کی پالیسی نے مزید سہارا دیا ۔ مارچ ۱۹۶۱ء میں روس اور پاکستان کے درمیان تیل کے بارے میں سمجھوتہ عمل میں آیا ۔ تاہم پاک روس تعلقات میں اضافے کے باوجود روس کے بھارت کے ساتھ تعلقات میں کوئی فرق نہ آیا (۱۱) ۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں ہوا بازی کے معاہدے ، اپریل ۱۹۶۳ء میں مال کے بدلے مال کے معاہدے اور جون ۱۹۶۴ء میں ثقافتی معاہدے کے نتیجے میں روس اور پاکستان کے دوستانہ تعلقات کی راہ ہموار ہو گئی ۔ اپریل ۱۹۶۵ء میں ایوب خان نے ماسکو کا دورہ کیا ۔ وہ روس کا دورہ کرنے والے پہلے پاکستانی سربراہ تھے ۔ یہ پاک روس دوستی کے عروج کا زمانہ تھا ۔

۱۹۶۲ء میں چین اور بھارت کے درمیان جنگ بھی پاک روس مفاہمت کے عمل کو تیز کرنے کا باعث بنی ۔ جنگ سے پہلے بھارت کو صرف امریکہ سے امداد مل رہی تھی مگر جنگ کے نتیجے میں بھارت کو دھڑا دھڑ تمام مغربی ممالک سے اسلحے کی فراہمی شروع ہو گئی ۔ اس صورتِ حال میں پاکستان نے آزادانہ خارجہ پالیسی کا راستہ اپنانے کا فیصلہ کیا جس نے اسے روس کے لیے مزید قابلِ قبول بنا دیا ۔

علاوہ ازیں بھارت کے لیے امریکہ کی فوجی امداد نے بھارت روس تعلقات کو بھی متاثر کیا ۔ پراودا نے لکھا کہ رجعت پسند طاقتیں چین بھارت تصادم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "بھارت کو غیر جانبداری کے رستے سے ہٹا کر مغربی دنیا کے سیاسی اور فوجی بلاکوں کی طرف دھکیلنا چاہتی ہیں"(۱۲)۔ ان واقعات کے نتیجے میں کشمیر کے تنازعے کے بارے میں سوویت رویہ میں واضح تبدیلی محسوس کی گئی ۔ ۱۹۶۴ء میں سلامتی کونسل میں روسی نمائندے نے بیان دیا کہ فریقین یہ مسئلہ پُرامن طریقے سے حل کریں(۱۳) ۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران میں امریکہ نے پاکستان اور بھارت دونوں کی امداد بند کر دی ۔ جس سے اوّل الذکر کو بے حد نقصان پہنچا ۔ روس نے اس موقع پر غیر جانبدار پالیسی اختیار کی ۔ چین کے ساتھ جو کہ پاکستان کی بھرپور امداد کر رہا تھا ، تصادم سے احتراز کرتے ہوئے روس نے امریکہ کے ساتھ مل کر اقوامِ متحدہ کے تحت جنگ بندی کی مساعی میں شرکت کی ۔ روس کی یہی غیر جانبدار پالیسی تھی جس کی وجہ سے وہ مستقبل میں معاہدہ تاشقند میں ثالث کا کردار ادا کر سکا ۔ روس کی اس ثالثی کے نتیجے میں پاک چین تعلقات پر کچھ عرصہ کے لیے سردمہری کی کیفیت طاری رہی ۔ روس نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور وہ اپنی سفارتی مساعی کے ذریعے پاک روس تعلقات کو مزید مضبوط کرنے میں کامیاب ہوگیا ۔ اب روس نے کشمیر کے مسئلے پر زیادہ متوازن رویہ اختیار کیا(۱۴) ۔ ستمبر ۱۹۶۷ء میں ایوب خاں نے دوسری بار ماسکو کا دورہ کیا اور واضح الفاظ میں کہا کہ پاکستان میں امریکی اڈے ختم کر دیئے جائیں گے(۱۵) ۔ اپریل ۱۹۶۸ء میں کوسیگن نے پاکستان کا جوابی دورہ کیا ۔

درایں اثناء بھارت کے لیے روس کی فوجی اور اقتصادی امداد میں اضافہ ہوتا گیا ۔ ایک اندازے کے مطابق اس امداد کی مقدار ۳۰۰ ملین ڈالر سالانہ تھی ، اور اس میں جدید ترین جنگی سازوسامان شامل تھا ۔ روس اور چین کے مابین ۱۹۶۹ء کی جھڑپوں کے بعد روس نے پاکستان پر واضح کر دیا کہ وہ چین کے ساتھ پاکستان کی دوستی کو پسند نہیں کرتا ۔ یہ وہ دور تھا جب روس کا بنیادی مسئلہ چین کو اپنے خطے میں محدود کرنا تھا ۔ روس کے وزیر دفاع اندری گریشکو نے فروری ۱۹۶۹ء میں پاکستان کے دورے کے وقت خارجہ امور کے سیکرٹری ایس ایم یوسف سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "آپ بیک وقت روس اور چین سے دوستی

نہیں رکھ سکتے" ۔ پاکستان کی طرف سے پیش کی گئی دلیل کے جواب میں روسی وزیرِ خارجہ کا مختصر ردِعمل یہ تھا کہ "کسی سپر پاور کے لیے جو کچھ روا ہے وہ پاکستان جیسے ملک کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے" ۱۶ ۔ روس نے چین کی پیش بندی کے لیے اپنی سرپرستی میں علاقائی اقتصادی اتحاد کا تصور پیش کیا ۔ ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء کو کوسیگن نے یحییٰ خان سے ملاقات کے وقت مذکورہ اتحاد کی اہمیت پر زور دیا ، لیکن پاکستان نے چین کے خلاف کسی محاذ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا ۱۷ ۔ چین کے ساتھ پاکستان کے گہرے دوستانہ مراسم ، اجتماعی تحفظ کے روسی معاہدہ میں شرکت سے پاکستان کے انکار اور چین اور امریکہ کے تعلقات بہتر بنانے کے لیے اس کی مساعی کی بناء پر روس پاکستان سے سخت ناراض تھا ۔ ان عوامل نے ۱۹۷۱ء کے عشروں میں روسی رویے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا نیز ۱۹۷۰ء میں اندرا کی کامیابی کے بعد روس اور بھارت کے باہمی مراسم مزید گہرے ہو چکے تھے ۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں روس پاکستان کے اندرونی بحران میں دلچسپی کا اظہار کرنے والی پہلی عالمی طاقت تھا ۔ ۲۸، مارچ کو روس نے کراچی میں متعین اپنے قونصل جنرل کے ذریعے پاکستان سے غیر سرکاری طور پر فوجی حکمرانوں کے آئندہ ارادوں کے بارے میں معلومات طلب کیں ۱۸ ۔ ۲، اپریل کو پڈگورنی نے یحییٰ خان کو اپنے ایک مکتوب میں مشورہ دیا کہ "پاکستانی عوام کے اس آزمائشی دور میں ہم آپ کو مخلص دوستوں کی طرح مشورہ ہی دے سکتے ہیں کہ حال ہی میں پاکستان میں جن پیچیدہ مسائل نے سر اٹھایا ہے ان کا حل طاقت کے استعمال کے بغیر سیاسی طور پر ہی ممکن ہے اور آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے" ۔ اس پر یحییٰ خاں کا مختصر جواب یہ تھا کہ "پاکستان کسی ملک کو اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا" (۱۹) ۔

پڈگورنی کے مکتوب کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ روس اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی کو ترک کر چکا ہے اور اب ۱۹۶۵۔۶۶ء کی طرح مصالحت کرانے کا کردار ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ۔ روس اور بھارت کے درمیان دفاعی معاہدے کے بعد روس کی جانبدارانہ پالیسی مزید واضح ہو گئی ۔ اس معاہدے کا مسودہ روس نے ۱۹۶۹ء میں ASIAN COLLECTIVE SECURITY کے منصوبے کے سلسلے میں تیار کیا تھا (۲۰)۔ ہنری کسنجر کے خفیہ دورہ بیجنگ اور ۱۵، جولائی کو چین امریکہ

مفاہمت کے بارے میں نکسن کے ڈرامائی اعلان کے بعد بھارتی خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہے تھے ۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس پیش رفت کے نتیجے میں ایک امریکہ۔چین۔پاکستان محور وجود میں آ چکا ہے ۔ ان حالات میں روس ہی وہ واحد عالمی طاقت تھا جو بھارت کو ضروری تحفظ مہیا کر سکتا تھا ۔ چنانچہ بھارت نے ASIAN COLLECTIVE SECURITY SYSTEM کی روسی تجویز پر ، جسے وہ ۱۹۶۹ء میں مسترد کر چکا تھا صاد کہنے میں ذرا بھی توقف نہ کیا ۔ بھارت روس دوستی کا معاہدہ دراصل ASIAN COLLECTIVE SECURITY کی تجویز ہی کا نیا روپ تھا(۲۱)۔ معاہدے کی شق نمبر ۹ , کے مطابق فریقین میں سے کسی پر بیرونی دھمکی کی صورت میں دونوں فریق ، صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے فوری طور پر باہمی مشاورت کے ذریعے اپنی سالمیت اور امن کے تحفظ کی غرض سے مناسب اور مؤثر اقدام کریں گے ۔

بھارت روس معاہدے کے بعد روسی پریس اور روس نے پاکستان کے خلاف ایک بھرپور پروپیگنڈا مہم کا آغاز کر دیا ۔ تصادم کے آغاز ہی میں روس نے پاکستان کو صورتِ حال کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے دھمکی دی کہ روس موجودہ صورتِ حال سے لاتعلق نہیں رہ سکتا کیونکہ واقعات جس انداز میں وقوع پذیر ہو رہے ہیں اس سے روس کی اپنی سلامتی خطرے میں ہے ۔ روس نے دوسرے ملکوں کو خبردار کیا کہ وہ جنگ سے باہر رہیں ۔(۲۲)۔ ظاہر ہے کہ اس تنبیہہ کا ہدف چین تھا ۔ بحران کے دروان میں تمام عرصہ روس نے بھارت کا کھل کر ساتھ دیا جبکہ امریکہ نے پاکستان کی صرف "محدود" مدد کی ۔

روس کا جانبدارانہ کردار اس کی بین الاقوامی حکمت عملی کا حصہ تھا ۔ روس کا بنیادی مسئلہ چین کو اپنے خول میں بند کر کے اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا تھا ۔ اولاً اس نے بھارت کی پشت پناہی کی تاکہ چین اور روس کی آویزش کے وقت اُسے استعمال کیا جا سکے ۔ ثانیاً روس کو بحرِ ہند میں بحری اڈے قائم کرنے کا پرانا خواب روبہ تعبیر نظر آرہا تھا ۔ ثالثاً مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد روس کے لیے جنوب مشرقی ایشیا میں اپنے پاؤں جمانا زیادہ آسان تھا ۔

پاک بھارت جنگ میں بھارت اور روس کے باہمی اتحاد نے فیصلہ کن کردار

ادا کیا ۔ بھارت کے لیے روس کا فوجی اور سفارتی تعاون اور سلامتی کونسل میں اس کے کردار نے بھارت کو ایسا سائبان مہیا کر دیا جس سے اُسے مشرقی پاکستان پر کامیاب حملہ کرنے کے لیے مکمل تحفظ مل گیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت کو اس حملے کے لیے روس کا پیشگی منظوری اور اس کی رہنمائی دونوں حاصل تھیں ۔ (۲۳) بین الاقوامی کالم نگار اینڈرسن کے انکشاف کے مطابق بھارت میں روس کے سفیر نکولائی ایم پیگوف نے ۱۲ دسمبر کو بھارت سے وعدہ کیا کہ روس چین کی توجہ ہٹانے کے لیے اس کے خلاف سنکیانگ میں اقدام کرے گا اس کے علاوہ ساتویں بیڑے کو مداخلت نہیں کرنے دے گا ۔ روس نے بھارت کو ۳۰، ملین ڈالر کی مالیت کے ٹینک ، لڑاکا طیارے ، میزائل ، آبدوزیں ، میزائل بردار کشتیاں اور بھاری جنگی سامان بھی فراہم کیا (۲۴) ۔ نومبر میں روسی سامان بردار جہازوں کے ذریعے جدید ترین اسلحہ اور سام میزائلوں کی ایک بہت بڑی کھیپ روسی ماہرین کی معیت میں بھارت پہنچی (۲۵) ۔ اس کے بعد بھی بھارت کو مزید ٹینک ، مگ طیاروں، راکٹوں اور جنگی طیاروں کی فراہمی کا سلسلہ جاری رہا ۔ روسی ہوا بازوں کو جنگ کے دوران میں بھارت کے جنگی طیارے اڑاتے دیکھا گیا ۔ اس طرح بھارتی میزائل بردار کشتیوں پر روسی فوجیوں کی تعیناتی کی اطلاعات بھی منظر عام پر آئیں (۲۶) ۔ روس نے مگ ۲۱ اور ٹی یو ۱۶ بمبار طیاروں کی مصر سے بھارت کو منتقلی پر بھی رضا مندی کا اظہار کیا (۲۷)۔

سلامتی کونسل میں بھی روس کا پاکستان کے ساتھ رویّہ معاندانہ تھا ۔ وہ جنگ بندی کی قراردوں میں اس وقت تک رکاوٹیں ڈالتا رہا جب تک مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوجوں نے ہتھیار نہ ڈال دیئے ۔ کہا جاتا ہے کہ سلامتی کونسل میں روسی نمائندے بھارتی نمائندے سے پوچھتے تھے کہ وہ ڈھاکہ تک پہنچنے میں کتنا وقت لیں گے (۲۸) ۔ روس کو جنگ میں بھارتی پیش رفت کی سست روی پر اتنی تشویش تھی کہ اس نے صورتِ حال کی مکمل آگاہی کے لیے اپنے فرسٹ ڈپٹی وزیر خارجہ کو بھارت بھیجا جہاں وہ جلد ہی اس نتیجے پر پہنچا کہ "پاکستانی فوجیں اپنا حوصلہ ہار چکی ہیں اور وہ آئندہ تین یا چار روز میں ہتھیار ڈال دیں گی" (۲۹) ۔ حالات نے ثابت کر دیا کہ روس پر بنگلہ دیش کی فوج کا حقیقی ہدایت کار ہونے کا الزام بالکل بجا تھا (۳۰) ۔

امریکہ : سرد جنگ کے عرصے میں امریکی خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد کمیونزم کے بڑھتے ہوئے خطرات کو روکنا تھا ۔ جبکہ جنوب مشرقی اقوام بین الاقوامی معاملات کو کسی اور نقطۂ نظر سے دیکھ رہی تھیں ۔ ان اقوام کو کمیونزم سے زیادہ نو آبادیاتی نظام کی فکر تھی ۔ اس لیے وہ امریکہ کی ہم خیال نہ تھیں ۔ نقطہ نظر کے اس تفاوت کے باوجود امریکہ نے کمیونزم کو "پابند" کرنے کے لیے جنوب ایشیا کی ابھرتی ہوئی جمہوری ریاستوں کو اقتصادی امداد فراہم کی (۳۱) ۔ چنانچہ بھارت غیر وابستگی کی تحریک کا حامی ہونے کے باوجود امریکہ سے معتدبہ امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا ۔

پاکستان کا برسرِاقتدار طبقہ مختلف وجوہ کی بنا پر مغرب نواز رجحانات کا حامل تھا ۔ اولاً کمیونزم کے لادینی نظام کے خلاف مسلمانوں کی فطری نفرت کے نتیجے میں پاکستان نے نظریاتی طور پر خود کو مغرب سے قریب تر محسوس کیا ۔ ثانیاً برسرِاقتدار طبقے کے فیصلہ ساز افراد مغرب کی درسگاہوں کے فارغ التحصیل تھے ۔ ثالثاً اس طبقے کو مغرب کے جمہوری اور آزاد خیال نظریات سے اتفاق تھا ۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رُکن فضل الرحمان کے بقول "پاکستان نظریاتی طور پر مغرب سے قریب ہے ۔ یہاں کمیونزم کبھی نہیں آ سکتا" (۳۲)۔

پاکستان میں امریکی دلچسپی جنوب مشرقی ایشیا ، مشرق اَوسط اور اس کے اہم جغرافیائی محلِ وقوع کی مرہونِ منت ہے ۔ امریکیوں کے نزدیک پاکستان کمیونزم کے خلاف قابلِ اعتماد پُشتہ تھا (۳۳) ۔ پاکستان کی دفاعی ضروریات نے اسے امریکہ کے ایما پر قائم ہونے والے معاہدوں سیٹو (ستمبر ۱۹۵۴ء) اور سینٹو (جولائی ۱۹۵۵ء) میں شمولیت پر مجبور کردیا ۔ اس طرح پاکستان کو امریکہ کے معتمد ترین حلیف کی حیثیت حاصل ہوگئی ۔ ان معاہدوں نے پاکستان کو اپنی دفاعی ضروریات پورا کرنے میں بے حد مدد کی ۔ مگر اس کی قیمت اسے روس اور عرب ممالک کی ناراضگی کی شکل میں ادا کرنی پڑی ۔ اُدھر امریکہ کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کی حمایت میں ہچکچاہٹ محسوس کررہا تھا ۔ کیونکہ وہ اس ضمن میں کوئی سخت مؤقف اختیار کرکے بھارت کی مکمل دشمنی مول نہیں لینا چاہتا تھا ۔ اسے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی ناکامی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اپنی تمام کشتیاں جلانے اور امریکہ پر بھروسہ

کرنے کے باوجود پاکستان کو کشمیر کے مسئلے پر امریکی حمایت نہ مل سکی ۔ دوسری طرف بھارت کسی قسم کی شرائط کے بغیر روسی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا ۔

۱۹۶۰ء کے عشرے میں جنوب مشرقی ایشیا کے بارے میں امریکی پالیسی میں تبدیلی آنے لگی ۔ اور صدر کینیڈی کی حکومت نے پاکستان سے نسبتاً بہتر رویہ اختیار کیا ۔ ایوب خاں کے دورۂ امریکہ کے دوران میں صدر کینیڈی نے انہیں یقین دلایا کہ بھارت کو فوجی امداد مہیا کرنے سے پہلے پاکستان سے مشورہ کیا جائے گا (۳۴) ، لیکن چین بھارت سرحدی جھڑپوں کے دوران میں تمام مغربی طاقتوں نے بھارت کو بڑے پیمانے پر فوجی امداد فراہم کی حالانکہ پاکستان نے احتجاج کیا تھا کہ یہ امداد بالآخر پاکستان کے خلاف استعمال کی جائے گی (۳۵) ۔ ۱۹۶۵ء تک بھارت کے لیے امریکہ کی مسلسل حمایت کے نتیجے میں امریکہ اور پاکستان میں اختلافات بڑھ گئے ۔ امریکہ نے غیر جانبداری کا ڈھونگ رچاتے ہوئے ، بھارت اور پاکستان دونوں کی فوجی امداد بند کردی ۔ یہ فیصلہ دراصل پاکستان کو چین سے راہ و رسم بڑھانے کی سزا دینے کے لیے کیا گیا تھا ۔ امریکہ کے اس اقدام نے پاکستان کو جسے امریکی اسلحہ کی فراہمی پر مکمل انحصار تھا ، غیر معمولی نقصان پہنچایا ۔ وقت کے ساتھ ساتھ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات خراب ہوتے چلے گئے اور پاکستانیوں نے الزام عائد کیا کہ امریکہ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی تحریک کی حوصلہ افزائی کررہا ہے (۳۶) ۔

مغرب کے رویے سے بڑھتی ہوئی مایوسی اور مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں ناکامی نے پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی پر نظرِثانی کرنے پر مجبور کر دیا ۔ صورتِ حال کے محتاط تجزیے کے بعد پاکستان نے دو طرفہ تعلقات کی پالیسی کا انتخاب کیا اور سیٹو اور سینٹو سے دور ہوتا چلا گیا ۔ پاکستان کی اختیار کردہ نئی خارجہ پالیسی اور پاکستان میں امریکہ کی دلچسپی میں بتدریج کمی نے دونوں ملکوں کے تعلقات میں کشیدگی کی بنا ڈالی ۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ نے پاکستان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ امریکی دفاعی معاہدے میں اس کی شمولیت بے فائدہ ہے ، چنانچہ ۱۹۶۵ء-۶۸ء میں پاک امریکہ تعلقات سرد مہری کا شکار رہے ۔

۱۹۶۸ء میں نکسن کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد پاک امریکہ تعلقات میں بہتری کی صورت دکھائی دینے لگی ۔ اقوامِ متحدہ کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر یحییٰ خان کے دورہ امریکہ کے دوران میں صدر نکسن نے ان سے کہا "ان سے بڑھ کر پاکستان کو دوست رکھنے والا صدر آج تک وہائٹ ہاؤس میں مقیم نہیں ہوا" (۳۷) ۔ نکسن نے جنوبی ایشیا کے بارے میں اپنی خارجہ پالیسی کی بنیاد "دست نگری" کی بجائے "خود انحصاری" کی حوصلہ افزائی پر رکھی (۳۸) ۔ ویت نام سے امریکی فوجوں کی واپسی کے ساتھ سامنے آنے والا نکسن کا یہ نظریہ امریکہ کی اس نئی حکمتِ عملی کا مظہر تھا ، جس کا مقصد کسی بڑے تنازعے میں ملوث ہوئے بغیر اقتصادی اور فوجی امداد کے ذریعے اپنے حلیفوں سے دوستی کے تقاضے نبھانا تھا ۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے کے اواخر میں عالمی سیاست میں نمایاں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں ۔ بدلے ہوئے حالات میں امریکہ نے چین کے ساتھ اپنے تعلقات پر نظرِثانی کی ضرورت محسوس کی ۔ اس ضمن میں پاکستان سے زیادہ مؤثر کردار کون ادا کر سکتا تھا۔یحییٰ خان کے دورے کے دوان میں نکسن کے جس بیان کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، اسے اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہئیے ۔ بعد ازاں یہ مزید واضح ہوگیا کہ چین کے ساتھ مصالحت کی کوششوں میں امریکہ پاکستان کو استعمال کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ نکسن کا یہ بیان ممکنہ بحران میں پاکستان کی مدد کی ٹھوس ضمانت نہیں تھا ۔

جب نومبر ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت تصادم کا آغاز ہوا تو پاکستان نے دفاعی معاہدوں کے حوالے سے امریکی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر امریکہ نے یہ کہہ کر امداد سے انکار کر دیا کہ ان معاہدوں کا مقصد صرف کیمونسٹ طاقتوں کے خلاف تحفظ فراہم کرنا ہے (۳۹) ۔ پیشتر ازیں، نکسن اندرا کے دورہ امریکہ کے دوران میں انہیں یہ یقین دہانی کرا چکے تھے کہ امریکہ پاکستان کو دی جانے والی ہر طرح کی فوجی امداد بند کردے گا (۴۰) ۔ حالانکہ روس بھارت میں اسلحے کے انبار لگا رہا تھا ۔ پاکستان میں نکسن اندرا کی اس یقین دہانی کو ایک غیر دوستانہ اقدام تصور کیا گیا ۔ تاہم نکسن ذاتی طور پر بعض وجوہ سے پاکستان کی امداد کرنا چاہتے تھے ۔ کسنجر انہیں چین کے ساتھ اپنے خفیہ رابطے کے بعد یحییٰ خان کی گراں بہا خدمات سے آگاہ کر چکے تھے ۔ علاوہ ازیں نکسن یحییٰ خان کو پسند اور مسز گاندھی کو ناپسند کرتے تھے (۴۱) جیک انڈرسن کے مطابق ہنری کسنجر نے پاک بھارت بحران

کے دوران میں انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں سے کہا تھا کہ "صدر نکسن دونوں فریقوں سے یکساں سلوک کے خواہش مند نہیں ہیں ۔ صدر کے نزدیک بھارت کی حیثیت حملہ آور کی ہے" ۔ امریکہ نے اقوام متحدہ میں بھی بھارت کو جارح قرار دیا ۔ اقوام متحدہ میں امریکی سفیر جارج بُش کے الفاظ میں" بحران کی بنیادی ذمہ داری بھارت پر عائد ہوتی ہے" (۴۲) لیکن پاکستان کے بارے میں نکسن کا اتفاقی مؤقف ، امریکہ کی پاکستان مخالف رائے عامہ کے سامنے بار آور نہ ہو سکا (۴۳)

۱۹۷۱ء کے بُحران کے دوران میں پاکستان کے بارے میں امریکی پالیسی کی تشکیل میں کئی اور عوامل نے بھی حصہ لیا ۔ امریکہ جنوب ایشیا میں دور رس مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا جس کے لیے ایک ایسی پالیسی ضروری تھی جو پاکستان ، چین اور امریکہ کے ایک غیر روایتی رابطے کے ذریعے بھارت اور روس کے فروغ پذیر اتحاد کا سدِباب کر سکے (۴۴) ۔ کسنجر نے ان خدشات کا اظہار بھی کیا کہ اگر پاکستان بھارت کے ہاتھوں ٹوٹ گیا تو برِصغیر پر بھارت کا مکمل غلبہ ہوگا ، روسی اثرات اپنے عروج پر پہنچ جائیں گے ، طاقت کا توازن تباہ ہو جائے گا، چین خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کرے گا اور علاقے کے ایک بڑی جنگ کی آماجگاہ بننے کے امکانات بڑھ جائیں گے (۴۵) ۔ بنابریں ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگ کے دوران میں امریکہ نے پاکستان کی حمایت کا مؤقف اختیار کیا مگر پاکستان کے لیے امریکی حمایت کا یہ مؤقف کوئی عملی شکل اختیار نہ کر سکا ۔

نکسن نے برِصغیر میں جنگ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔ سب سے پہلے اس نے حکومتِ پاکستان سے یقین دہانی حاصل کی کہ مجیب الرحمٰن کو پھانسی نہیں دی جائے گی (۴۶) ۔ دوسرے اس نے یحییٰ خان کو اس امر پر رضامند کیا کہ سمجھوتے کے لیے مذاکرات کی فضا کو بہتر بنانے کی غرض سے مشرقی پاکستان میں سِول حکومت بحال کر دی جائے ۔ مشرقی پاکستان میں ٹکا خان کہ جگہ ڈاکٹر اے ۔ ایم مالک کی تعیناتی، سِول کابینہ کی حلف برداری اور عام معافی کے اعلان کے پس پشت واشنگٹن کا مشورہ ہی کار فرما تھا ۔ حقیقت یہ ہے اس تمام بُحران کے دوران میں پاکستان کی پالیسی عام طور پر امریکی حکومت کی طرف سے طے کی گئی (۴۷) ۔ تیسرے نکسن نے یحییٰ خان کو سیاسی سمجھوتے پر آمادہ کرنے کے لیے غیر معمولی

مساعی سے کام لیا ۔ کئی دنوں کی دوڑ دھوپ کے بعد یحییٰ خان اور کلکتہ میں موجود بنگالی لیڈروں کے درمیان خفیہ مذاکرات کا اہتمام کیا گیا (۴۸) ۔ اور یحییٰ خان نے وعدہ کیا کہ دسمبر کے اختتام تک سول حکومت بحال کر دی جائیگی ۔ بھارت کو اس صورتِ حال سے مسلسل آگاہ رکھا گیا ۔ یہ مذاکرات امریکی سفارت کاروں کی معرفت اطمینان بخش طور پر آگے بڑھ رہے تھے ۔ اور کسنجر کا خیال تھا کہ انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو رہی ہے (۴۹) ۔ یہاں تک کہ ایک پانچ نکاتی امن پروگرام تیار ہوچکا تھا ۔ جس کے تحت مجیب الرحمٰن کی رہائی عمل میں آنی تھی اور اس امر پر ریفرنڈم ہونا تھا کہ بنگالی آزاد ملک چاہتے ہیں یا متحدہ پاکستان (۵۰) ۔ سیاسی سمجھوتے کے لیے اندرا حمایت بیان بازی سے زیادہ نہ تھی ۔

اس کی نیت یہ تھی کہ پاکستان کو فوجی شکست دی جائے کہ صرف یہی چیز اسے اور قوم پرست بھارتیوں کو مطمئن کر سکتی تھی ۔ بنگلہ دیش کے بارے میں وہ اپنے حقیقی مؤقف کا اظہار جون ۱۹۷۱ء میں پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے کر چکی تھی ۔ انہوں نے صاف کہا تھا کہ "کیا کوئی ایک لمحے کے لیے بھی تصور کر سکتا ہے کہ ہمارے لیے کسی ایسے سیاسی حل کو تسلیم کرنا ممکن ہے جس کا مقصد بنگلہ دیش کی موت یا جس کا مقصد جمہوریت یا اپنے حقوق کے لیے لڑنے والوں کا خاتمہ ہو ۔ بھارت کبھی ایسے حل کو تسلیم نہیں کرے گا ۔" (۵۱) ۔ اندرا کا یہ بیان بھارت کی بنیادی پالیسی کا عکاس تھا ۔ مسئلے کے سیاسی حل کو مسترد کرتے ہوئے اندرا نے کھلے بندوں طاقت کے استعمال کی طرف اشارہ کیا تھا ۔

دوسری طرف یحییٰ خان پر یہ تنقید بھی کی گئی ہے کہ وہ امریکی دباؤ کے تحت سیاسی سمجھوتے پر رضامند ہونے کے باوجود اس ضمن میں سنجیدہ نہیں تھے ۔ یحییٰ خان نے ان مصدقہ اطلاعات کے علی الرغم کہ بھارت موسم سرما میں پاکستان پر بھر پور حملہ کردے گا ، سیاسی سمجھوتے کے ضمن میں کوئی پیش رفت نہ کی" (۵۲) ۔ اگر وہ سمجھوتے کے بارے میں مخلص ہوتے تو بھارتی حملے سے پہلے ہی معاملے کا کوئی حل تلاش کیا جا سکتا تھا ۔ سیاسی سمجھوتے میں یحیی خان کی عدم دلچسپی کا ثبوت رابرٹ جیکسن کے بیان سے بھی ملتا ہے ۔ انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ امریکہ نے عوامی لیگ کے جلا وطن لیڈروں اور یحییٰ خان کے رابطہ

کرانے کا منصوبہ تیار کیا تھا ۔ چنانچہ مجیب کے وکیلِ صفائی مسٹر اے ۔ کے بروہی سے درخواست کی گئی کہ وہ مجیب الرحمٰن سے دریافت کریں کہ صدر یحییٰ کے ساتھ مذاکرات میں کون سے عوامی لیگی لیڈر شریک ہوں گے (۵۳) ۔ اس منصوبے کی کامیابی کے لیے یحییٰ خان کی رضامندی ضروری تھی مگر یحییٰ خان نے فارلینڈ (امریکی سفیر) کے سامنے یہ مؤقف اختیار کیا کہ "مسٹر بروہی مبینہ طور پر مجھ سے ملنے سے گریزاں ہیں" (۵۴) ۔ بھارت کی طرف سے امن منصوبے کو تسلیم کرنے سے انکار اور سیاسی سمجھوتے کو سبوتاژ کرنے کے لیے اس کی مساعی نے امریکی انتظامیہ کو ناراض کردیا، کیونکہ اس سے پیشتر اندرا اپنے دورۂ واشنگٹن کے دوران میں صدر کو یقین دہانی کراچکی تھی کہ بھارت جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا (۵۵) ۔ بھارتی حملے نے امریکیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ اندرا کا دورۂ امریکہ در اصل اپنی وسیع جنگی تیاریوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش تھی (۵۶) ۔ بحرِ ہند میں ساتویں بیڑے کی آمد کی ایک بڑی وجہ امریکہ کی یہی سوچ تھی ۔

پاکستان میں ساتویں بحری بیڑے کی نقل و حرکت کے بارے میں مختلف نقطۂ ہائے نظر موجود رہے ہیں ۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے ۔ کہ "انٹرپرائز" کی آمد کا مقصد پاکستانی یا امریکی شہریوں کا انخلاء تھا ، نہ امریکہ اس بیڑے کے ذریعے سقوط مشرقی پاکستان روکنے کے لیے اسلحہ فراہم کرنا چاہتا تھا ۔ ہنری کسنجر خود اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ امریکہ مشرقی بنگال کے لیے سیاسی خود مختاری کے حق میں تھا (۵۷) اور یہ کہ "اب کچھ بھی ہو مشرقی پاکستان کا جانا اٹل ہے" (۵۸) ۔ چنانچہ اس امر میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ بنگالیوں کی علیحدگی کی تحریک کو امریکہ کی پوری ہمدردی حاصل تھی اور وہ پاکستانی فوج کو شکست سے بچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا ۔ دراصل اس کی حکمتِ عملی کا مقصد اپنے مخصوص مفادات کے حصول کے لیے ، اور علاقے میں بھارت یا روس کی بالا دستی کے خطرے کے پیشِ نظر مغربی پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانا تھا ۔

ساتویں جنگی بیڑے کے اقدام کی بڑی وجہ سی آئی اے کی ۹ نومبر کی وہ رپورٹ تھی جس کے مطابق بھارتی کابینہ نے "مغربی پاکستان کی سرحد کو اپنی مرضی کے مطابق تشکیل دینے اور پاکستانی افواج کو تباہ کرنے کے منصوبے پر غور کیا تھا (۵۹) ۔ اس رپورٹ نے بھارت کے عزائم کے بارے میں کسنجر کے شکوک کی

توثیق کردی اور انہوں نے "صدر کو آنے والے بحران کے بارے میں اپنے خدشات سے آگاہ کیا ۔ نکسن نے فیصلہ کیا کہ مغربی پاکستان کو بچانے کے لیے براہِ راست فوجی مداخلت کے سوا ہر ممکن اقدام کیا جائے گا" (۶۰) ۔ امریکہ کے معروف صحافی جوزف ایلسپ نے بھی اس امر کی توثیق کی ہے کہ جنگ بندی کے موقع پر امریکہ کو اس امر کی مصدقہ اطلاعات فراہم ہوچکی تھیں کہ بھارتی حکومت ، پاکستان کے بچے کھچے مغربی نصف کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہے (۶۱) ۔ اگرچہ سرکاری سطح پر ساتویں بیڑے کی روانگی کا جواز یہ پیش کیا گیا تھا شاید ڈھاکہ کے امریکی شہریوں کا انخلاء کرنا پڑے ۔ تاہم حقیقت یہ تھی کہ ڈھاکہ چھوڑنے کے خواہاں بیشتر غیر ملکیوں کو تین برطانوی مسافر طیاروں کے ذریعے اسی روز ۔۔۔۔ نکال لیا گیا تھا جس روز ساتواں بیڑا بحرِ ہند کے لیے روانہ ہوا تھا (۶۲) ۔ نیوزویک نے صورتِ حال کا صحیح پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا : "شروع ہی سے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ بیڑے کی روانگی کا مقصد بھارت کے خلاف جنگ میں پاکستان کے لیے علامتی حمایت کا اظہار تھا یا پھر اس سے بڑھ کر بھارت کے بعض جنگی طیاروں اور بحری جہازوں کو پاکستان کے خلاف کار وائی سے روکنا تھا ۔ بظاہر اس اقدام کا حقیقی مقصد بحرِ ہند میں روس کی بحریہ کی بڑھتی ہوئی موجودگی کا سدِباب کرنا تھا" (۶۳) ۔ اینڈرسن نے ساتویں بحری بیڑے کی نقل و حرکت کے درج ذیل مقاصد بیان کئے ہیں :

۱ ۔ بھارتی جنگی طیاروں اور بحری جہازوں کی توجہ اصل مقصد سے ہٹا کر بیڑے کی طرف مبذول کرنا ۔
۲ ۔ مشرقی پاکستان کے خلاف بھارتی ناکہ بندی کو کمزور کرنا ۔
۳ ۔ بھارت کے طیارہ بردار جہاز "وکرانت" کے راستے میں تبدیلی ۔
۴ ۔ پاکستان کی برّی افواج پر فضائی حملوں کے امکانات کو کم کرنے کے لیے بھارت کو اس امر پر مجبور کرنا کہ وہ اپنے طیاروں کو دفاعی پوزیشن میں لے آئے ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ (جیسا کہ بعد میں پینٹاگون (امریکی فوجی ہیڈ کوارٹر) کے ذرائع نے انکشاف کیا) امریکی بحری بیڑہ جنگی علاقے سے گیارہ سو میل دور ٹھہرا رہا (۶۴) ۔ آج بھی کئی پاکستانیوں کا خیال ہے کہ ساتواں بیڑہ پاکستانی فوجوں کے

انخلاء کے لیے بھیجا گیا تھا مگر فوج نے اس کی آمد سے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیئے ۔ اس تاثر کی بنیاد اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل کے نام جنرل فرمان کا وہ خط تھا جس میں انہوں نے یحیٰی خان کی رضامندی سے دس دسمبر کو جنگ بندی اور پاکستانی افواج کی واپسی کی تجویز پیش کی تھی (۶۵) ساتویں بیڑے کی نقل وحرکت کی اطلاع ملنے پر یحیٰی خان نے گیارہ دسمبر کو اس تجویز پر نظرِثانی کرتے ہوئے لیفٹیننٹ جنرل نیازی کو ایک پیغام میں (جس تک بھارتی فوج کی رسائی ہوگئی تھی) یقین دہانی کرائی کہ امریکہ اور چین پاکستان کو بچانے کے لیے مداخلت کریں گے (۶۶) ۔ یحیٰی خان نے جنرل فرمان کی معرفت جو پیش کش کی تھی ، اس کی منسوخی کے اسباب نا معلوم ہیں ۔ تاہم کلدیپ نیر کا کہنا ہے کہ یحیٰی خان نے اپنی پیش کش اس وقت واپس لے لی جب بھٹو نے انہیں بتایا کہ امریکہ کے ساتویں بیڑے کی مداخلت فوری طور پر متوقع ہے یہاں تک کہ ۱۴ دسمبر کو بھٹو نے یحیٰی خان کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ "امریکی بیڑا جلد مداخلت کرنے والا ہے ، لہذا جنگ جاری رکھی جائے" (۶۷) ۔ تاہم اس نقطہ نظر کی تصدیق ممکن نہیں ۔

اب تک منظرِ عام پر آنے والے شواہد کے مطابق چین یا امریکہ دونوں میں سے کسی نے بھی پاکستان کو ایسی یقین دہانی نہیں کرائی تھی (۶۸) اور یہ کہ یحیٰی خان کا پیغام بھارتی فوج کے ہاتھ لگ گیا تھا، محض افترا پردازی ہے ۔ ۱۰ دسمبر کو جنرل فرمان نے اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو ایک خط لکھا ۔ ظاہر ہے کہ یہ خط یحیٰی خان کے حکم پر لکھا گیا تھا اور اسی روز امریکہ کا ساتواں بیڑہ خلیج بنگال کیلئے روانہ ہوا ۔ گیارہ دسمبر کو پاکستانی ترجمان نے انکشاف کیا کہ پاکستان نے امریکہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنا پیمان نبھاتے ہوئے پاکستان کی مدد کرے ۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کا اشارہ ۱۹۵۹ء کے دفاعی معاہدے کی طرف تھا ۔ امریکہ نے اس امر سے انکار کیا کہ وہ ۱۹۵۹ء کے معاہدے کے تحت پاکستان کی مدد کرنے کا پابند ہے ۔ امریکہ کا کہنا تھا کہ وہ کئی مواقع پر واضح کر چکا ہے کہ "یہ سمجھوتہ صرف کمیونسٹ جارحیت کی صورت میں کار آمد ہے" (۶۹) ۔ ساتواں بیڑا ۱۵ دسمبر کو خلیج بنگال میں داخل ہوا اور ۱۶ دسمبر کو پاکستانی افواج نے ہتھیار ڈال دیئے ۔ اگر امریکہ کا مداخلت کا کوئی بھی منصوبہ ہوتا تو وہ اس پر پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے سے پہلے عمل کر سکتا تھا مگر صورتِ حال میں مضمر ممکنہ خطرات اس کے سامنے تھے ، کیونکہ ۱۶ دسمبر کو روس نے اپنے بیڑے کی یونٹوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ

ساتویں بیڑے کی سرگرمیوں کے مقابلے کے لیے خلیج بنگال میں داخل ہو جائیں ،
(۷۰) امریکہ پاکستان کی مدد کے شوق میں کسی بڑی جنگ کا خطرہ مول لینے کے لیے
تیار نہیں تھا ۔ چنانچہ یہ امر مسلمہ ہے کہ امریکہ کبھی بھی پاک ہند جنگ میں خود کو
ملوث کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا ۔ اس موقعے پر امریکہ سے واحد توقع یہ کی
جاسکتی تھی کہ وہ بھارت اور پاکستان میں کسی سمجھوتے کی صورت میں ساتویں
بیڑے کے ذریعے پاکستان کی فوجوں کے انخلاء کا بندوبست کردیتا ، کیونکہ جنرل
نیازی نے ۱۵ دسمبر کو جنگ بندی کی پیش کش میں ہتھیار ڈالے بغیر ساتویں
بیڑے کے ذریعے فوجیوں کی واپسی کی شرط عائد کی تھی (۷۱) ۔ چنانچہ ساتویں
بیڑے کے بارے میں پاکستانی عوام کی رائے بے بنیاد ہے ۔ علاوہ ازیں امریکہ
اس امر سے بخوبی آگاہ تھا کہ پاکستان کا نظام رسد ایک یا دو ہفتے سے زیادہ قائم
نہیں رہ سکتا بشرطیکہ اسے اس سے پہلے ہی شکست نہ ہو جائے ۔ اس صورت حال
کے پیش نظر اگر نکسن پاکستانی فوج کے انخلاء میں مدد دینا چاہتے تھے تو انہیں
بروقت اقدام کرنا چاہئیے تھا ۔

ڈاکٹر کسنجر کی نگرانی میں ہونے والے واشنگٹن سپیشل گروپ کی کارروائی سے
بھی اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے کہ ساتویں جنگی بیڑے کی روانگی کا مقصد صرف
مغربی پاکستان کو بچانا تھا ۔ یہ کارروائی پاک بھارت جنگ کے ضمن میں امریکی نقطۂ
نظر پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے اور اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ اس جنگ کے
دوران میں امریکی مساعی کا مقصد "بھارت کو مغربی پاکستان کے خاتمے سے باز رکھنا
تھا" (۷۲) ۔ تاہم امریکہ کی برائے نام حمایت مشرقی محاذ پر پاکستان کے کسی کام نہ
آسکی ۔ تاہم اس طرح امریکہ مغربی پاکستان کو بھارتی فوجوں کی پیش قدمی سے
بچانے میں یقیناً کامیاب ہوگیا ۔ اگرچہ بعض بھارتی مصنفین کا اب بھی یہ دعویٰ
ہے کہ "ہمارا مغربی پاکستان کو ختم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور ہم نے خواب
میں بھی کبھی ایسا نہیں سوچا تھا" (۷۳) ۔ تاہم ایک ممتاز اور باخبر بھارتی صحافی نے
اعتراف کیا ہے کہ "اس امر کا امکان تھا کہ بھارت کشمیر کا زیادہ سے زیادہ حصہ
پاکستان سے چھیننے کی کوشش کرتا ۔ بعض فوجی مبصرین نے گلگت پر حملے کی
تجویز بھی پیش کی تھی" (۷۵) ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ بھارت صرف آزاد کشمیر پر
قبضہ کرلینے کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ۔ کسنجر کا یہ دعویٰ بالکل بجا ہے کہ ماسکو

اور دہلی کو مغربی پاکستان کے توڑنے سے روکنے کا کارنامہ انہوں نے سرانجام دیا ۔ ان کا کہنا ہے کہ "امریکی دھمکی کے نتیجے میں روس بھارت پر دباؤ ڈالنے پر مجبور ہوگیا اور یوں جنگ بندی ممکن ہوسکی" (۶) ۔ "بلاشبہ کسنجر کی حکمتِ عملی اور وائٹ ہاؤس کے مظاہرۂ قوت نے امریکہ کے ایک پرانے حلیف اور چین کے دوست ملک کو تباہی سے بچا لیا اور یوں اس خطۂ ارض میں امریکہ کے مفادات کو مزید تقویت ملی" (۷) ۔

ملکی اور غیر ملکی پریس کے ایک حصے نے ساتویں بحری بیڑے کی آمد کو ایک "احمقانہ اقدام" قرار دیا اور کہا کہ امریکہ کی اس بے سود مشق کا نتیجہ پاکستانی عوام کی مایوسی اور بھارتیوں کی ناراضگی کے سوا کچھ نہ نکلا ۔ "دی اسپیکٹیٹر" نے اپنے تبصرے میں لکھا : "ساتوے بیڑے کی روانگی ایک لغو ترین اقدام تھا ۔ خصوصاً اس لیے کہ امریکہ کو اس بیڑے سے کوئی کام لینا مقصود نہیں تھا ۔ امریکہ نے پاکستانیوں کے لیے اپنی مدد کے بالواسطہ وعدے کو عملی شکل نہ دیکر اصل میں پاکستانیوں کی تلخی میں اضافہ کر دیا" (۸) ۔ اس تنقید کی کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں کیونکہ ساتواں جنگی بیڑہ جس مقصد کے لیے بھیجا گیا وہ باسانی حاصل کر لیا گیا تھا ۔ اگر امریکہ اس جنگی بیڑے کو حرکت نہ دیتا تو ہو سکتا ہے کہ حالات مختلف شکل اختیار کر لیتے ۔

روس اپنے بحری بیڑے کو خلیج بنگال میں داخل ہونے کا حکم دے چکا تھا ۔ امریکہ جو کہ پہلے ہی ویت نام میں بری طرح اُلجھا ہوا تھا، پاکستانیوں کی توقعات کے برعکس روس سے براہ راست تصادم کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا ۔ پاکستانیوں کو اس حقیقت کا ادراک نہ ہو سکا کہ امریکہ کی مساعی کا مقصد مغربی محاذ پر جنگ بندی سے بڑھ کر کچھ نہیں بعض مبصرین کے مطابق روس کیساتھ امریکہ کے رویے سے کسی خفیہ سمجھوتے کی بو آتی تھی ۔ ایک بھارتی مصنف کے مطابق "یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان بڑی طاقتوں کی سیاست کا نشانہ بن گیا ۔ امریکہ نے شمالی ویت نام کی فوجی ناکہ بندی کے عوض، روس کو بنگلہ دیش میں مطلوبہ رعایت دے دی ۔ چنانچہ بنگلہ دیش میں روس کا بھرم اس لیے رہ گیا کہ اسے امریکہ کی طاقت کو للکارنا نہ پڑا شمالی ویت نام میں امریکی ناکہ بندی اس لیے کامیاب رہی کہ اسے روس کا سامنا نہ کرنا پڑا" (۹) ۔ یہ نقطۂ نظر کہاں تک درست ہے ؟ اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ۔

چین

۱۹۵۰ء میں پاکستان اور چین کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ جنرل اے۔ ایم رضا کو چین میں پاکستان کا پہلا سفیر مقرر کیا گیا۔ اگرچہ کمیونسٹ اصطلاح میں پاکستان "سامراجی کیمپ" کا رکن تھا مگر چین نے پاکستان کے ساتھ مراسم نبھانے میں ہمیشہ نہایت دانشمندی کا ثبوت دیا۔ ستمبر ۱۹۵۰ء میں جب چین کی رکنیت کا مسئلہ پہلی دفعہ اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا تو پاکستان نے اسکی حمایت کی۔ بعد ازاں امریکی دباؤ کے زیرِ اثر پاکستان کی حکمتِ عملی میں تبدیلی آگئی اور ۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیان چین کی رکنیت کو مؤخر کرنے کے لیے امریکی مساعی کو پاکستان کی حمایت حاصل رہی۔ اس مسئلے پر پاکستان کے متزلزل رویئے کے باوجود چین پاکستان تعلقات کبھی بھی غیر معمولی کشیدگی کا شکار نہ ہوئے۔ ۵۰ء کے عشرے میں بھارت اور چین قریبی تعلقات میں منسلک رہے۔ ان تعلقات کو ۱۹۵۴ء میں دونوں ملکوں کے درمیان ہونے والے تجارتی سمجھوتے سے مزید فروغ ملا۔ اس تمام عرصے میں پاکستان اور چین کے درمیان رسمی تعلقات قائم رہے۔ تاہم ۱۹۵۵ء میں بنڈونگ کانفرنس میں پاکستانی وزیرِ خارجہ محمد علی بوگرہ اور چین کے وزیرِ اعظم چو این لائی کے درمیان نتیجہ خیز ملاقات ہوئی جس سے چین کو پاکستان کی اصل حیثیت کا ادراک ہوا جو امریکہ سے اشتراک کا نتیجہ تھی۔ یاد رہے کہ چین اور پاکستان کے درمیان تعلقات کی نوعیت کبھی بھی غیر معمولی طور پر خراب نہیں رہی اور اس نے کبھی بھی روس کی طرح کشمیر یا پختونستان کے مسائل پر پاکستان دشمن رویہ اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ تھا وہ پس منظر جب ۶۰ء کے عشرے میں چین اور پاکستان کے درمیان گہرے دو طرفہ تعلقات کے شاندار دور کا آغاز ہوا۔

۱۹۶۲ء میں چین اور بھارت کی سرحدی جھڑپوں نے جنوب ایشیا کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس تصادم کی وجہ سے امریکہ نے بھارت کو بھاری فوجی امداد فراہم کی۔ بھارت اور امریکہ کے تجدیدِ تعلقات کے اس دور میں پاکستان خود کو اکیلا محسوس کرنے لگا۔ مزید برآں مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے دباؤ ڈالنے کا امریکی وعدہ پورا نہ کئے جانے پر پاکستان امریکہ سے روز بروز مایوس ہوتا گیا جس

کا نتیجہ خارجہ پالیسی پر نظرِ ثانی کی شکل میں برآمد ہوا اور پاکستان چین کے مزید قریب آ گیا ۔ ۱۹۶۳ء میں پاکستان نے چین کے ساتھ اپنا ایک سرحدی تنازعہ خوش اسلوبی سے طے کر لیا اور چواین لائی اور ایوب خان نے ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء میں خیر سگالی کے دوروں کا تبادلہ کیا ۔ بھارت کے ساتھ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں چین نے پاکستان کی بھر پور امداد کی ۔ ۹ ستمبر کو وزیرِ اعظم چواین لائی نے بھارت کو کھلا جارح قرار دیا اور امریکہ اور روس پر بھی تنقید کی ۔ ۱۶ ستمبر کو چین نے بھارت کو ایک الٹی میٹم دیا جس نے اقوامِ متحدہ کو ہلا کر رکھ دیا اور بڑی طاقتوں میں تشویش کی لہر پیدا کر دی (۱۰) ۔ اس الٹی میٹم کے نتیجے میں بھارت کو مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا ۔ اس جنگ میں چین کی امداد کے سبب پاک چین تعلقات مزید مستحکم ہو گئے ۔ معاہدۂ تاشقند کے بعد کے دور میں پاک چین تعلقات کو قدرے گزند پہنچا مگر سرد مہری کا یہ عرصہ زیادہ طول نہ پکڑ سکا اور پاکستان میں اقتدار کی تبدیلی اور یحییٰ خان کی آمد سے دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کے بارے میں اپنی پالیسی پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کی ۔

یحییٰ خان کے دور میں پاک چین تعلقات میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ چین نے پاکستان کو معتدبہ اقتصادی اور فوجی امداد مہیا کرنے کا وعدہ کیا ۔ دوسری طرف ۱۹۷۱ء میں یحییٰ خان نے چین اور امریکہ کے درمیان ثالث کا اہم کردار ادا کیا ۔

مارچ ۱۹۷۱ء میں فوجی کاروائی کے بعد پاکستان کو ایک سنگین بحران کا سامنا تھا جس سے عہدہ برا ہونے کے لیے چین نے ہمیں ہر ممکن اخلاقی اور مادی امداد فراہم کی ۔ یحییٰ خان کے نام صدر پوڈ گورنی کے خط کے بعد "پیپلز ڈیلی" نے ۱۱ اپریل ۱۹۷۱ء کو ایک مضمون شائع کیا جس میں پوڈگورنی پر سخت تنقید کی گئی تھی اور ان پر الزام لگایا گیا تھا کہ بھارتی رجعت پسندوں کی طرف سے پاکستان کو لاحق خطرات سے صرف نظر کر رہے ہیں ۔ مضمون میں پاکستان کے لیے چینی امداد کی یقین دہانی کرائی گئی تھی ۔ دو ہی دن بعد یحییٰ خان کو وزیرِ اعظم چواین لائی کا مکتوب وصول ہوا جس میں انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ "اگر بھارتی توسیع پسندوں نے پاکستان کے خلاف جارحیت کے آغاز کی جرأت کی تو وطن کی سالمیت اور قومی آزادی کے تحفظ کے لیے پاکستانی حکومت اور عوام کی جدوجہد کو

ہمیشہ کی طرح چینی حکومت اور عوام کی بھرپور مدد حاصل ہوگی" (۹۱) ۔

۱۹۷۱ء کے بحران کے دوران میں چین نے پاکستان کو قابل قدر فوجی امداد فراہم کی مگر اُس کے مہیا کردہ ہتھیار بھارت کو دیئے گئے روسی ہتھیاروں سے کم معیاری تھے ۔ مزید برآں صرف اسلحہ اور جنگی سازوسامان پاکستان کی تالیف قلب کا باعث نہ بن سکا کیونکہ انہیں بھارت کے ساتھ جنگ کی صورت میں چین کی عملی مداخلت کی امید، بلکہ پورا یقین تھا ۔ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ روس کی پاکستان سے ناراضگی اور بھارت سے بڑھتی ہوئی دوستی کا سبب پاکستان کا وہ کردار ہے جو اس نے چین امریکہ تعلقات کو بہتر بنانے کیلئے ادا کیا تھا، چنانچہ چین اخلاقی طور پر پابند تھا کہ وہ اپنے قدیم ساتھی کی مدد کو پہنچے ۔ پاکستانی عوام سے قطع نظر خود امریکی حکومت کا خیال تھا کہ چین پاک بھارت جنگ میں ضرور مداخلت کرے گا ۔ چنانچہ کسنجر نے ۱۹۷۱ء میں اپنے دورۂ بھارت کے دوران میں بھارت کو بتا دیا تھا کہ "پاکستان کے ساتھ جنگ کی صورت میں چین ضرور مداخلت کرے گا اور بھارت کو کوئی مدد نہ مل سکے گی" (۹۲) ۔ کسنجر نے یہ بھی واضح کردیا تھا کہ بھارت امریکہ کے دفاعی معاہدے کا فریق نہیں ہے (۹۳) ۔ اس سے بھارت روسی دائرہ اثر کا مزید اسیر ہوگیا مگر چینی مداخلت کا خواب پورا نہ ہوا ۔

دوسری طرف اکتوبر کے مہینے میں بھارت اور چین کے درمیان تعلقات میں کچھ ایسی مثبت تبدیلیاں سامنے آئیں جن سے پاکستان اور بھارت کی ممکنہ جنگ میں چین کی عملی مداخلت مشکوک ہوگئی ۔ چین میں بھارتی ٹیبل ٹینس ٹیم کو خوش آمدید کہا گیا اور اقوام متحدہ میں چین کی شمولیت کے قومی دن کے موقع پر اندرا گاندھی کے مبارک باد کے پیغام کی خوب تشہیر کی گئی ۔ بھارت میں ان اقدامات کو چین کی طرف سے خیر سگالی کا اظہار قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ ان اقدامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چین بھارت سے اپنے تعلقات بہتر بنانا چاہتا ہے (۹۴) ۔ اس تمام عرصے میں چینی رویے پر بھارتی اخبارات کے تبصرے جاری رہے ، اور اس کا موازنہ ۱۹۶۵ء کے بحران سے کیا گیا ۔ جب چین نے نہایت تلخ رویہ اختیار کیا تھا (۹۵) ۔

حقیقت یہ ہے کہ بھارت روس معاہدے کے بعد بین الاقوامی صورت حال

ایک نئی کروٹ لے چکی تھی ۔ چین پاکستان کی مدد کر کے روس کے ساتھ براہِ راست تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا (۸۶) ۔ علاوہ ازیں اگرچہ چین نے بنگالیوں کی تحریک کو آزادی کی جدوجہد تسلیم نہیں کیا تھا ۔ تاہم کسی "عوامی تحریک" کے مقابلے میں کسی "غیر نمائندہ حکومت" کی مدد چینی پالیسی کے خلاف تھی (۸۷) یہی وجہ ہے کہ جب بھٹو کی قیادت میں پاکستانی افواج کے تینوں سربراہوں کا وفد چین کے دورے پر گیا تو وہاں انہیں ۱۹۶۵ء کے مقابلے میں بہت کم گرمجوشی سے خوش آمدید کہا گیا ۔ یہاں تک کہ اس دورے کے اختتام پر کوئی مشترکہ اعلامیہ بھی جاری نہ کیا گیا (۸۸) ۔ اس کے برعکس چینی حکام نے بھٹو کو فوجی کارروائی کے دوران مارے جانے والے ۶۰ چین نواز سیاستدانوں کی فہرست پیش کی (۸۹) ۔ پاکستان کی کمزور پوزیشن کے پیش نظر چین نے اسے مشورہ دیا کہ وہ بھارت سے جنگ کرنے سے گریز کرے اور مسئلے کا کوئی معقول حل تلاش کرے (۹۰) ۔ مگر اس وقت تک حالات بہت گھمبیر اور پیچیدہ ہو چکے تھے ، اور سیاسی سمجھوتے کا وقت گزر چکا تھا ۔ چنانچہ یحییٰ نے سوچا ہو گا کہ بہترین راستہ یہی ہے کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال دیئے جائیں اور مغربی پاکستان میں فوجی حکومت جاری رکھی جائے ۔ تاہم سرکاری طور پر بھٹو کے دورۂ چین کو مکمل طور پر کامیاب قرار دیا گیا اور بُھٹو نے کہا کہ اِس دورے نے بھارتی جارحیت کا راستہ روک دیا ہے (۹۱) ۔ یحییٰ اور بھٹو دونوں نے بھارتی حملے کی صورت میں چین کی مداخلت کے امکانات کا اظہار کیا ۔ اس موقع پر چین کے قائمقام وزیرِ خارجہ چی پنگ فی نے اپنے ملک کے مؤقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا "اگر پاکستان کے خلاف بیرونی جارحیت کا ارتکاب کیا گیا تو چین پاکستانی حکومت اور عوام کی طرف سے اپنی آزادی اور قومی سالمیت کے تحفظ کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں ان کا بھرپور ساتھ دے گا" (۹۲) ۔ مشرقی پاکستان کے بُحران کے حل کے لیے کسی معقول سمجھوتے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے چین نے اپنے اس مؤقف کو دہرایا کہ یہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے جس میں کسی دوسرے ملک کی مداخلت کی اجازت نہیں ہوگی ۔ چینی قیادت کے بیانات اس امر کے مظہر ہیں کہ چین کا وعدہ صرف سفارتی اور فوجی حد تک محدود تھا اور یہ کہ پاک بھارت جنگ کی صورت میں چین کی عملی مداخلت کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا ۔ چی پنگ فی کی طرف سے سیاسی

سمجھوتے کا مشورہ اور پاک بھارت تنازعہ کے بارے میں چینی قیادت کا معتدلانہ طرزِ عمل بھارتیوں کے لیے وجۂ اطمینان ثابت ہوا ۔ (۹۳) ۔ بعض مبصرین کے مطابق یحییٰ خان کی طرف سے چینی مداخلت کی دھمکیوں کا مقصد ہندوستانی قیادت کو تذبذب کا شکار کرنا تھا ۔ (۹۴)

- بھارتی مصنفین بھٹو پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے یحییٰ خان کو یہ یقین دلا کر گمراہ کیا تھا کہ چین نے پاک بھارت جنگ کی صورت میں مداخلت کی پیشکش کی ہے ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چینی قیادت نے پاکستان کو احتیاط سے کام لینے اور بھارت کے خلاف تصادم آرائی سے گریز کرنے کا مشورہ دیا تھا (۹۵) ۔ ان مصنفین کے مطابق یحییٰ خان نے اسی تاثر کی بنا پر جنرل نیازی کو چینی حملے کی یقین دہانی کرائی تھی ۔ لیکن بھارتیوں کا یہ مؤقف حقائق پر مبنی نہیں اور عام بھارتی پروپیگنڈے کا حصہ نظر آتا ہے ۔ یاد رہے کہ پاکستانی قوم کو چینی مداخلت کی یقین دہانی سب سے پہلے یحییٰ خان نے کرائی تھی ۔ کولمبیا براڈ کاسٹنگ سسٹم کے تھامس فینٹم سے ۵ نومبر کو جبکہ بھٹو چین کے لیے روانہ ہو رہے تھے ، ایک انٹرویو میں یحییٰ خان نے صاف الفاظ میں کہا کہ بھارتی حملے کی صورت میں چین کی مداخلت یقینی ہے (۹۶) ۔ چینی مداخلت کے سلسلہ میں بھٹو کا بیان ۱۳ نومبر کو یعنی ایک ہفتے بعد منظرِ عام پر آیا ۔ بھٹو کے اس بیان کو سرکاری تائید حاصل نہ تھی ، نہ اسے سرکاری پالیسی کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے ۔ تاہم سربراہِ مملکت کی حیثیت سے یحییٰ خان کا بیان پاکستانی عوام اور فوج کے نزدیک ، چین کی طرف سے پختہ یقین دہانی کے مترادف تھا ۔ مزید برآں یحییٰ خان آخر دم تک یہ کہتے رہے کہ بیرونی دوستوں کی مدد پہنچنے ہی والی ہے اور یہ کہ مشرقی پاکستان میں حالات قابو میں ہیں (۹۷) ۔ ظاہر ہے کہ وہ سب کو اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کر رہے تھے ورنہ صدرِ پاکستان سے زیادہ باخبر کون ہو سکتا ہے ؟

دوسری طرف بھٹو اپنی سیاسی مہم کو بدستور جاری رکھے ہوئے تھے اور وہ عوامی جلسوں میں اپنی بلند آہنگ تقریروں کے ذریعے عوام کا حوصلہ بڑھا رہے تھے ۔ ۴ نومبر کو انہوں نے راولپنڈی میں کہا کہ "اگر بھارت نے حملہ کیا تو ہم گنگا کا رنگ تبدیل کر دیں گے ۔" اپنی اسی تقریر میں انہوں نے مزید کہا اُن کی پارٹی متضاد عناصر اور شخصیتوں پر مشتمل کسی حکومت میں شامل نہیں ہوگی ۔ انہوں

نے کہا کہ وہ یہ امید تو نہیں رکھتے ، لیکن کوئی حکومت یک طرفہ طور پر قائم کی گئی تو یہ چالیس دن سے زیادہ نہیں چل سکے گی (۹۸) ۔ اور ٹھیک چالیسویں دن ۱۵ دسمبر کو پاکستانی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے ۔ ذرا پیش گوئی کی سچائی پر غور کیجئے !!

چینی مداخلت کے بارے میں یحییٰ خان کا اعلان حقائق پر مبنی نہیں تھا ۔ اس کے باوجود اقوامِ متحدہ میں بعض پاکستانی نمائندے نجی گفتگوؤں میں یہ دعویٰ کرتے رہے کہ "چین نے ہم سے جنگ میں شریک ہونے کا وعدہ کر رکھا ہے" (۹۹) ۔ جنرل فضل مقیم کے مطابق چیف آف سٹاف نے جنرل نیازی کو چین کی طرف سے "بہت جلد اقدام" کا پیغام دیا ۔ چنانچہ جنرل نیازی نے چین کی مدد کے لیے زور دینا شروع کر دیا ۔ ۷ دسمبر کو گورنر مالک نے بھی صدر یحییٰ سے درخواست کی "اگر کسی بیرونی دوست کی مدد کی توقع ہے تو اگلے ۴۸ گھنٹوں کے دروان امدادی کارروائی کو روبہ عمل ہو جانا چاہیئے ۔۔۔ بصورتِ دیگر پُر امن انتقال اقتدار کے لیے مذاکرات شروع کئے جائیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ۸ دسمبر کو ہائی کمان نے گھبرا کر گورنر مالک کو اطلاع بھیجی کہ "چینی میدان میں کود پڑے ہیں" (۱۰۰)

آؤٹ لُک کا یہ تجزیہ بالکل درست تھا کہ "چینی امداد کے بارے میں یحییٰ خان کی بار بار یقین دہانیاں کلیتاً بے بنیاد تھیں اور ان کا مقصد مشرقی پاکستان میں آرمی کمانڈر کو بے وقوف بنانے کے سوا کچھ نہیں تھا" (۱۰۱) ۔ فضل مقیم نے جس حقیقت کا افشا نہیں کیا وہ یہ ہے کہ صدر نے اے کے مالک کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ۱۰ دسمبر کو اڑھائی بجے دوپہر چینی فوج کا ایک چھاتہ بردار بریگیڈ پاکستانی فوج کی مدد کے لیے ڈھاکہ میں اترے گا ۔ گورنر مالک اور ان کے رفقائے کار تمام دن چھاتہ برداروں کا انتظار کرتے رہے مگر ۔۔۔ ع "کوئی مسیحانہ ایفائے عہد کو پہنچا" ۔۔۔۔ اور ہوا یہ کہ ایک محاذ پر بھارتی فوج کے گو رکھا چھاتہ بردار سپاہی بحفاظت زمین پر اترنے میں کامیاب ہوگئے اور پاکستانی فوج نے انہیں چینی فوج سمجھتے ہوئے نشانہ بنانے سے گریز کیا ۔ دوسری طرف گورنر مالک نے صدر یحییٰ سے فون پر رابطے کے لیے سر توڑ کوششیں کیں ۔ مگر یحییٰ خان

مسلسل انکار کرتے رہے ۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے یحییٰ خان دانستہ سقوط کا انتظار کررہے تھے (۱۰۲)

مندرجہ بالا حقائق سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۵ء کے بعد سے حالات کافی تبدیل ہوچکے تھے اور ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگ میں چین کی براہ راست مداخلت کی توقع حقیقت پسندانہ سوچ نہیں تھی ۔ ۲ جنوری ۱۹۷۲ء کو وزیر اعظم چو این لائی کا یہ بیان کہ پاکستان کے لیے چین کی مدد "ماضی میں محدود رہی ہے"۔ اور "چین اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا ۔" اپنے پس منظر میں کئی عوامل کی نشاندہی کرتا ہے ۔ ۱۹۷۱ء کے آغاز ہی میں ۱۹۶۵ء کی نسبت چین کے رویے میں واضح تبدیلی محسوس کی جانے لگی تھی ۔ چینی قیادت اپنے رویے میں محتاط تھی اور اس نے اپنے بیانات میں براہِ راست مداخلت کے امکانات کی طرف کبھی اشارہ نہیں کیا تھا ۔ چین کا مؤقف تھا کہ یہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے اور اس میں کسی بیرونی طاقت کی دخل اندازی "دنیا کے تمام انصاف پسند ممالک کے لیے باعثِ تشویش ہے" (۱۰۳) ۔ بھارت کے ساتھ چین کی دشمنی ۱۹۶۵ء کے مقابلے میں کہیں کم ہو چکی تھی (۱۰۴) ۔ تاہم چین کو براہِ راست مداخلت سے باز رکھنے میں سب سے اہم کردار بھارت روس معاہدے نے ادا کیا ۔ چین کی مداخلت کا سیدھا سادا مطلب بھارت کی جانب سے روس کی جنگ میں شمولیت تھا (۱۰۵) ۔ چین نے پورے شدّومد کے ساتھ اصول بقائے باہمی کی حمایت ، اور تنازعات کے حل کے لیے طاقت کے استعمال کی مخالفت کی ۔ ۶ نومبر کو بھٹو کے اعزاز میں دی گئی ایک ضیافت میں چین کے قائم مقام وزیرِ خارجہ نے بھارت اور پاکستان سے درخواست کی کہ وہ اپنی سرحدوں پر کشیدگی کم کرنے کے لیے مذاکرات کریں ۔ تقریباً پندرہ روز بعد چو این لائی نے امریکہ کو متنبہ کیا کہ اگر ایک دفعہ جنگ چھڑ گئی تو نقصان دونوں فریقوں کا ہوگا ۔ ہم پاکستان کی بھر پور حمایت کرتے ہیں ۔ بھارت کو آخر کار اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور اس کے بعد سے برِصغیر میں امن کا تصور عنقا ہو کر رہ جائے گا ۔ ان تمام بیانات میں چین کی طرف سے عملی مداخلت کا مخفی یا بلاواسطہ کوئی وعدہ موجود نہیں ہے ۔ چنانچہ چین کی طرف سے مشرقی پاکستان میں مداخلت کی یقین دہانی پروپیگنڈا کے سوا کچھ نہیں تھی ۔

حواشی

:۱ Pravda، ۱۲ اور ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء

:۲ New Times، ۴ جولائی ۱۹۴۷ء

3. "Borderlands of South Central Asia - India and Pakistan" Central Asian Review, No. 2, pp. 163–209.

:۴ وجے لکشمی نے اپنے کاغذاتِ نامزدگی ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو روسی صدر کو پیش کئے۔

5. Alan Cambell – Johnson, Mission With Mountbatten, p -114
6. G.W. Choudhury, India Pakistan, Bangladesh and Major Power pp.12–13.

:۷ این ۔ اے بلگانن اور این ایس خروشیف،

Visit of Friendship to India and Afghanistan

:۸ این ، ایس راج، India in World Affairs

:۹ The New Times، ۹ نومبر ۱۹۵۴ء، ص ۔ ۱۸

:۱۰ Pravda (ماسکو) ۱۴، مئی اور ۲۲ جون ۱۹۶۰ء

:۱۱ The Times (لندن)، ۲۴ فروری ۱۹۶۱ء

:۱۲ Pravda، ۱۹ ستمبر ۱۹۶۳ء

:۱۳ سیکیورٹی کونسل آفیشل ریکارڈ اجلاس فروری ۱۹۶۴ء

:۱۴ Pravda، ۴ اگست ۱۹۶۵ء

15. G.W. Choudhury, 'India , Pakistan, Bangladesh and Major Powers , p.57

:۱۶ ایضاً، ص ۔ ۶۱ ۔

:۱۷ The Pakistan Times، ۱۱ جولائی ۱۹۷۱ء

18. Robert Jackson South Asian Crisis, p–39

:۱۹ یحییٰ کا ۳ اپریل کا جواب ۔

:۲۰ بحوالہ رابرٹ جیکسن ، ص ۔ ۷۱

:۲۱ جے اے نائیک نے اپنی تصنیف India , Asia, China, Bangladesh میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے ۔

:۲۲ The Telegraph (لندن) ، ۷ دسمبر ۱۹۷۱ء

:۲۳ The Sunday Times, (لندن) ، ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء (ملاحظہ ہو ہنری براندسن کی رپورٹ)

:۲۴ امریکی کانگرس میں صدر نکسن کی خارجہ پالیسی کے بارے میں رپورٹ ۹ فروری ۱۹۷۱ء

:۲۵ The Times, (لندن) ۶ نومبر ۱۹۷۱ء

:۲۶ Dawn دسمبر ۱۹۷۱ء ، سوویت یونین نے اس الزام کی تردید کی مگر پاکستانی فضائیہ کے سربراہ نے ایک پریس کانفرنس میں اس الزام کا اعادہ کیا ۔ ملاحظہ ہو The Telegraph (لندن) ۲۸ فروری ۱۹۷۱ء

:۲۷ The New York Times ، ۳۱ مارچ ۱۹۷۲ء مزید ملاحظہ ہو The Herald Tribune, Paris ۱۷ جنوری ۱۹۷۲ء

:۲۸ سیکیورٹی کونسل میں موجود ایک اعلیٰ سرکاری اہل کار سے انٹرویو ۔

:۲۹ بحوالہ کلدیپ نیئر، ص ۔ ۱۸۱ ۔

:۳۰ Dawn ، کراچی ۱۲ دسمبر ۱۹۷۱ء

31 Documents on International Affairs 1950 (London: Royal Institute of International Affairs , pp. 25–28.

:۳۲ The New York Times ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء

33. Documents on International Affairs. 1953.

:۳۴ The Dawn ۲۰ جولائی ۱۹۶۱ء مزید ملاحظہ ہو ایم ایوب خان "Friends Not Masters"

35 Z. A. Bhutto . The Myth of Independence. pp 62–138

36 G W Choudhury. India, Pakistan, Bangladesh and Major Powers. p 108

:۳۷ ایضاً ۔

38 U S Foreign Policy for the 1970's - A New Strategy for Peace

39. Keesings. op . cit., p– 25071.

:۴۰ ایضاً ۔

41. Marvin Kalb and Bernard Kalb, Kissinger, p. 258.

:۴۲ U.S News and World Report, ، ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء

:۴۳ "Newsweek" ، ۱۷ جنوری ۱۹۷۲ء ص ۱۰

44. Marvin Kalb and Bernard Kalb. op cit . p–258

:۴۵ ایضاً ۔

:۴۶ کانگریس میں صدر نکسن کی خارجہ پالیسی پر تیسری سالانہ رپورٹ ۹ فروری ۱۹۷۲ء

:۴۷ تفصیلات کے لیے ۔ ایضاً ۔

۴۸: ایضاً ۔

49. Marvin Kalb and Bernard Kalb , op.cit., p-258 Also see Times (Magazine) 20 December, 1971.

۵۰: بحوالہ جی ڈبلیو چودھری، ص ۔ ۱۹۷، ۹۹

51. Bangladesh Documents, 1, p-685.

۵۲: ایک اعلیٰ آرمی افسر نے اس امر کی تصدیق کی کہ انہیں جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنے خفیہ ذرائع سے بھارت کے جنگی پلان کی نقل موصول ہو چکی تھی ۔

53. Robert Jackson, op.cit, p-98.

۵۴: ایضاً، ص ۔ ۹۹

۵۵: The Times ، (میگزین) ۲۰ دسمبر ص ۔ ۱۲

۵۶: ایضاً ۔

57. Marvin Kalb and Bernard Kalb , o.p cit., p 259

۵۸: ایضاً ، ص ۔ ۲۶۰

۵۹: ایضاً ۔

۶۰: ایضاً ۔

۶۱: The New York Times, ، یکم جنوری ۱۹۷۲ء

۶۲: Weekly Times, ، ۲۷ دسمبر ۱۹۷۱ء ص ۶

۶۳: News week, ۱۷ جنوری ۱۹۷۲ء ص ۱۲

۶۴: The New York Times ، یکم جنوری ۱۹۷۲ء

65. Keesings, op, cit, 29 January – 5 February 1972

۶۶: ایضاً ۔

۶۷: بحوالہ کلدیپ نیر ، ص ۔ ۱۸۸

68. Strategic Survey, London, 1971, p-47.
69. Keesings, op.cit., p-25071.

۷۰: ایضاً ۔ ص ، ۷۰۔۲۵

۷۱: ایضاً ۔ ص ، ۷۲۔۲۵

۷۲: ہنری کسنجر کے زیرِ اہتمام واشنگٹن اسپیشل ایکشن گروپ کے اجلاس کی کارروائی سے اقتباسات ، "Newsweek" ۱۷ جنوری ۱۹۷۲ء، ص ۔ ۱۰

۷۳: The Indian Express ، ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء

74. G.S. Bhargave, op. cit., p. 89

۷۵: ایضاً، ص ـ ۹

76. Marvin Kalb and Bedrnard Kalb, op.cit., p–262

۷۷: ایضاً، ص ـ ۳۶ـ۲۶۲

78. The Spectator, 25 December 1971, p–924.
79. Arun Bhattacharjee, op.cit., p–208.
80. S.M. Burke, Pakistan's Foreign Policy, p–347.

۸۱: The Times of India، ۱۴ اپریل ۱۹۷۱ء

82. Daedalus, vol 101 No. 9 (Fall 1972) p–33. Quoted by Wayne Wilcox, The Emergence of Bangladesh, p–36.

۸۳: The Daily Telegraph (لندن)، ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء

۸۴: بحوالہ رابرٹ جیکسن ص ۹۴

۸۵: ایضاً، ص ـ ۹۵

۸۶: The Times Weekly، ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء، ص ـ ۱۱

۸۷: Kayhan International، (تہران) ۱۱ مارچ ۱۹۷۲ء (اداریہ)

88. Keesing op.cit., p–24994

۸۹: جی ڈبلیو چودھری، ص ـ ۱۱۹

۹۰: The Times Weekly، ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء (مسز سلطان ایم خاں) سابق سیکرٹری خارجہ نے ایک مضمون میں انکشاف کیا کہ چین نے اپریل ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے مسئلہ پر سیاسی حل اور محدود فوجی کارروائی کا مشورہ دیا تھا ـ

۹۱: The Dawn (کراچی) ۸ـ۹ نومبر ۱۹۷۱ء

۹۲: The Peking Review، (پیکنگ) ۱۲ نومبر ۱۹۷۱ء

۹۳: بحوالہ محمد ایوب خان اور کے سبرامنیم، ص ـ ۲۰۶

۹۴: ایضاً، ص ـ ۲۰۵ اور بحوالہ رابرٹ جیکسن، ص ـ ۹۴

۹۵: کلدیپ نیر کے مطابق یحییٰ خان نے حمود الرحمن کمیشن میں بیان دیا تھا کہ بھٹو نے چین سے واپسی کے بعد حکومت کو یقین دلایا تھا کہ اگر جنگ چھڑی تو چین، مشرقی پاکستان میں براہِ راست مداخلت کرے گا ـ

۹۶: The Dawn، ۹ نومبر ۱۹۷۱ء

۹۷: یحییٰ خان نے یہ یقین دہانی پاکستان کے نامزد وزیرِ اعظم نورالامین کو ۱۱ دسمبر ۱۹۷۱ء کو کرائی تھی ـ ملاحظہ ہو نورالامین کا انٹرویو، ہفت روزہ "زندگی" لاہور ۲۴، ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء، ص ـ ۷

:۹۸ The Dawn ، ۵ نومبر ۱۹۷۱ء

:۹۹ The Economist (لندن) ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء

100. Fazal Muqeem, Pakistan's Crisis in Leadership, pp.174 75

:۱۰۱ The Outlook ، کراچی ۲۵ مئی ۱۹۷۲ء

:۱۰۲ مصنف سے ایک عینی شاہد کی گفتگو۔

:۱۰۳ بحوالہ کے، سبرامنیم ، ص۔ ۱۱۶

:۱۰۴ ایضاً۔

105. Pakistan Horizon, The India Pakistan War 1971, Special Number, Published by the Institute of International Affairs, Karachi, p-61.

باب ۸

اور پاکستان ٹوٹ گیا

مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے بعد مجیب کو گرفتار کر لیا گیا اور عوامی لیگ کے ممتاز رہنما فرار ہو کر بھارت چلے گئے ۔ اس طرح بھٹو کو جو کہ دوسری اکثریتی پارٹی کے سربراہ تھے، قومی لیڈر کا کردار ادا کرنے کا نادر موقع حاصل ہو گیا ۔ انہوں نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری قوم کے ترجمان کا منصب سنبھال لیا اور خود کو یحییٰ کے بعد ملک کا اہم ترین فرد سمجھنے لگے (۱) ۔ اپریل سے جنگ کے آغاز تک بھٹو اپنی تقاریر میں سارا زورِ بیان انتقالِ اقتدار پر صرف کرتے رہے ۔ ان کا خیال تھا کہ صرف نمائندہ حکومت ہی ملک کو درپیش سیاسی بحران کو حل کر سکتی ہے (۲) ۔ آغاز میں بھٹو انتقال اقتدار کے سلسلہ میں بہت پُرامید تھے ۔ اور انہوں نے ۲۹ مئی کو حیدرآباد میں پارٹی کارکنوں کو بتایا کہ صدر نے وعدہ کیا ہے کہ اقتدار تین ماہ کے اندر منتقل کر دیا جائے گا ۔ مگر ۱۰ اگست کو صدر سے ملاقات کے بعد وہ قدرے مایوس دکھائی دینے لگے ۔ بعض اوقات یہ محسوس ہوتا جیسے وہ اقتدار کے حصول کے لیے بے صبر ہو رہے ہوں (۳) ۔ دوسری طرف چھوٹی سیاسی جماعتیں بھٹو کے مطالبۂ اقتدار کے خلاف تھیں ۔ ۱۱ جون کو مشرقی پاکستان کی جماعتِ اسلامی کے امیر پروفیسر غلام اعظم نے کہا کہ جن منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل ہونا تھا وہ غدار قرار دیئے جا چکے ہیں ۔ کونسل

مسلم لیگ کے رہنما ممتاز دولتانہ نے کہا کہ بھٹو کا مطالبۂ اقتدار غداری سے کم نہیں (۴) ۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا ، حکومت کے خلاف بھٹو کی تنقید میں شدت آتی گئی (۵) ۔ انہوں نے اپنے بیانات اور تقریروں میں حکومت کے ساتھ اپنے اختلاف پر زور دینا شروع کر دیا ۔ یہ اختلاف اہم قومی مسائل مثلاً آئینی امور، طریقۂ انتخاب، جداگانہ یا مخلوط انتخابات اور نئے انتخابات کے انعقاد سے متعلق تھے ۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ قومی اسمبلی کا اجلاس جلد سے جلد طلب کیا جائے اور مشرقی پاکستان میں ممکنہ حد تک کم سے کم نشتوں کو خالی قرار دے دیا جائے ۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے مسئلہ کے فوجی حل کی مخالفت کی اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان مصالحت کی ضرورت پر زور دیا ۔ ایک موقع پر انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ضروری ہوا تو وہ شیخ مجیب الرحمن کو وزیرِاعظم تسلیم کرتے ہوئے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہونے کے لئے تیار ہیں ۔ مگر یہ ایک بعد از وقت پیش کش تھی ۔ تاہم ان کے بیانات کو بنگالی اراکین اسمبلی کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش قرار دیا گیا ۔ حکومت کے خلاف بھٹو کی بیان بازی کے نتیجے میں پریس نے ان کے خلاف محاذ آرائی کا آغاز کر دیا اور حکومت کے زیر اثر اخبارات نے الزام لگایا کہ بھٹو ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہیں ۔ دوسری طرف یحیی، بھٹو اور ان کے حواریوں کے درمیان ملاقاتوں کے سلسلے نے بھٹو اور یحیی کے درمیان سازباز کا تاثر دیا مگر حقیقت یہ تھی کہ ہر کوئی دوسرے کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

۲۸ جون کو یحیی خان نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے مجیب پر علیحدگی کا الزام عائد کیا (۶) اور اعلان کیا کہ ماہرین کی ایک جماعت آئین تیار کرے گی ۔ جس میں قومی اسمبلی ترمیم کرنے کی مجاز ہو گی ۔ انہوں نے اسمبلیوں میں خالی نشستوں کو ضمنی انتخابات کے ذریعے پُر کرنے کا بھی اعلان کیا ۔ انہوں نے ان سیاسی جماعتوں پر پابندی کے امکانات کی طرف بھی اشارہ کیا جو عملاً قومی حیثیت کی حامل نہیں ہیں ۔

بھٹو نے اس تقریر پر اپنے ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آئین سازی

کا حق نامعلوم ماہرین کی بجائے صرف منتخب عوامی نمائندوں کو حاصل ہے ۔ انہوں نے علاقائی جماعتوں پر پابندی کی تجویز پر بھی تنقید کی اور کہا کہ اس طرح پیپلز پارٹی جیسی جماعت کو بھی، جسے مغربی پاکستان سے نشستوں کی ایک بڑی تعداد حاصل ہے، علاقائی جماعت قرار دیا جا سکتا ہے اور کسی بھی چھوٹی جماعت کو جس کے پاس دونوں حصوں سے ایک ایک دو دو نشستیں ہیں، قومی جماعت کہا جا سکتا ہے ۔ انہوں نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر ان کی جماعت پر پابندی عائد کی گئی تو "اس کے نتائج ساری دنیا دیکھے گی"۔ (۰) انہوں نے اعلان کیا کہ یا تو نومبر تک ملک کی صورت حال ان کے کنٹرول میں ہو گی یا پھر وہ جیل میں ہوں گے (۱) ۔ انہوں نے کہا کہ بھارتی دھمکیوں کے پیش نظر یہ امر اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اقتدار سیاسی جماعتوں کے حوالے کر دیا جائے ۔ مشرقی پاکستان میں ضمنی انتخابات پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر یہ انتخابات آزادانہ ماحول میں ہوئے تو وہ ان میں بامسرت شریک ہوں گے ۔ لیکن "اگر مقصود صرف عوامی لیگ کی جگہ آرمی لیگ کو لانا ہے تو ہمیں اس موضوع پر دوبارہ سوچنا ہو گا" (۹) ۔

۱۹ جولائی کو یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ مجیب کے مقدمے کی سماعت فوجی عدالت بند کمرے میں کرے گی اور الزامات کی نوعیت کے پیش نظر مجیب کو سزائے موت بھی دی جا سکتی ہے ۔ ۳ ستمبر کو ڈاکٹر اے ۔ ایم ۔ مالک (۰) اور جنرل نیازی علی الترتیب مشرقی پاکستان کے گورنر اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیے گئے ۔ اس تبدیلی کے بعد بھٹو کے موقف میں مزید سختی آگئی ۔ اور انہوں نے "حتمی اور مکمل انتقال اقتدار" کا مطالبہ پیش کیا (۰) ۔ ڈاکٹر اے ۔ ایم ۔ مالک کی تعیناتی پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے کہا وہ مارچ سے انتقال اقتدار کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اگر اس میں تاخیر کی گئی تو صورت حال مزید خراب ہو جائے گی ۔

ڈاکٹر اے ۔ ایم ۔ مالک کی حکومت کا پہلا اقدام ان لوگوں کے لیے معافی کا اعلان تھا جنہوں نے مارچ اور اس کے بعد مبینہ طور پر جرائم کا ارتکاب کیا تھا ۔ اس فیصلے کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کی جیلوں سے قیدیوں کی ایک بڑی تعداد کو رہائی ملی ۔ دریں اثناء ڈاکٹر مالک عوامی لیگ کے جلاوطن لیڈروں سے

رابطہ قائم کر چکے تھے اور یہ بات ان کے علم میں آچکی تھی کہ یہ جلاوطن راہنما بھارت سے مایوس ہو چکے ہیں، کیونکہ انہیں یہ احساس ہوگیا تھا کہ بنگالیوں سے بھارتی حکومت کے تعاون کا مقصد بنگالیوں سے ہمدردی کی بجائے محض پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا ۔ چنانچہ ڈاکٹر اے ۔ ایم ۔ مالک نے تارکینِ وطن سے بار بار اپیل کی کہ وہ وطن واپس آجائیں ۔ مگر ان پر اس لیے عمل نہ ہو سکا کہ بھارتی انتظامیہ نے عوامی لیگی راہنماؤں کو کڑی نگرانی میں رکھا ہوا تھا (۱۲) ۔ اور اگر وہ چاہتے بھی تو ان کی واپسی ممکن نہیں رہی تھی ۔

اگست میں حکومت نے مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ان ۸۸، اراکین اسمبلی کی فہرست جاری کی جنہیں تمام الزامات سے بری قرار دے کر ان کی نشستوں کو برقرار رکھا گیا تھا ۔ اس فیصلے سے مشرقی پاکستان کے ۷۹ اراکین اسمبلی متاثر ہوئے جنہیں الزامات کی صفائی پیش کرنا تھی اور شیخ مجیب اور ڈاکٹر کمال کی نشستیں خالی قرار دے دی گئیں ۔ بعد ازاں یہ اعلان کیا گیا کہ ضمنی انتخابات کا انعقاد ۲۵ نومبر سے ۹ دسمبر تک ہو گا اور قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۷ دسمبر کو بلایا جائے گا ۔ ۱۵ اکتوبر تک ۱۵ نشستیں بلامقابلہ انتخاب کے ذریعے پُر ہو چکی تھیں بلامقابلہ منتخب ہونے والے اراکینِ اسمبلی کی سیاسی وابستگیوں کی تفصیل درجِ ذیل ہے ۔

(۱)	پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی	۵
(۲)	جماعتِ اسلامی	۵
(۳)	کنونشن مسلم لیگ	۲
(۴)	قیوم مسلم لیگ	۱
(۵)	نظامِ اسلام پارٹی	۲

بلامقابلہ انتخاب ڈرامے سے زیادہ نہیں تھا کیونکہ یہ امر کوئی راز نہیں تھا کہ مشرقی پاکستان کی فوجی انتظامیہ نے یہ نشستیں اسلام آباد کی منظوری سے خود تقسیم کی تھیں (۱۳) ۔ کچھ علاقوں میں مقامی انتظامیہ نے بعض امیدواروں سے یہ فرمائش کرنے سے بھی گریز نہ کیا کہ وہ سرکاری امیدوار کے حق میں دستبردار ہو جائیں ۔ الغرض یحییٰ خان کی حکومت کی طرف سے مشرقی پاکستان میں کی جانے والی مصالحتی کوششیں، جن میں ضمنی انتخابات کا انعقاد بھی شامل تھا، اتنی سطحی تھیں

کہ ان کے ذریعے حالات کو معمول پر لانے کی توقع بے سود تھی ۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ تیزی سے ٹوٹ رہا تھا، اور مشرقی پاکستان کے افق پر منڈلانے والی تباہی سے بچنے کا واحد راستہ سیاسی حل میں مضمر تھا۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس عرصہ میں مکتی باہنی کے گوریلوں کی سرگرمیاں اپنے عروج کو پہنچ چکی تھیں اور مشرقی پاکستان خانہ جنگی کا منظر پیش کر رہا تھا ۔

دوسری طرف بین الاقوامی محاذ پر بھارت نے سیاسی حل کے لیے پاکستان پر سفارتی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی ، جس کا مقابلہ حکومتِ پاکستان نے کامیابی سے کیا اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ مشرقی پاکستان کا بحران پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے ۔ پاکستان نے اپنی خودمختاری پر اصرار کرتے ہوئے بین الاقوامی اداروں کے نمائندوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ اپریل کے وسط تک پاکستان بڑی حد تک اپنے مؤقف کی تائید میں بین الاقوامی برادری کی رائے حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا ۔ چین اور بعض دوسرے ممالک نے بین الاقوامی برادری کو اس مؤقف کی حقانیت کا یقین دلانے کے لیے پاکستان کی کوششوں میں برابر کا ساتھ دیا کہ مشرقی پاکستان میں ہونے والے واقعات پاکستان کا خالص اندرونی مسئلہ ہے ۔ مئی کے آغاز تک مشرقی پاکستان کے حالات بڑی حد تک معمول پر آ چکے تھے جس کے نتیجے میں پاکستان نے اقوامِ متحدہ کو امدادی اور بحالیاتی سرگرمیاں شروع کرنے کی اجازت دے دی ۔

سفارتی دباؤ کے ذریعے اپنے مقصد میں ناکام ہونے کے بعد بھارت نے مہاجرین کے مسئلہ کو پاکستان کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ کس طرح بھارت نے تارکینِ وطن کو تحریک آزادی کے مجاہد بنا کر پیش کیا اور ایک منظم پروپیگنڈا مہم کے ذریعے مشرقی پاکستان کے مسئلے میں فریق بننے کے لیے مصر رہا ۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ پڈگورنی کے خط کے جواب میں یحییٰ کے تند و ترش لہجے نے روسی حکومت کو ناراض کر دیا تھا اور اس نے مشرقی پاکستان کی صورت حال کے بارے میں اپنے رویے پر نظر ثانی شروع کر دی تھی ۔ آخر کار روس نے غیر جانبداری کی پالیسی کو خیرباد کہہ دیا اور بھارت کے ساتھ اس کے تعلقات گہرے ہوتے گئے ۔ دریں اثنا بھارت نے مہاجرین کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور سرحدوں پر اقوامِ متحدہ کی خدمات کی پیشکش مسترد کر دی ۔

جلاوطن بنگالی رہنماؤں نے بھی اقوام متحدہ کی بحالیاتی کوششوں کے خلاف بھارت کی مہم کی حمایت کی ۔

جون میں مون سون کے دوران بھارت نے پاکستان کے خلاف جارحانہ مہم کا آغاز کیا ۔ اس مہم کا مقصد پلوں کی تباہی کے ذریعے ذرائع مواصلات میں رکاوٹ ڈالنا اور عوام کو دہشت زدہ کرنا تھا ۔ یحییٰ خان نے معتدل مزاج بنگالیوں کی تالیف قلب کے لیے سیاسی سرگرمیوں کی بحالی کا وعدہ کیا مگر ان کی یہ نیم دلانہ کوشش کسی منظم اقدام اور واضح پروگرام کی عدم موجودگی اور اعتماد کی کمی کی وجہ سے نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی ۔

جولائی میں اوتھاں نے مہاجرین کی واپسی میں مدد کے لیے مشرقی پاکستان کی سرحد کے دونوں طرف اقوام متحدہ کے نمائندے متعین کرنے کی تجویز پیش کی ۔ بعد ازاں یہ تجویز انہوں نے سیکورٹی کونسل کے سامنے بھی رکھی ۔ یحییٰ نے یہ تجویز فوری طور پر منظور کر لی مگر بھارت نے اسے مسترد کر دیا ۔

اس وقت تک کسنجر کے دورۂ چین اور جولائی میں نکسن کے اعلان کے نتیجے میں چین اور امریکہ تعلقات میں ایک نمایاں تبدیلی کی بنیاد رکھی جا چکی تھی ۔ اس تبدیلی کے بعد بھارت کے لیے مشکل تھا کہ وہ کسی سپر طاقت کا قرار واقعی تعاون حاصل کیے بغیر مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندوں کی حمایت جاری رکھے ۔ دریں اثناء روس بھی مختلف وجوہ کی بنا پر بھارت سے قریبی تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا ۔

اگست ۱۹۷۱ء میں بھارت اور روس کے درمیان معاہدہ پر دستخط ہونے کے بعد روس نے پاکستان کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کر لیا اور واضح کیا کہ مشرقی پاکستان کے بحران میں امریکہ کو ملوث کرنے کی ہر کوشش ناکام بنا دی جائے گی ۔ روس کی اس دھمکی نے بھارت کا حوصلہ مزید بڑھا دیا اور اس نے مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کے ذریعے اپنی کاروائیوں میں اضافہ کر دیا ۔ ستمبر اور اکتوبر کے مہینوں میں روس نے مشرقی پاکستان کے سیاسی حل کے لیے اپنی آخری کوشش کی اور بھارت پر زور ڈالا کہ وہ بنگلہ دیش کی تحریک کی حمایت کم کر دے ۔ مگر یحییٰ

خان کے ۱۲ اکتوبر کے خطاب کے بعد روسی اس نتیجے پر پہنچے کہ پاکستان ابھی کسی ایسے سمجھوتے کے لیے تیار نہیں جس کا مقصد مجیب کی رہائی اور دونوں صوبوں کے درمیان کنفیڈریشن کا قیام ہو (۱۶) ۔ اکتوبر کے بعد بھارت کے لیے روسی امداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور جنگ ناگزیر نظر آنے لگی ۔ دوسری طرف پاکستان متوقع جنگ میں امریکہ اور دوسری عالمی طاقتوں کی مداخلت پر غیر معمولی انحصار کیے ہوئے تھا ۔ شاید یہی وجہ تھی کہ پاکستان نے ۳ دسمبر کو مغربی سرحد پر نیا محاذ کھول کر جنگ کو وسعت دینے کا فیصلہ کیا ۔ مگر اب صورتِ حال پاکستان کے بس سے باہر ہو چکی تھی ۔

نومبر تک پوری پاکستانی قوم علاقائی اختلافات اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر ہونے والی دیگر سیاسی تبدیلیوں کے سبب دل شکستہ ہو چکی تھی ۔ مشرقی پاکستان کی آبادی کا بڑا حصہ فوج کے خلاف ہو چکا تھا اور فوجی کاروائی اور اس کے بعد فوجی انتظامیہ کی غیر دانشمندانہ حکمتِ عملی سے حکومت پر عوام کا اعتماد بحال نہ ہو سکا تھا ۔ فوجی جوان کئی مہینوں سے مورچوں میں پڑے تھے اور مناسب آرام اور خوراک نہ ملنے کی وجہ سے ان کے حوصلے متاثر ہو چکے تھے ویسے بھی فوج اتنی بلند حوصلہ نہ تھی جتنی ۱۹۶۵ء میں تھی ۔ یحییٰ خان کی تمام توجہ فوجی تربیت اور سازوسامان کی بجائے اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر اعلیٰ فوجی عہدوں پر ترقیوں اور فوج کے لیے مادی آسائشوں کی فراہمی پر مرکوز تھی ۔ علاوہ ازیں یحییٰ خان ایوب خان کے مقابلے میں ایک کمزور حکمران تھے کیونکہ ان کی طاقت کے اصل سرچشمہ یعنی فوج کی وفاداریاں تقسیم ہو چکی تھیں ۔

مشرقی پاکستان کے اندرونی حالات بھی مایوس کن تھے ۔ مارچ کے بعد سے صنعتیں عملی طور پر بند ہو چکی تھیں اور صوبے کا اقتصادی ڈھانچہ تباہی کی زد میں تھا ۔ مون سون کے موسم میں مکتی باہنی کی جارحانہ کاروائیوں نے سڑکوں، پلوں ور دیگر ذرائع مواصلات کو نقصان پہنچانے کے علاوہ مشرقی پاکستان میں دہشت ور بے یقینی کی صورتِ حال پیدا کر دی تھی ۔ بھارت نے اپنی پروپیگنڈا مہم کے ذریعے بنگلہ دیش کی تحریک کو آزادی کی تحریک اور پاکستان کو ایک سامراجی ملک کے روپ میں پیش کیا تھا ۔ اس مہم کے نتیجے میں عالمی سطح پر رائے عامہ

پاکستان کے خلاف ہو چکی تھی ۔ حالات ہر اعتبار سے پاکستان پر حملے کے لیے سازگار تھے ۔

بھارت اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا حصول تنہا مکتی باہنی کے بس کا کام نہیں ہے ۔ چنانچہ اس نے مشرقی محاذ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اگرچہ مشرقی پاکستان کے محاذ پر باقاعدہ جنگ کا آغاز ۲۲ نومبر کو ہوا مگر بھارت کے معتبر فوجی ذرائع کا کہنا ہے کہ سرکاری تردیدوں کے علی الرغم یہ ایک حقیقت ہے کہ بھارتی دستے نومبر کے پہلے ہی ہفتے میں سرحد پار کر چکے تھے (۱۵) ۔ غیر ملکی اخبارات کی طرف سے مشرقی پاکستان کے بحران میں بھارتی فوجیوں کی عملی شرکت کی یہ پہلی شہادت تھی (۱۶) ۔ نیویارک ٹائمز نے بھی اپنی ۱۳ نومبر ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں ایک ایسی ہی رپورٹ شائع کی ۔

بھارتی حملے کا علم ہوتے ہی ڈاکٹر مالک ۲۶ نومبر کو اسلام آباد پہنچے اور انہوں نے صدر کو مشورہ دیا کہ وہ جنگ کو روکنے کے لیے اقوامِ متحدہ سے درخواست کریں ۔ یا عوامی لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ سیاسی سمجھوتہ کیا جائے ۔ انہیں معلوم تھا کہ براہ راست جنگ کا مطلب مشرقی پاکستان کو ہاتھ سے دینے کے سوا کچھ نہیں ہو گا ۔ ڈاکٹر مالک یکم دسمبر کو ڈھاکہ پہنچے ۔ انہوں نے یحییٰ خان کے ساتھ اپنی ملاقات پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ۔

اگرچہ بھارتی فوج ۶ دسمبر کو جیسور پر قابض ہو چکی تھی ۔ مگر یحیی خان کو ۸ دسمبر تک یہ خبر نہیں دی گئی تھی ۔ علاوہ ازیں سلامتی کونسل میں پاکستانی نمائندے کے غیر حقیقت پسندانہ رویّے سے ڈاکٹر مالک کو اندازہ ہوگیا کہ صدر کو مشرقی پاکستان کی صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں رکھا جا رہا ۔ چنانچہ انہوں نے صدر یحیی کو ایک خط لکھا جس میں افواجِ پاکستان کی جرأت کو خراج تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان میں حالات کی ایک حوصلہ شکن مگر حقیقت پسندانہ تصویر پیش کی گئی تھی ۔ ڈاکٹر مالک نے اپنے اس خط میں صدر کی توجہ شہری اور فوجی نظام ترسیل میں تعطّل ، امنِ عامہ کی تباہی اور محبِ وطن پاکستانی شہریوں کی وسیع پیمانے پر ہلاکت کی طرف دلاتے ہوئے ۴۸ گھنٹوں کے اندر

دوستوں کی عملی مداخلت کی درخواست کی تھی (۱۷) ۔ ڈاکٹر مالک نے واضح کر دیا تھا کہ اگر کسی جانب سے کوئی مدد متوقع نہیں ہے تو پھر مسئلہ کے حل کے لیے مذاکرات سے کام لیا جائے تاکہ اقتدار کی منتقلی پرامن طور پر ہو سکے اور لاکھوں انسانی جانیں ضائع ہونے سے بچ جائیں (۱۸)۔ظاہر ہے جنرل نیازی اور ڈاکٹر مالک کو بیرونی دوستوں کی مدد کی یقین دہانی اسلام آباد سے کرائی گئی تھی ۔ صورتِ حال کی خرابی کے ساتھ ساتھ جنرل نیازی اور ڈاکٹر مالک کا موعودہ مدد کے لیے اصرار بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ جنرل نیازی نے ڈھاکہ میں امریکی قونصل جنرل سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ کیا امریکہ ہمیں فوجی امداد مہیا کرے گا (۱۹)۔ یحییٰ خان کی طرف سے ڈاکٹر مالک کے خط کا مختصر اور واضح جواب یہ تھا کہ "ہم آپ کے لیے دعا کر رہے ہیں" ۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس وقت جبکہ بھارتی فوجیں تیز رفتاری سے ڈھاکہ کی طرف بڑھ رہی تھیں، سیاسی سمجھوتے کے لیے ڈاکٹر مالک کی تجویز قابل عمل بھی تھی یا نہیں، تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یحییٰ خان نے سیاسی سمجھوتے کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہ کی حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ پاکستان کی پوزیشن بہت کمزور ہے اور بھارت پاکستان کو فوجی شکست دینے کے لیے وسیع پیمانے پر تیاریاں کر چکا ہے ۔

۹ اور ۱۰ دسمبر کو جنرل نیازی نے چیف آف جنرل سٹاف کو ایک پیغام کے ذریعے مُطلع کیا کہ بھارتی فضائیہ کے مسلسل حملوں اور مقامی آبادی کے معاندانہ رویہ کی وجہ سے فوجی دستوں کی نقل و حمل اور جنگی پوزیشنوں میں تبدیلی ممکن نہیں رہی ۔ انہوں نے کہا کہ ہوائی اڈوں، پلوں اور فوجی ساز و سمان کو غیر معمولی نقصان پہنچا ہے ۔ ان پیغامات میں درخواست کی گئی تھی کہ ڈھاکہ کو بچانے کے لیے ہوائی جہازوں کے ذریعے مزید فوجی بھیجے جائیں (۲۰) ۔ جنرل نیازی کے ۱۰ دسمبر کے پیغام میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ صورتِ حال بہت نازک ہو چکی ہے اور پاکستانی فوج چند روز سے زیادہ مزاحمت نہیں کر سکے گی ۔ ۱۰ دسمبر کو ڈاکٹر مالک نے صدر کے نام ایک اور پیغام میں فوری جنگ بندی اور سیاسی سمجھوتے کے لیے اقدامات کی درخواست کی ۔ اس پیغام کے جواب میں صدر نے گورنر مالک کو حالات کے مطابق مناسب فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا ۔ صدر نے کہا کہ ان کے تمام اقدامات کی توثیق کر دی جائے گی ۔ دریں اثناء انہوں نے جنرل

نیازی کو ہدایت کی کہ وہ گورنر کے فیصلوں کی پابندی کریں ۔ یہ پیغام موصول ہونے پر ڈاکٹر مالک نے اقوام متحدہ کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل سے رابطہ قائم کر کے انہیں ایک پیغام پہنچایا، جس میں جنگ بندی اور بھارتی فوجوں کی واپسی کے بعد اقوام متحدہ کے ذریعے عوامی نمائندوں کو انتقال اقتدار کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ (۲۱) ۔ اس پیغام میں پاکستانی فوج کی واپسی اور غیر بنگالی آبادی کے تحفظ کے لیے سہولتوں کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا ۔ پیغام میں یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

یحیی خان کو اس پیغام کا علم ہوا تو اس نے فوراً اس کی تردید کی اور ایک سرکاری ترجمان نے ایسا خط بھیجے جانے ہی سے انکار کر دیا ۔ ۱۱ دسمبر کو پاکستان نے اپنے دوست ممالک سے فوری مدد کی درخواست کی ۔ ڈھاکہ کو اس امر کی اطلاع بھی دے دی گئی کہ بیرونی مدد عنقریب متوقع ہے ۔ مگر یہ مدد کبھی نہ پہنچی اور جنگ جاری رہی ۔ ۱۵ دسمبر تک بھارتی فوجیں ڈھاکہ شہر کے مضافات میں پہنچ چکی تھیں ۔ ۱۴ دسمبر کو بھارتی فضائیہ نے گورنر ہاؤس پر راکٹوں سے حملہ کیا جس کے نتیجے میں گورنر اور ان کی کابینہ نے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے کر ریڈ کراس سے پناہ طلب کر لی ۔ جنرل نیازی ایک دفعہ پھر امریکی قونصل جنرل سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ وہ فوراً جنگ بندی کے لیے کچھ کریں ۔ ۱۶ دسمبر کو جنرل نیازی اور بھارتی جی ۔ او ۔ سی ۔ جنرل اروڑہ نے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط کر دیے ۔

۱۹۷۱ء کے بحران کے دوران میں پاکستان کئی وجوہات کی بنا پر بھارت کے مقابلے میں کمزور پوزیشن کا حامل تھا۔ اسلحے اور جنگی گولہ بارود کے لیے وہ اپنے دوستوں کا مرہون منت تھا ۔ جبکہ بھارت کی گولہ بارود کی پیداوار اس کی اپنی ضروریات کے لیے کافی تھی ۔ ثانیاً بھارت وقت کے ساتھ ساتھ اپنی فوجیوں میں معتدبہ اضافہ کر چکا تھا اور اس کے فوجوں کی تعداد پاکستان کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی ۔ بھارتی فوجوں کو سائنسی بنیادوں پر تربیت دی گئی تھی اور انہیں پاکستان کے خلاف لڑنے کے لیے خاص طور پر تیار کیا گیا تھا۔یہ بات کوئی راز نہیں رہی کہ عرب اسرائیل جنگ کے بعد بھارت نے میجر جنرل جیکب کو عربوں کے

خلاف اسرائیل کی مخصوص حکمتِ عملی کے مطالعے کے لیے مامور کیا تھا ۔ اس مطالعے کا مقصد اسرائیلی حکمتِ عملی کو پاکستان کے خلاف جنگ میں استعمال کرنا تھا (۲۲) ۔ ثالثاً بھارت ان بنگالی فوجی افسروں کے ذریعے پاکستانی فوج کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کر چکا تھا جو مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کے بعد بھارت چلے گئے تھے ۔ رابعاً ۱۹۶۵ء کے برعکس بھارت اپنی فوجوں کو روس سے ملے ہوئے جدید ترین ہتھیاروں سے آراستہ کر چکا تھا جبکہ پاکستان ان سے محروم تھا ۔ خامساً پاکستان مشرقی پاکستان میں تکنیکی اور بعض دوسری وجوہ کی بنا پر کافی تعداد میں ہوائی اڈے تعمیر نہیں کر سکا تھا ۔ چنانچہ اس علاقے میں فضائی جنگ مؤثر انداز میں نہ لڑی جا سکی ۔ اور آخری دو ہفتوں میں پاکستانی فوج کو فضائیہ کی مدد حاصل نہیں رہی تھی ۔ مشرقی پاکستان میں موجود ۱۶ ۔ ٹی لڑاکا بمبار طیاروں کے دو سکواڈرن پرواز کرنے سے قاصر ہو چکے تھے ۔ کیونکہ ڈھاکہ ایئرپورٹ کے رن وے کا وہ حصہ جو وہ استعمال کر سکتے تھے بھارتی فضائیہ کا نشانہ بن چکا تھا ۔ بحران کے ان تمام مہینوں میں پاکستان نے مشرقی پاکستان میں کوئی متبادل AIRSTRIP تعمیر کرنے پر کوئی توجہ نہ دی (۲۳) ۔ سادساً، جغرافیائی اعتبار سے مشرقی پاکستان تین اطراف سے بھارتی سرحدوں سے گھرا ہوا تھا اور ڈھاکہ سے بھارتی سرحد کا زیادہ سے زیادہ فاصلہ ۲۴ اور ۵۰ میل کے درمیان تھا ۔ ماہرین کا خیال تھا کہ یہ فاصلہ اتنا کم ہے کہ پاکستانی طیارے جتنے وقت میں کاروائی کے لیے مطلوبہ بلندی حاصل کر سکیں گے ، بھارتی جیٹ اپنا کام دکھا کر واپس اپنے اڈوں پر پہنچ چکے ہوں گے ۔ اس طرح کی متعدد وجوہ کی بنا پر مشرقی پاکستان کو فضائی تحفظ مہیا نہ کیا جا سکا ۔ اس کے ہوائی اڈے جنگ شروع ہونے کے چند گھنٹوں کے اندر ہی تباہ کر دیے گئے ۔ چنانچہ بھارتی فضائیہ نے مشرقی پاکستان کے واحد جیٹ رن وے کی تباہی کے ذریعے پاکستان کے ۹۶ ۔ ایف ۔ ۲۳ طیاروں کو ابتداء ہی میں بیکار بنا دیا (۲۴) ۔ سابعاً ، بھارتی بحریہ نے پاکستان کی بحری ناکہ بندی کر رکھی تھی اور پاکستان کی بحری قوت بھارت کے مقابلے میں کم تھی ۔ ۲۹ اکتوبر کو بھارتی بحریہ کے چیف آف سٹاف نے کہا تھا کہ ہم نے ۶۵ء کی جنگ کے بعد اپنی بحریہ میں ایک میزائل سکواڈرن کا اضافہ کیا ہے اور اب جنگ کی صورت میں پاکستانی بحریہ کو کراچی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی ۔ ۳ نومبر کو ریڈیو پاکستان نے

اس کی تصدیق کی ۔ بنابریں مغربی پاکستان میں سازوسامان کی فراہمی اور فوجی طاقت میں اضافہ ممکن نہیں رہا تھا جبکہ مشرقی پاکستان میں پہلے سے متعین فوج اس قدر طویل بارڈر پر لڑنے کے لیے کافی نہیں تھی ۔

جیسا کہ بعد میں بھارتی تفتیش کے دوران جنرل نیازی نے بھی انکشاف کیا، گمان غالب یہ ہے کہ پاکستان کی حکمتِ عملی اس مفروضے پر مبنی تھی کہ بھارت کا ارادہ صرف ایک "محدود کارروائی" کا ہے (۲۵) ۔ پاکستان کا خیال یہ تھا کہ بھارت مشرقی پاکستان کے اندر ایک چھوٹے سے علاقے پر قبضہ کرنے کے در پے ہے، جہاں وہ بنگلہ دیش کی حکومت قائم کر سکے، چنانچہ پاکستان نے اپنی فوجوں کو ۲۵۰۰ میل پر پھیلی ہوئی سرحد پر ٹکڑیوں کی شکل میں متعین کر دیا اور انہیں ہر قیمت پر ڈٹے رہنے کی ہدایت کی ۔ پاکستانی جرنیلوں کو اس حقیقت کا ادراک نہ ہو سکا کہ مشرقی پاکستان کو بچانے کے لیے ڈھاکے کی حفاظت ضروری تھی اور اس کا دفاع ان کی پہلی ترجیح ہونی چاہیے ۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان نے ڈھاکہ کے دفاع کے لیے کوئی متبادل منصوبہ تک تیار نہیں کیا تھا ۔ چنانچہ جب ایک مرتبہ بھارتی فوجیں مشرقی پاکستان میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئیں تو سرحد پر متعین افواج کو واپس بلانا بھی ممکن نہ رہا۔مذکورہ بالا مفروضے ہی کے پیش نظر جنرل نیازی نے اپنے دستوں کو سرحد کے قریب متعین کیا لیکن جب بھارتی فوجوں نے مقبوضہ شہر جیسور کو عبور کر کے ڈھاکہ کا رُخ کیا تو پاکستان کو احساس ہوا کہ ہو سکتا ہے کبھی بھارت کا منصوبہ مشرقی پاکستان کا محض کچھ حصہ آزاد کرانے کا ہو،مگر اب اس کے ارادے کچھ اور ہیں ۔ لیکن اب پاکستان کے لیے اپنی حکمتِ عملی پر نظرِ ثانی کرنے کا وقت گزر چکا تھا (۲۶) ۔

مشرقی پاکستان کی دفاعی حکمتِ عملی ہمیشہ یہ رہی کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان میں مضمر ہے (۲۷) ۔ مگر مغربی محاذ پر جنگ کا آغاز غیر معمولی تاخیر یعنی ۳ دسمبر کو کیا گیا ۔ چنانچہ مشرقی محاذ پر بھارتی فوجوں کا دباؤ مناسب وقت پر کم نہ کیا جا سکا ۔ دوسرے اب یہ حقیقت سب کو معلوم ہو چکی ہے کہ پاکستان نے مغربی محاذ پر بھی اپنی تمام فوجیں متعین نہیں کی تھیں ۔ چنانچہ متعدد نوجوان افسروں نے اس طرزِ عمل کی مذمت کرتے ہوئے جی ۔ ایچ ۔ کیو کو احتجاجی خطوط

لکھے ۔ پاکستانی افواج نے دشمن کے کچھ علاقوں پر قبضہ کیا مگر یہ کامیابیاں ان محاذوں پر حاصل ہوئیں جہاں بھارتی فوجوں نے ہلکی پھلکی مزاحمت کے بعد اپنی محفوظ چوکیوں پر جانا مناسب سمجھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ تیز رفتار بکتربند دستوں پر مشتمل مغربی پاکستان میں متعین پاکستانی فوج کی اہم یونٹوں نے اس جنگ میں ایک فائر بھی نہ کیا (۲۸) ۔

پاکستان کی فوجی شکست کا ایک اور سبب جنگی منصوبہ بندی میں یحییٰ خان کی عدم دلچسپی تھی، یہاں تک کہ جنگ کے دوران میں بھی وہ بریفنگ اور مشاورت کے لیے دستیاب نہیں ہوتے تھے ۔ مشرقی محاذ پر جنگ کے آغاز کے بعد سیالکوٹ سے واپسی پر یحییٰ خان کو چیف آف دی جنرل سٹاف نے بریفنگ کے لیے ایم ۔ آئی آپریشن روم لے جانا چاہا مگر اس موقع پر بھی چیف آف سٹاف نے تجویز پیش کی کہ صدر کچھ دیر سستا لیں ۔ بریفنگ کے لیے کوئی اور وقت مقرر ہو سکتا ہے (۲۹) ۔ اسی روز ایوان صدر میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یحییٰ خان نے کہا کہ "میں مشرقی پاکستان کے لیے دعا کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں؟" پریس کانفرنس میں شریک ایک صحافی کے مطابق صدر اس پریس کانفرنس میں بے پرواہ اور صورتِ حال سے بڑی حد تک لاتعلق دکھائی دے رہے تھے (۳۰) ۔ یہ چھوٹے چھوٹے واقعات یحییٰ خان کے رویے اور جنگ میں اس کی دلچسپی کی نوعیت کی صحیح عکاسی کرتے ہیں ۔ مختصراً یہ کہ مشرقی پاکستان کی جنگ جس انداز میں لڑی گئی، اس نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا اور بے شمار پاکستانی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ سقوط مشرقی پاکستان ایک سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ تھا ۔

یحییٰ خان نے آخری روز بھی قوم کو یہ کہہ کر دھوکا دینے کی کوشش کی کہ ہم مشرقی پاکستان ہار چکے ہیں، مگر مغربی محاذ پر فتح کے حصول تک جنگ جاری رہے گی ۔ اور یہ جنگ صرف ایک روز جاری رہی ۔

اگرچہ یحییٰ خان نے اپنی حکومت کو جمہوری رنگ دینے کے لیے جناب نورالامین کو وزیراعظم اور بھٹو کو ڈپٹی وزیراعظم مقرر کر رکھا تھا مگر جیسا کہ نامزد وزیراعظم نے بعد میں انکشاف کیا ، یحییٰ خان کسی کو اعتماد میں لینے کی ضرورت

محسوس نہیں کرتے تھے (۳۱) ۔ جنگ میں یحییٰ خان کی دلچسپی کا احوال نامزد وزیراعظم کے ایک بیان سے ظاہر ہے، جب ڈھاکہ کے درو بام جل رہے تھے اور جنگ زوروں پر تھی وہ غیر معمولی رنج و غم کی حالت میں صدر سے ملاقات کے لیے گئے تو یحییٰ خان، چیف آف اسٹاف جنرل عبدالحمید کے ساتھ شراب نوشی میں مصروف مزے کر رہے تھے ۔ جنگ کے بارے میں نورالامین کے استفسار پر یحییٰ خان کا جواب یہ تھا کہ "ہم مجبور ہیں ۔ مگر جنگ جاری رہے گی" ۔ (۳۲) اگلے روز فوج نے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال دیے ۔

تاہم پاکستان کی فوجی ناکامی کا سب سے اہم سبب "بری فوج، بحریہ اور فضائیہ کے درمیان رابطے اور ہم آہنگی کا فقدان تھا" (۳۳) ۔ ۱۹۷۱ء میں پاک بحریہ کے سربراہ ایڈمرل مظفر حسین نے بھی ایک انٹرویو میں الزام لگایا ہے کہ پاک بحریہ پر بھارتی میزائل بردار کشتی کے حملے کے وقت بار بار درخواست کے باوجود انہیں فضائی تحفظ فراہم نہ کیا گیا ۔ ۹ دسمبر کو ایک بار پھر جب بھارتی بحریہ اور فضائیہ نے کراچی پر حملہ کر کے پاک بحریہ کے دو جہاز ڈبو دیے تو فضائی تحفظ سے انکار کر دیا گیا اور یوں پاکستان اور کراچی کی بندرگاہ کو بھارتی افواج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا (۳۴) ۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے پاکستانی فوجیں، خاص طور پر مشرقی محاذ پر نفری کے اعتبار سے بھارتی افواج کے مقابلے میں کہیں کم تھیں ۔ "دی سٹریٹجک سروے" ۱۹۷۱ء کے مطابق دونوں ملکوں کے فوجی توازن کی تفصیل یہ تھی ۔

رقبہ اور فوجوں کی بھرتی ۱

	ریگولر فورسز ڈویژن	آرمی مین پاور ۳۶	ائرفورس مین پاور	ائرکرفٹ ٹینک	فائٹرز ۳۱ بمبرز	
مشرق		۳۰				
بھارت	۱	۱۶۰,۰۰۰	۲۰,۰۰۰	۱۱۰	۱۵۰	۱۳
پاکستان	۴	۴۳,۰۰۰	۱,۰۰۰	۱۰۰	۱۹	
مغرب						
بھارت	۱۳	۳۲۰,۰۰	۶۰,۰۰۰	۱,۲۰۰	۳۳۵	۴۰
پاکستان	۱۲	۲۴۰,۰۰۰	۱۵,۳۰۰۰	۸۰۰	۱۹۰	۲۵

نیوی کی بھرتی ۱۱

	ائیرکرافٹ	کروزز	ایسکورٹس	میزائل پٹرول بوٹس	دوسری پٹرول کرافٹس	مائن سویپرز	سب میرینز	نیول کمبیٹ ائیرکرافٹ
بھارت		۲	۲۳	۱۹	۱	۴	۴۷	
پاکستان	۱	ـ		۱۶	۱	۴		

جنرل نیازی کے پیش کردہ اعداد و شمار، جنہیں بہرحال مذکورہ بیان سے زیادہ وقیع قرار دیا جا سکتا ہے، درج ذیل ہیں (۳۹)

	بھارت	پاکستان
انفنٹری اور ماؤنٹین ڈویژن	۱۰	۳-۱-۱
پلاٹون کی تعداد	۱۰۴	۳۲
نیم فوجی بریگیڈز	۱	-
بارڈر سیکورٹی فورسز (پلاٹون)	۲۹	-
مکتی باہنی بریگیڈز	۳	-
بھارتی فوج کے تربیت یافتہ مکتی باہنی بریگیڈز اور گوریے	۱۰۰،۰۰۰	-
ٹینک رجمنٹیں	۵	۱۷
آرمڈ بٹالین	۲	-
آرٹلری رجمنٹیں	۵۰	۷
فائٹرز بمبرز (سکواڈرن)	۱۰	۱
ہیلی کاپٹر	۱۲۰	۴
ائیر کرافٹ کیریئر	۱	گن بوٹس ۴
بحری جنگی جہاز	۱۳	۴

ظاہر ہے کہ مفلوج کن اخلاقی اور مادی خامیوں کے ساتھ ساتھ ساز و سامان کی کمی، منصوبہ بندی کی خامیوں اور مقامی آبادی کے معاندانہ رویّے اور تھکی ہوئی فوج کی موجودگی میں پاکستان کی شکست کوئی غیر متوقع واقعہ نہیں تھی ۔

کئی غیر ملکی مبصرین، جن میں جنرل اروڑہ بھی شامل ہیں، اس خیال سے متفق ہیں کہ ہتھیار ڈالتے وقت پاکستانی افواج کے پاس جتنا اسلحہ اور خوراک کا سامان تھا، اس کی مدد سے وہ آئندہ کچھ مہینوں تک بھارتی فوجوں کا مقابلہ کر سکتی تھیں ۔ ان کی رائے میں پاکستان کی شکست جرنیلوں کی خام منصوبہ بندی اور معاملہ فہمی کی کمی کا نتیجہ تھی ۔ " لڑائی کے پہلے چند دنوں ہی میں اس کا انجام صاف نظر آرہا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ جنگ کے اختتام پر بھی پاکستانی افواج خاصی

مضبوط تھیں اور جن مقامات پر ان کی تعداد کافی تھی، وہاں کئی ہفتوں یا شاید مہینوں کے لیے سامان رسد اور اسلحہ موجود تھا ۔ ان کے لیے ڈھاکہ میں کافی عرصے کے لئے ڈٹا رہنا شاید کوئی مشکل کام نہ تھا ۔ جب جنرل نیازی نے ۱۶ دسمبر کو بھارتی فوج کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالے تو اس وقت تک پاکستانی افواج کے وسائلِ حرب ختم نہیں ہوئے تھے ۔ اگرچہ اس کے نتیجے میں شہری آبادی اور فوج کا بہت نقصان ہوتا ۔ البتہ لڑنے کا عزم ختم ہو چکا تھا" (۴۰) جنرل فضل مقیم کے مطابق "اگر دستیاب وسائل سے صحیح کام لیا جاتا اور جغرافیائی عوامل کا پورا فائدہ اٹھایا جاتا تو مزید چھ سے آٹھ ہفتوں تک ڈھاکہ کا کامیاب دفاع کیا جا سکتا تھا (۴۱)"۔

جنرل اروڑہ نے ۱۹ دسمبر کو کہا "اگر پاکستان اپنی فوجوں کو دریائے میگھنا اور مدھومتی کے درمیان مجتمع کر لیتا تو جنگ کئی ماہ تک جاری رہ سکتی تھی (۴۲)"۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب پاکستانی فوج کے پاس کئی ہفتوں تک مزاحمت کے وسائل موجود تھے تو اس نے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ہتھیار کیوں ڈالے ؟ راقم الحروف کو فوجی امور پر عبور کا کوئی دعویٰ نہیں ۔

تاہم اس موضوع پر بین الاقوامی تبصروں کا نمایاں نکتہ یہ تھا کہ "پاکستان کو اس علاقے سے، جو اب بنگلہ دیش ہے، بزور قوت محروم کیا گیا تھا" (۴۳) ۔ چنانچہ بھارت اپنے علاقے میں ایک اور ریاست کا اضافہ کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر بنگلہ دیش کے قیام سے کوئی خودمختار ریاست وجود میں نہیں آئی ۔ بھارت کا مشرقی پاکستان میں داخلہ انسانی خدمت یا اخلاقی تقاضوں کے پیش نظر نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد مشرقی پاکستان کو اپنی نوآبادی بنا کر اس کا معاشی استحصال کرنا تھا (۴۴) ۔

اقوامِ متحدہ کا کردار

پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ بند کرانے کے لیے اقوام متحدہ میں کئی کوششیں کی گئیں مگر یہ کوششیں زیادہ تر نیم دلانہ تھیں ۔ مشرقی پاکستان میں جنگ کا آغاز ۲۲ نومبر کو ہوا ۔ یہ جنگ ۳ دسمبر کو مغربی محاذ تک پھیل گئی مگر ۴ دسمبر تک اقوام متحدہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور اس کی طرف سے کوئی مداخلت نہ کی گئی ۔ ۴ دسمبر کو ارجنٹائن نے سلامتی کونسل کے سات دوسرے رکن ممالک

کے تعاون سے کونسل کا ہنگامی اجلاس بلانے کی قرارداد پیش کی ۔ اس اجلاس میں امریکہ نے ایک مسودہ قرارداد پیش کیا جس میں جنگ بندی اور فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تھا ۔ قرارداد میں سرحدوں پر اقوام متحدہ کے مبصرین کی تعیناتی کی تجویز بھی پیش کی گئی تھی ۔ اس قرارداد کو روس نے ویٹو کر دیا (۴۵) ۔

۴ دسمبر کو روس نے ایک مسودہ قرارداد پیش کیا جس میں مشرقی پاکستان میں سیاسی سمجھوتے کا مطالبہ کیا گیا تھا ۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ سیاسی سمجھوتے کا لازماً نتیجہ جنگ کے خاتمے کی صورت میں برآمد ہو گا (۴۶) ۔ پولینڈ نے اس قرارداد کی حمایت کی جبکہ سلامتی کونسل کے دوسرے ۱۳ اراکین نے ووٹنگ میں حصہ نہ لیا ۔ اگر پاکستان اس قرارداد کو تسلیم کر لیتا تو اس قرارداد کا نتیجہ جنگ بندی اور مشرقی پاکستان میں سیاسی سمجھوتے کی صورت میں برآمد ہو سکتا تھا جن کی پاکستان کو شدید ضرورت تھی ۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء کے بعد پاکستان نے بھی، امریکی دباؤ کے تحت ہی سہی، سیاسی سمجھوتے کی ضرورت تسلیم کر لی تھی ۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ امریکی سفارت کاروں کی معرفت جلاوطن بنگالی لیڈروں سے مذاکرات کا آغاز ہو چکا تھا ، چنانچہ پاکستان کے نقطۂ نظر سے سیاسی سمجھوتہ کوئی قابلِ اعتراض اقدام نہیں تھا ، اور اگر یہ قرارداد تسلیم کر لی جاتی تو پاکستان اس ہزیمت سے بچ جاتا جس کی پہلے کوئی مثال نہ تھی ، لیکن ہوا یہ کہ چین نے قرارداد کو ویٹو کر دیا۔ ظاہر ہے اسے اسلام آباد کی تائید حاصل تھی ۔ اس طرح پاکستان نے قیام امن کا ایک زرّیں موقع کھو دیا ۔

یہ امر ناقابلِ فہم ہے کہ جب پاکستان کو اس امر کا ادراک ہو چکا تھا کہ وہ جنگ کے میدان میں بھارت کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا تو اس نے امن کے قیام کے لئے اقوام متحدہ کا دروازہ کیوں نہ کھٹکھٹایا ؟ پاکستان کی طرف سے اقوام متحدہ سے رابطہ میں تاخیر نے اس کے دوست ممالک کو یہ تاثر دیا کہ پاکستان فوجی طور پر مضبوط ہے اور کسی دباؤ کے بغیر جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے ۔ اس طرح بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے بارے میں یہ تاثر بھی نہ ابھر سکا کہ اسے جارحیت کا نشانہ بنایا گیا ہے ۔ یاد رہے کہ اس موقع پر بھٹو نے یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اقوام متحدہ میں پاکستان کی ترجمانی کا حق ان سے بہتر کوئی نہیں ادا کر سکتا، پاکستان کو جنگ کی

صورت میں فوری طور پر سلامتی کونسل کے پاس نہ جانے کا مشورہ دیا تھا (۲۷) اس میں کیا منطق تھی ؟ انہوں بیان نہیں کیا ۔ بعد ازاں پاکستان کی سیاسی جماعتوں نے بھٹو پر نکتہ چینی کی اور انہیں اقوامِ متحدہ میں تاخیری حربوں کا ذمہ دار ٹھہرایا ۔ ۱۹۷۷ء میں بھٹو کی معزولی کے بعد یحییٰ نے بھی الزام لگایا کہ اقوام متحدہ میں بھٹو نے حکومت کی ہدایات کے خلاف عمل کیا تھا۔مگر سوال یہ ہے کہ روسی قرارداد اقوام متحدہ میں بھٹو کی آمد سے پہلے پیش کر دی گئی تھی اور یحییٰ خان کو اسے تسلیم کرنے میں کیا امر مانع تھا؟ حالانکہ مشرقی پاکستان میں پاکستان کی عسکری استعداد کا اندازہ ان سے زیادہ کسے ہو سکتا تھا؟ اس روز چین نے بھی ایک قرارداد پیش کی جسے واپس لے لیا گیا ۔ ارجنٹائن کی قرارداد کو ، جسے سات دوسرے ممالک کی حمایت حاصل تھی، روس نے ویٹو کر دیا ۔ یہ قرارداد اپنے مندرجات کے اعتبار سے امریکی قرارداد کے قریب تھی ۔ روس نے ایک اور قرارداد ویٹو کی جس میں جنگ بندی کے ساتھ ساتھ حکومت پاکستان سے دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مشرقی پاکستان کے عوام کی رائے کے مطابق فوری سیاسی سمجھوتے کا مطالبہ کیا گیا تھا (۲۸) ۔ قرارداد میں پاکستانی فوجوں کی واپسی کا بھی طریقِ کار پیش کیا گیا تھا، مگر پاکستان کی عدم دلچسپی کی بناء پر قرارداد پر ووٹ نہ ڈالے جا سکے ۔ اگر پاکستان دباؤ ڈالتا تو اس قرارداد کی منظوری کے امکانات تھے اور روسی دباؤ کے تحت اس پر عمل درآمد بھی ممکن ہو سکتا تھا ۔

اس کے بعد اقوام متحدہ کے متعینہ ضوابط کے تحت یہ مسئلہ جنرل اسمبلی میں منتقل کر دیا گیا ۔ ۳۴ ممالک کی طرف سے پیش کردہ نظرِثانی شدہ قرارداد پر سات دسمبر کو بحث شروع ہوئی ۔ قرارداد میں "فوری جنگ بندی اور ایک دوسرے کے علاقے سے اپنی سرحدوں کے اندر فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تھا" ۔ (۲۹) ۔ قرارداد ۱۰۴ ووٹوں کی بھرپور اکثریت سے منظور کر لی گئی ۔ صرف ۱۱ ممالک نے اس کے خلاف ووٹ دیا ۔ پاکستان نے قرارداد تسلیم کر لی مگر بھارت تین روز تک اس پر غور و خوض کرتا رہا ۔ تین روز کے بعد بھارت نے قرارداد کی منظوری کے لیے مشرقی پاکستان سے پاکستانی فوج کی واپسی کی پیشگی شرط عائد کر دی ۔ یہ دراصل ایک تاخیری حربہ تھا ۔ چنانچہ امریکہ نے سلامتی کونسل میں ایک اور قرارداد پیش کی جس میں بھارت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ جنرل اسمبلی کی

قرارداد کے مطابق فوری طور پر جنگ بندی اور فوجوں کی واپسی کو تسلیم کرے (۵۰)
اس قرارداد کو بھی روس نے ویٹو کر دیا ۔

اگلی قرارداد جو اس سلسلہ کی آٹھویں قرارداد تھی، پولینڈ نے پیش کی ۔ اس وقت تک بھٹو بھی اقوام متحدہ میں پہنچ چکے تھے ۔ قرارداد میں اقتدار قانونی طور پر منتخب عوامی نمائندوں کو منتقل کرنے، اس عمل کے آغاز کے ساتھ ہی تمام علاقوں میں فوجی کاروائی روکنے اور ۷۲ گھنٹوں کی عارضی جنگ بندی کی تجویز پیش کی گئی تھی (۵۱) ۔ قرارداد میں مشرقی پاکستان سے مسلح افواج اور مغربی پاکستانی شہریوں کے انخلاء کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا ۔ اگرچہ بھارتی فوجیں اس وقت تک ڈھاکہ میں داخل ہونے کے لیے پر تول رہی تھیں، پھر بھی پاکستان نے اس قرارداد میں کوئی دلچسپی نہ لی اور اس کی بجائے ہتھیار ڈالنے کے لیے بھارت کے ساتھ مذاکرات کو ترجیح دی۔ "اس قرارداد پر ووٹنگ کی نوبت ہی نہ آئی ۔ لیکن اگر پاکستان اس میں کسی بھی دلچسپی کا اظہار کرتا تو یہ منظور ہو سکتی تھی" (۵۲) ۔

بھٹو نے ، جو اس امر سے آگاہ تھے کہ پاکستان جنگ ہار چکا ہے، ۱۵ دسمبر کو سلامتی کونسل میں حسبِ معمول ایک جذباتی اور طویل تقریر کی ۔ انہوں نے کہا: "یہاں رہنا میری اور میرے ملک کی توہین ہے ۰۰۰ جارحیت ۰۰۰ ناجائز قبضہ ۰۰ میں اس میں فریق نہیں بن سکتا ۔ ہم واپس جائیں گے اور لڑیں گے ۔ اقوامِ متحدہ کا مدعا یہ رہا ہے کہ ڈھاکہ کا سقوط ہونے دیا جائے ۔ میں یہاں اپنا وقت کیوں ضائع کروں ؟ میں اپنے ملک واپس جاؤں گا اور جنگ کروں گا" ۔ اس تقریر کے باوجود بھٹو ۱۸ دسمبر تک نیویارک میں براجمان رہے ۔ یہاں تک کہ یحییٰ خان نے انہیں پاکستان آکر اقتدار سنبھالنے کی دعوت دی (۵۳) ۔

سلامتی کونسل کا رویہ ایسا تھا جیسے وہ معاملے کو اس وقت تک طول دینا چاہتی ہو جب تک پاکستانی افواج ہتھیار نہیں ڈال دیتیں ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان نے اقوام متحدہ کی کاروائی میں مطلوبہ دلچسپی کا اظہار کیا، نہ جنگ بندی کی کوئی سنجیدہ کوشش کی ۔ اس کے برعکس اس نے کسی معقول وجہ کے بغیر تنازعہ کے پُرامن تصفیے کے کئی ایسے قیمتی مواقع ضائع کر دیئے جن کو بروئے کار لا کر قوم کو اس انجام سے محفوظ رکھا جا سکتا تھا ۔ اس وقت محلّ اقتدار کے قریب بعض

ذرائع اس امکان کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ فوجی حکومت کا منشا یہی تھا کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال کر مغربی پاکستان میں فوجی حکومت جاری رکھی جائے مگر شاید وہ ہتھیار ڈالنے کے نتائج و عواقب سے آگاہ نہیں تھے ۔

ہتھیار ڈالنے کے بعد:

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد چیف آف آرمی سٹاف نے جی ۔ ایچ ۔ کیو میں فوجی افسروں سے خطاب کیا ۔ جب انہوں نے شکست کے اسباب پر روشنی ڈالنی چاہی تو حاضرین کے تیور بگڑ گئے ۔ انہوں نے محسوس کیا کہ نوجوان فوجی افسروں کے دل و دماغ میں جذبات کا لاوا پک رہا ہے اور وہ آمادۂ بغاوت ہیں ۔ مگر اس سے بھی یحییٰ خان کی آنکھیں نہ کھلیں ۔ وہ ایک خودساختہ آئین کے تحت، اپنی صدارت میں، ایک سیاسی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے ۔ ان کا ارادہ جنرل حمید کو کمانڈران چیف بنانے کا تھا ۔ ۱۸ دسمبر کو متحدہ مخلوط پارٹی نے یحییٰ خان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا ۔ اسی روز نورالامین نے صدر سے ملاقات کی اور، جیسا کہ انہوں نے بعد میں بتایا (۵۴) ، یحییٰ خان کے چہرے پر ملال کا کوئی نشان تک نہ تھا ۔ انہوں نے نہایت پرسکون انداز میں نورالامین کو بتایا کہ وہ بھٹو کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں اور اس کے بعد آئین کے تحت کابینہ تشکیل دی جائے گی ۔ یہ آئین ۱۷ دسمبر کو جاری کیا گیا (۵۵) اور بے پناہ عوامی دباؤ کے پیشِ نظر اگلے روز ہی واپس لے لیا گیا ۔ اس آئین میں پارلیمانی طرز حکومت تجویز کیا گیا تھا جس میں افواجِ پاکستان کو خصوصی تحفظات فراہم کیے گئے تھے ۔

سقوطِ ڈھاکہ کی خبر مغربی پاکستان کے عوام پر بجلی بن کر گری اور وہ احتساب کے نعرے لگاتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے ۔ فوج پہلے ہی انتشار کا شکار ہو چکی تھی ۔ ایئرمارشل رحیم خان کی سرکردگی میں جرنیلوں کے ایک طاقتور گروپ نے صدر کو مجبور کر دیا کہ وہ استعفیٰ دے دیں ۔ یحییٰ خان استعفیٰ دینے پر رضامند ہو گئے مگر فوج میں موجود دوسرے گروپ کا اصرار تھا کہ اقتدار فوج ہی کے پاس رہے اور یحییٰ خان کی جگہ جنرل عبدالحمید کو دے دی جائے ۔ ملک ٹوٹ چکا تھا مگر اقتدار کی ہوس بدستور موجود تھی ۔ جب تنازعہ حد سے بڑھ گیا اور معاملے نے

نازک صورت اختیار کر لی تو ائیر مارشل رحیم خان نے اپنا آخری پتہ پھینکا ۔ انہوں نے حکم دیا کہ میراج طیاروں کے پے درپے حملوں کے ذریعے صدارتی محل کے درودیوار ہلا دیے جائیں ۔ یہ حربہ کارگر ثابت ہوا اور خانہ جنگی کے امکانات سے خائف جرنیلوں نے اقتدار چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا (۵٦) ۔ بھٹو جب وطن واپس پہنچے تو صدارت اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی کرسی اُن کا انتظار کر رہی تھی ۔

ملک دو ٹکڑے ہو چکا تھا ۔ پاکستانی فوج ہندوستان کی قیدی بن چکی تھی ۔ ڈھاکہ میں آزادی کا جشن منایا جا رہا تھا جبکہ مغربی پاکستان کے ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ چکی تھی اور پوری قوم خود کو مجروح محسوس کرتی تھی ۔ تاریخ نے انہیں ایسی ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا تھا جس کا تصور بھی محال تھا ۔ اس پس منظر نے پوری قوم کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کیے اور یوں پاکستان کی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہُوا ۔

سانحۂ مشرقی پاکستان کیونکر رونما ہوا؟ اس پر غور کیجیے اور اپنی تاریخ سے سبق حاصل کیجیے ، کیونکہ جو قوم اپنی تاریخ فراموش کر دیتی ہے، اس کا جغرافیہ اسے فراموش کر دیتا ہے ۔

حواشی

۱: The Pakistan Times ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء

۲: Kayhan Internatinal ، ۱۰ جولائی ۱۹۷۱ء بھٹو کا انٹرویو ۔

۳: ملاحظہ ہوں بھٹو کے بیانات، ۱۹ جون ، ۱۴ جولائی ، ۲۳ اگست ، ۲ ستمبر ، ۴ ستمبر ، ۲۹ ستمبر، ۱۵، ۱۸ اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء

۴: دولتانہ کا بیان، ۱۸ جولائی ۱۹۷۱ء

۵: بھٹو نے ۲۳ مئی ۱۹۷۱ء کو میٹروپول ہوٹل میں مقامی اور غیر ملکی صحافیوں سے خطاب کیا ۔ انہوں نے کہا ہم نے مارشل لا حکومت کو حالات معمول پر لانے کے لیے بہت مہلت دی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ حکمران ٹولہ اقتدار منتقل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا ۔ حکومت نے مشرقی پاکستان میں ایک المناک

تعطل پیدا کر رکھا ہے ۔ پیپلز پارٹی نے اب اس حکومت کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔انہوں نے جدا گانہ طریقِ انتخاب یا دوبارہ انتخابات کی تجویز کو بھی رد کر دیا ۔ بھٹو کے اس بیان کو صحافیوں نے مارشل لا کے خلاف تحریک چلانے کی بالواسطہ دھمکی قرار دیا ۔ اس سے پیشتر بھی پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی اپنے ایک اجلاس میں انتقال اقتدار کا مطالبہ کر چکی تھی ۔

۶: بھٹو کے ایک قریبی ذریعے نے بتایا کہ بھٹو نے ۶ اپریل کو یحییٰ خان سے ملاقات کے دروان میں انہیں آئینی فارمولا پیش کیا ۔ محسوس ہوتا ہے کہ یحییٰ خان ، قومی اسمبلی میں آئین تیار کرنے کا ارادہ چھوڑ چکے تھے ۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اگر یحییٰ خان یہ اقدام پہلے کر لیتے تو ان حالات کے سامنا نہ کرنا پڑتا ۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ کوئی بھی لیڈر اس آئین کو قبول نہ کرتا کیونکہ یہ دستور ساز اسمبلی کے اقتدارِ اعلیٰ کو محدود کرنے کے مترادف ہوتا ۔

۷: بھٹو کی پریس کانفرنس کراچی، ۵ جولائی ۱۹۷۱ء

۸: ایضاً ۔

۹: ایضاً ۔

۱۰: ڈاکٹر اے ۔ ایم مالک کی تقرری کا پس منظر باب ۷ میں بیان کیا جا چکا ہے ۔

۱۱: کراچی میں بھٹو کی پریس کانفرس ، ۲ ستمبر ۱۹۷۱ء

۱۲: مضمون از راؤ فرمان علی "جنگ" (راولپنڈی) ، ۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء

۱۳: ذاتی اطلاع ۔ ڈاکٹر اے ایم مالک کا یہ بیان کہ انتخابات مکمل طور پر اطمینان بخش نہیں تھے، ابھی توجہ طلب ہے ۔ پی پی پی کے ایک رہنما عبدالحفیظ پیرزادہ نے بھی صدر یحییٰ کو تار کے ذریعے آگاہ کیا کہ ان کی جماعت کے بعض امیدواروں کو کاغذاتِ نامزدگی واپس لینے پر مجبور کیا جا رہا ہے ۔

۱۴: بحوالہ رابرٹ جیکسن، ص ۔ ۱۶۵

۱۵: The Times, ، نومبر ۱۹۷۱ء

۱۶: ایضاً۔

۱۷: تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ، باب ۷ اور بحوالہ فضل مقیم ص ۔ ۱۸۵ ۔ ۸۶ ؛ مزید ملاحظہ ہو بحوالہ رابرٹ جیکسن ، ص ۔ ۱۳۱ ۔

۱۸: تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ، راؤ فرمان علی کا مضمون "جنگ" (راولپنڈی) ۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۷ء

۱۹: بحوالہ وائن ولکاکس، ص ۔ ۵۰ ، بحوالہ کلدیپ نیر، ص ۔ ۱۸۹ ۔

۲۰: بحوالہ فضل مقیم، ص ۔ ۱۸۲ ۔

۲۱: پیغام کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو راؤ فرمان علی کا مضمون "جنگ" ۲۰ دسمبر ۱۹۷۷ء مزید ملاحظہ ہو Herbert Jackson Herbert Feldman، ص ۔ ۱۴۱ ۔ ۴۲ جنرل فضل مقیم، ص ۔ ۱۸۴ یہ پیغام غلط طور پر گورنر مشرقی پاکستان کے فوجی مشیر راؤ فرمان علی سے منسوب کر دیا گیا تھا ۔

۲۲: "The Dawn" (کراچی)، ۲۲ دسمبر ۱۹۷۱ء

23. The Listener, London, 6 January 1972, p–8
24. The Strategic Survey, London, 1971, p–50

۲۵: بحوالہ کلدیپ نیر، ص ۔ ۱۸۵

۲۶: ایضاً ۔

۲۷: ۱۹۵۵ء میں فوج کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خاں نے پاکستان کی دفاعی حکمتِ عملی بیان کرتے ہوئے کہا "مشرقی پاکستان کا دفاع وہاں سے نہیں کیا جا سکتا ۔ اگر ہم وہاں تمام فوجی طاقت بھی مجتمع کر دیں تو اس کا دفاع ممکن نہیں ۔ اس کے لیے ہمیں مغربی پاکستان میں اپنی فوجی بنیاد مضبوط بنانی ہوگی ۔ اب عوام کو اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے" ۔ The Dawn ۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء

۲۸: The Listener، ۶ جنوری ۱۹۷۲ء، ص ۔ ۸

۲۹: بحوالہ فضل مقیم، ص ۔ ۱۵۹

۳۰: The Outlook، (ویکلی کراچی) ۲۵ مئی ۱۹۷۲ء، ص ۔ ۸ ۔

۳۱: نورالامین کا انٹرویو ہفت روزہ "زندگی" لاہور، ۲۴ ، ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء

۳۲: ایضاً ۔

۳۳: یضاً ۔

۳۴: اس طرح کے کئی واقعات شائع ہو چکے ہیں جن سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہماری تینوں دفاعی افواج ہم آہنگی کے فقدان کا شکار تھیں ۔ ہفت روزہ "صحافت" لاہور، ۳۱ اکتوبر یکم نومبر ۱۹۷۷ء ص ۔ ۲۱ ۔ ۲۲

۳۵: "The Strategic Survey" (لندن) ۱۹۷۱ء، ص ۔ ۵۲ ۔

۳۶: مکتبی باہنی کے بے قاعدہ سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ ہو سکتی ہے مگر ان میں شاید صرف نصف نے بھارتی فوجوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی ہوگی ۔ پاکستان کے بے قاعدہ فوجیوں کی تعداد رضاکاروں کے علاوہ بیس ہزار تھی ۔

۳۷: اس تعداد میں پچھلے علاقوں میں موجود ۶۵ ہزار فوجیوں پر مشتمل امدادی دستوں

کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۸: ان میں فائٹرز بمبرز۔ بمبرز اور انٹرسیپٹرز دونوں شامل ہیں۔

۳۹: ماہنامہ "حکایت" لاہور، مارچ ۱۹۷۸ء، ص۔ ۳۵ ملاحظہ ہو جنرل نیازی کا مضمون۔

۴۰: The Strategic Surve، ص۔ ۵۰

۴۱: بحوالہ فضل مقیم، ص۔ ۱۹۱

42. Keesings, op.cit 20-27 November , pp. 24953-55
43. Dirorio De Naticial Lisbon, 28 March. 1972.

۴۴: The Sunday Times (لاگوس) ۱۳ فروری ۱۹۷۱ء

45. U.N. Security Council Draft Resolution (S/10416).
46. U.N Securtiy Council Draft Resolution (S/10418).

۴۷: The Dawn، ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء

48. Security Council Resolution (S/10418).
49. U.N. General Assembly Resolution (273XXVI)
50. Security Council Draft Resolution (s/10446. Rev.1).
51. Security Council Draft Resolution (S/10453. Rev.1)

۵۲: The Outlook (کراچی)، ۲۵ نومبر، ۱۹۷۲ء ص۔ ۱۰

۵۳: The Outlook کراچی ۲۵ نومبر ۱۹۷۲ء ص۔ ۱۳۔

۵۴: انٹرویو، نورالامین ہفت روزہ "زندگی" لاہور۔ ۲۴، ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء

۵۵: تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو صفدر محمود

Costitutional Foundations of Pakistan 1975

۵۶: The Newsweek، ۳ جنوری ۱۹۷۲ء ص۔ ۷

کتابیات

(1) Ahmad, Farid, *The Sun Behind The Clouds*, Dacca. (N.D.)

(2) Akanda, Safar A. *East Pakistan and Politics of Regionalism*, Unpublished Ph.D. Thesis, University of Denver, 1970

(3) Akhtar, Jamna Das, The Saga of Bangladesh, Oriental Publishers, Delhi, 1971.

(4) Allan Campbell Johnson, *Mission with Mountbatten*, Robert Male Ltd., London, 1951.

(5) Atwell, Donald Lokhart, East Pakistan: A Study in Political Geography, Unpublished Ph.D. Dissertation, Clark University, Worcestor, Massachusetts.

(6) Ayub Khan, M., *Friends Not Masters*, Oxford University Press, 1967.

(7) Azad, M.A K., *India Wins Freedon*, Longmans, Bombay, 1960.

(8) Aziz, Qutbuddin, *Mission to Washington*, United Press of Pakistan, Karachi.

(9) Banerjee, D N., East Pakistan, A Case Study in Muslim Politics, Vikas Publications, Delhi, 1969.

(10) *Bangabandhu Speaks*, A Collection of Speeches and Statements of Sh. Mujibur Rahman, Ministry of Foreign Affairs, Dacca.

(11) *Bangladesh Documents* (Vols.: I and II), Ministry of External Affairs, Government of India (1971 and 1972).

(12) Bhargava, G.S., *Success or Surrender*, Sterling Publishers Pvt. Ltd., New Delhi, 1972.

(13) *Pakistan in Crisis*, Vikas Publications, Delhi, 1971 (Second Edition).

(14) *Crush India*, Indian School Supply Depot, Delhi, 1972.

(15) Bhatnagar, Y., *Bangladesh*, ISSD Publications, Delhi, 1971.

(16) Y Mujib, *The Architect of Bangladesh*, ISSD Publications, Delhi, 1971.

(17) Bhattacharjee, Arun, *Dateline Mujibnagar*, India, 1973.

(18) Bhutto, Z.A , *The Great Tragedy*, People's Party Publications, Karachi, 1971.

(19) *The Myth of Independence*, Oxford University Press, Karachi, 1969.

(20) Birdwood, Lord, *A Continent Decides*, Robert Hale Ltd., London, 1953.

(21) Braibanti, Ralph, *Research on the Bureaucracy of Pakistan*, Duke University Press, Durham, 1966.

(22) Burke, S.M., *Pakistan's Foreign Policy*, Oxford University Press, Karachi, 1973.
(23) Callard, Keith, *Pakistan: A Political Study*. G. Allen and Unwin Ltd., Oxford University Press, Karachi, 1969.
(24) Chen, Lincoln C., *Disaster in Bangladesh*, Oxford University Press, London, 1973.
(25) Chandra, Prabodh., *Bloodbath in Bangladesh*, Adarsh Publications, New Delhi, 1971.
(26) Chopra, Pran., (Ed.) The Challenge of Bangladesh, Popular Prakashan, New Delhi, 1971.
(27) Chaudhury, G.W., *The Last Days of United Pakistan*, C. Hurst and Company, London, 1974.
(28) *Documents and Speeches on the Constitution of Pakistan*, Dacca, 1967.
(29) India, *Pakistan and Major Powers*.
(30) Fazal Muqeem Khan, (Maj-Gen.Rtd.) *Pakistan's Crisis in Leadership*, National Book Foundation, Islamabad, 1973
(31) Feldman, Herbert, *From Crisis to Crisis*, Oxford University Press, 1971
(32) *The End and The Beginning*, Oxford University Press, 1971.
(33) Gandhi, Indira, *India and Bangladesh*, Orient Longmans, Delhi, 1972.
(34) Griffin, Keith and Azizur Rehman, *Growth and Inequality in Pakistan*, MacMillan, London, 1972.
(35) Hodson, H.V., *The Great Divide*, Hutchinson, London, 1969.
(36) Humayun, Syed, *Sh. Mujibur Rahman's 6-Point Formula*, Unpublished M.A. Thesis, Political Science Department, Karachi University, 1973.
(37) *India and Bangladesh,Selected Speeches and Statements of Indira Gandhi*, Orient Longmans, Delhi, 1972.
(38) Jackson, Robert, *South Asian Crisis*, Chatto and Windus, London, 1975.
(39) Kalb, Marvin, and Bernard Kalb, *Kissinger*, Little Brown and Company, Boston-Toronto, 1974.
(40) Kamruddin Ahmad, *The Social History of East Pakistan*, Crescent Book Centre, Dacca, 1967.
(42) Khan, Saadullah, *East Pakistan To Bangladesh*, Law Times Publications, Lahore, 1975.
(43) Khurshid Ahmad, *Pakistan, Bangladesh and Politics of South Asia*, Noorsi Publications, Karachi, 1973.
(44) Korbel, Joseph, *Danger in Kashmir*, Princeton University Press, 1966.
(45) Loshak, David, *Pakistan Crisis*, Heinemann, London 1971
(46) Majumdar, Ramendu, *Bangladesh, My Bangladesh*, Orient

Longmans, Delhi, 1972.
(47) Mannan, M.A., *Economic Problems and Planning in Pakistan*, Ferozsons, Ltd., Lahore, 1969.
(48) Mascarenhas, Anthony, *The Rape of Bangladesh*, Vikas Publications, Delhi, 1971.
(49) Menon, V.P., *The Transfer of Power in India*, Princeton University Press, 1957.
(50) Muhammad Abbas Ali, *The Salvation of East Pakistan*, Sialkot, 1971.
(51) Muhammad Ali, Chaudhry, *The Emergence of Pakistan*, Columbia University Press, 1967.
(52) Muhammad Ayoob, K. Subrahmanyam, *The Liberation War*, S.Chand and Co., New Delhi, 1972.
(53) Muhammad Ayub and others, *Bangladesh, A Struggle For Nationhood*, Vikas Publications, Delhi, 1971.
(54) Mosley, Leonard, *The Last Days of British Raj*, London, 1963.
(55) Mushtaq Ahmad, *Government and Politics in Pakistan*, Pakistan Publishing House, Karachi, 1963.
(56) Naik, J.A., India, Russia, China and Bangladesh, S.Chand, New Delhi, 1972.
(57) Nayyar, Kuldip, *Distant Neighbours*, Vikas Publishing House, Delhi, 1972.
(58) Palit, Maj. General D.K., *The Lightning Campaign*, Indo-Pak War, 1971, Johnson Press, New Delhi, 1972.
(59) Payne, Robert, *Massacre*, MacMillan Company, New York, 1973.
(60) Political Parties, *Their Policies and Programmes*, Ferozsons, Ltd., Lahore (n.d.).
(61) Qureshi, Dr. Anwar, Iqbal, *Bangladesh*, Aziz Book Depot, Lahore, 1973.
(62) Rafique Afzal, M., *Political Parties in Pakistan*, National Commission on Historical and Cultural Research, Islamabad, 1976.
(63) Rehman Zafar, Rana, *Bangladesh Establishment Illegal* (Legal Study of International Commision of Jurists, Geneva), Fazal Sons, Lahore, 1972.
(64) Rajan, M.S., *India in World Affairs*, Asia Publishing Houses, New York, 1964.
(65) Rizvi, Hasan Askari, *The Military and Politics in Pakistan*, Progressive Publishers, Lahore, 1974.
(66) Rounaq Jehan, *Pakistan: Failure in National Integration*, Columbia University Press, 1972.
(67) Safdar Mahmood, Dr., *Constitutional Foundations of Pakistan*, Publishers United, Ltd., Lahore, 1975.
(68) Satchidana Murty, K., *Indian Foreign Policy*, Scientific Book

Agency, Calcutta, 1974.
(69) Shabbir Hussain, Syed, *Lengthening Shadows*, Mujahid Publications, Rawalpindi, 1970.
(70) Siddiqi, Kalim, *Conflict, Crisis and War in Pakistan*, MacMillan, London, 1972.
(71) Singhal, Damodar P., Pakistan, Prentice Hall Inc., New Jersey, 1972.
(72) Subrahmanyam, K., *Bangladesh and India's Security*, Palit and Dutt Publishers, Dehra Dun, 1972.
(73) Wheeler, Richard S., *The Politics of Pakistan – A Constitutional Quest*, Cornell University Press, 1970.
(74) Wilcox, Wayne, *The Emergence of Bangladesh*, American Enterprise Institute for Public Policy Research, Washington, 1973.
(75) Williams, Rushbrook, *The East Pakistan Tragedy*, London, 1972.
(76) *The State of Pakistan*, Faber and Faber, London, 1962.
(77) Zafar, S.M., *Through the Crisis*, Book Centre, Lahore.
(78) Zafarullah Khan, Muhammad, *The Agony of Pakistan*, Kent Publications, London, 1974.
(79) Zaman, Dr. Hasan, *East Pakistan Crisis and India*, Pakistan Academy, Dacca, 1971.
(80) Ziring, Lawrence, *The Ayub Khan Era*, Syracuse, University Press, 1971.
(81) Ziring, Lawrence., *The Failure of Democracy in Pakistan*: East Pakistan and The Central Government, Unpublished Ph.D. Thesis, Columbia University, Faculty of Political Science, 1962

Asian Survey.
Bangladesh Observer, The, Dacca.
Ceylon Daily News, Colombo.
Commerce Weekly, The, Bombay.
Daily Telegraph, The.
Dawn, The, Karachi.
Debates of the Constituent Assembly of Pakistan.
Debates of the National Assembly of Pakistan.
Economist, The, London.
Evening Star, The, Washington.
Financial Times, The
Far Eastern Economic Review, The, Hong Kong.
Gristan, The, Stockholm.
Guardian, The, London.
Hindu, The, Madras.
Hindustan Times, The, Delhi.
Holiday (Weekly), Dacca.

Illustrated Weekly of India, The, Bombay.
Indian Express, The.
Indian Nation, The, Bombay.
Intenational Affairs (Magazine), London.
International Herald Tribune, The, Paris.
Irish Times, The.
Kayhan International, The, Tehran.
Keesing's Contemporary Archives (1969–1972).
Listener, The. London.
London Observer, The, London.
Manchester Guardian, The.
Morning News Daily, The, Dacca and Karachi.
Motherland, The, New Delhi.
Muslims, The, Islamabad.
Nationalist, The, Tanzania.
Newsweek, The, (Weekly).
New Times, The, Rawalpindi.
New York Times, The
Nigerian Tribune, The, Lagos.
Organiser, The, Delhi.
Ottawa Globe and Mail.
Outlook, The, Karachi.
Pakistan Horizon (Quarterly), Karachi.
Pakistan Observer, The, Dacca.
Pakistan Times, The, Lahore.
Peking Review, The.
People, The, Dacca.
Planning Commission Reports, Government of Pakistan.
Pravda, Moscow.
President Nixon's Foreign Policy Report to the American Congress (1972). US Government Printing Office,Washington.
Radio Kabul Commentary, English Version, released daily by the Press Information Department, Islamabad.
Report of the Constitution Commission, 1961, Government of Pakistan.
Sh. Mujibur Rehman, 6-Point formula, Our Rights to Live,1966
South Asian Review (Magazine).
Spectator, The.
Statistical Bulletin, Government of Pakistan.
Strategic Survey, London.
Sunday Times, The, London.
Tablet, The, London.
Time (Magazine), New York.
Times Daily, The, London.

Times of India, The, Bombay.
UN General Assembly Resolutions (December 1971).
UN Security Council Proceedings and Draft Resolutions (November and Dece mber, 1971).
US News World Report, The
Washington Post, The
Yorkshire Post, The

اُردو

اداکار ، (ہفت روزہ ، اردو)، لاہور
حکایت ، (ماہنامہ ، اردو) ، لاہور
جنگ (روزنامہ ، اردو) کراچی اور راولپنڈی
جسارت (روزنامہ ، اردو) کراچی
مساوات (روزنامہ ، اردو) لاہور
نوائے وقت (روزنامہ ، اردو) ، لاہور
صحافت (ہفت روزہ ، اردو) ، لاہور
اردو ڈائجسٹ ، لاہور
زندگی (ہفت روزہ) ، لاہور
۸۲ ۔ رضا ، انور ، یادوں کے جھروکے ، (اردو) اسلام آباد ، ۱۹۷۶
۸۳ ۔ مفتی ، مسعود ، لمحے ، (اردو) پوسٹ بکس ۱۲۹۳ ، اسلام آباد ۱۹۷۸
۸۴ ۔ نور احمد ، سید ، مارشل لا سے مارشل لا تک ، (اردو) ، ملک دین محمد اینڈ سنز ، لاہور ، ۱۹۶۷

ضمیمہ نمبر ۱

چھ نکاتی فارمولا کا متن

عوامی لیگ کے دستور میں شائع شدہ اصل اور ترمیم شدہ

نکتہ نمبر ۱

اصل : آئین کو قراردادِ لاہور پر مبنی ایک وفاق پاکستان اور ایک ایسے پارلیمانی نظام کا ضامن ہونا چاہیے جس میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست منتخب ہونے والی مقننہ کو بالادستی حاصل ہو۔

ترمیم شدہ : ملک کا طرز حکومت وفاقی اور پارلیمانی ہو گا۔ جس کے تحت وفاقی مقننہ اور صوبے کی مقننّاؤں کے لیے انتخابات براہِ راست اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے۔ وفاقی مقننہ میں نمائندگی آبادی کی بنیاد پر دی جائے گی۔

نکتہ نمبر ۲

اصل : وفاقی حکومت کے پاس صرف دو محکمے یعنی دفاع اور امورِ خارجہ ہوں گے جبکہ باقی تمام محکمے صوبوں کے زیرِ انتظام ہوں گے۔

ترمیم شدہ : وفاقی حکومت کے پاس صرف دفاع اور امورِ خارجہ اور ذیل میں درج شدہ نقطہ نمبر ۳ میں بیان کی گئی شرائط کے تحت کرنسی کے شعبے ہوں گے۔

نکتہ نمبر ۳

اصل (ا) دونوں صوبوں کے لیے علیحدہ مگر آسانی سے قابلِ تبادلہ کرنسیوں کا اجراء کیا جائے۔

(ب) تمام ملک کے لیے ایک ہی کرنسی مقرر کی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں ملک کے مشرقی حصے سے مغربی حصے میں دولت کی منتقلی کو روکنے کے لیے آئین میں تصریحات کی جائیں۔ مشرقی پاکستان کے علیحدہ مالیاتی ذخائر رکھے جائیں اور اس کے لیے الگ اقتصادی اور مالیاتی پالیسی طے کی جائے۔

ترمیم شدہ : ملک کے دونوں حصوں کی دو الگ الگ کرنسیاں ہوں جو باہمی طور پر یا آزادانہ طور پر قابلِ تبادلہ ہوں یا پھر ملک کی ایک کرنسی کی صورت میں محفوظ مالیاتی ذخائر کا ایک وفاقی نظام ہو گا جس کے تحت علاقائی ریزرو بینک قائم کیے جائیں گے، جو ایک حصے سے دوسرے حصے میں وسائل اور سرمائے کی منتقلی کو روکنے کے ذمہ دار ہوں گے۔

نکتہ نمبر ۴

اصل : ٹیکسوں کے نفاذ اور حصول کا اختیار صوبوں کو ہو گا اور یہ کہ وفاقی حکومت کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں ہو گا۔ فیڈریشن کو اپنے مطلوبہ اخراجات کے لیے ریاستی ٹیکسوں میں سے حصہ دیا جائے گا۔ وفاقی فنڈ تمام ریاستی ٹیکسوں پر لگائی جانے والی ایک معین شرح پر مشتمل ہو گا۔

ترمیم شدہ : صوبے اپنی اقتصادی پالیسی خود تیار کریں گے۔ وفاقی حکومت کو دفاع اور امورِ خارجہ کی ضروریات کے لیے مطلوبہ مالیاتی وسائل دستیاب ہوں گے۔ اس مقصد کے لیے وفاقی حکومت آئین میں طے شدہ طریقِ کار کے تحت

متعینہ شرح اور انداز سے مالی وسائل خود بخود وضع کرنے کی مجاز ہو گی ۔ متعلقہ آئینی تصریحات میں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ وفاقی حکومت کی مالی ضروریات اس انداز میں پوری کی جائیں کہ ایسا کرتے ہوئے صوبائی حکومتوں کا اپنی اقتصادی پالیسی پر کنٹرول متاثر نہ ہو ۔

نکتہ نمبر ۵

اصل : (۱) دونوں حصوں میں زرِمبادلہ کی آمدنی کے دو علیحدہ حسابات رکھے جائیں گے ۔

(۲) مشرقی پاکستان کی آمدنی حکومتِ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی آمدنی حکومت مغربی پاکستان کے زیرِ انتظام ہو گی ۔

(۳) وفاقی حکومت کی زرِمبادلہ کی ضروریات دونوں حصے ، مساویانہ طور پر کسی طے شدہ تناسب کے تحت پوری کریں گے ۔

(۴) دونوں حصوں کے درمیان ملکی مصنوعات کی نقل و حمل ڈیوٹی کے بغیر ہو گی ۔

(۵) آئین کے تحت صوبائی حکومتیں بیرونی سمجھوتے کرنے کی مجاز ہوں گی ۔

ترمیم شدہ : آئین کے تحت صوبوں کی زرِمبادلہ کی آمدنی کے علیحدہ حسابات کا نظام قائم کیا جائے گا ۔ جو کہ متعلقہ صوبے کی حکومت کے زیر انتظام ہوں گے ۔

وفاقی حکومت کی زرِمبادلہ کی ضروریات صوبائی حکومتیں آئین میں دیے گئے طریق کار کے تحت معین تناسب کی بنیاد پر پوری کریں گی ۔ حکومتوں کو ملک کی خارجہ پالیسی کے ، جو کہ وفاقی حکومت کی ذمہ داری ہو گی ، دائرہ کار میں رہتے ہوئے غیر ملکی تجارت اور امداد کے معاملات طے کرنے کا آئینی اختیار ہو گا ۔

نکتہ نمبر ۶

اصل : مشرقی پاکستان کے لیے ملیشیا یا نیم فوجی فورس کا قیام ۔

ترمیم شدہ : صوبائی حکومتیں قومی سالمیت میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے ملیشیا یا نیم فوجی فورس قائم کرنے کی مجاز ہوں گی ۔

ضمیمہ نمبر ۲

خصوصی انٹرویو :

راؤ فرمان علی سقوطِ پاکستان کے اہم گوشوں کو بے نقاب کرتے ہیں ۔
(بشکریہ ۔"نوائے وقت")

راؤ صاحب سانحہ مشرقی پاکستان کے عینی شاہد ہیں ۔
انہوں نے اپنے تجربے اور اس وقت اپنی پوزیشن کے پیش نظر سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب و واقعات پر روشنی ڈالی ہے ۔ اس انٹرویو میں انہوں نے بعض جگہ اپنی ذاتی رائے کا اظہار بھی کیا ہے اور بعض ایسے اسرار سے بھی پردہ اٹھایا ہے جو ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئے ۔ ذیل میں ان کا بالتفصیل انٹرویو دیا جا رہا ہے ۔

راؤ فرمان علی خان :۔ مشرقی پاکستان کا مسئلہ سیاسی تھا،اس کا حل فوجی نہیں تھا ۔ میں فوجی ایکشن کے خلاف تھا ۔ اس کے اثرات کیا ہونے ؟ یہ آپ سب کو معلوم ہے ۔ میرے ، گورنر احسن اور جنرل یعقوب خان تینوں کے خیالات یہی تھے ، کہ وہاں حالات کو فوج کے ذریعے قابو میں نہیں لایا جا سکتا ۔
ان دنوں جب میں غیر ملکی اخباری نمائندوں سے بات کرتا تھا یا کوئی پبلک بیان دیتا تھا تو مجھے حکومت کا نقطۂ نظر اپنانا پڑتا تھا ۔ ادھر چونکہ ملٹری ایکشن لیا گیا تھا اس لیے ہم نے اسے جائز قرار دیا اور کہا کہ یہ صحیح ہے ۔ اس لیے جب آپ

اس شخص سے بات کریں جو کسی اعلیٰ منصب پر ہو اور حکومت کا ترجمان ہو، تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار نہ کرے اور حکومت کی بات کرے ۔ میں اپنے تجربے کی بنیاد پر تو ہر چیز پر اظہارِ خیال کر سکتا ہوں ۔مگر یہاں بعض اوقات آپ سے اپنی ذاتی رائے کا اظہار کروں گا ۔

نوائے وقت :۔ ہماری اس گفتگو کا مقصد آپ کی ذاتی رائے کے علاوہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اُس وقت حکومت کی کیا مشکلات تھیں اور حکومت ان غلطیوں کا ارتکاب کیوں کر رہی تھی ۔ جبکہ پوری قوم یہ سمجھ رہی تھی ہم صحیح سمت کی طرف نہیں جا رہے اور پھر جب آپ ایک اہم منصب پر فائز تھے تو آپ کی بات کو کیوں نہ سنا گیا ؟ اور اس پر عمل کیوں نہ کیا گیا ؟ کیا سیاست دان حائل تھے یا کسی غیر ملکی طاقت کا ہاتھ تھا ؟ یا جو لوگ برسرِاقتدار تھے وہ آپ کے نقطۂ نظر کو ٹھیک طرح سمجھ نہیں رہے تھے ؟ آپ نے ابھی یہ کہا ہے کہ آپ اور گورنر احسن سمجھتے تھے کہ ان حالات کا صرف سیاسی حل تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ گورنر احسن کو ہٹا دیا گیا ۔ جنرل یعقوب نے استعفیٰ دے دیا ۔ جب آپ سمجھتے تھے کہ آپ کی بات سمجھی نہیں جا رہی اور آپ کی سیاسی حل کی تجویز پر عمل نہیں ہو رہا ۔ آپ کے دو سنئیر ساتھیوں کا جو حشر ہوا اس کے بعد آپ کی کیا حیثیت تھی ؟

راؤ فرمان علی :۔ ایک تو یہ کہ میں جونئیر تھا ۔ دوسرے یہ کہ جنرل یعقوب خان سے بھی پوچھ لیجیے گا ۔ جس رات انہوں نے استعفیٰ دیا اس رات جب میں اور جنرل خادم حسین راجہ کھانے کے بعد میز پر بیٹھے ہوئے تھے اور جنرل یعقوب ٹیلی فون پر استعفیٰ دے رہے تھے،تو ہم نے بھی ان کو آواز دے کر کہا تھا کہ آپ ہمارا بھی یہی پیغام پہنچا دیں مگرانہوں نے ایسا نہیں کیا اور واپس آکر میز پر بیٹھ کر کہنے لگے اگر ہم سب ایسا کریں تو یہ اجتماعی فعل بغاوت ہوگی اور قومی نقطۂ نظر سے یہ صحیح کام نہ ہو گا چونکہ ہم جونیئر تھے اس لیے ہم نے کہاکہ جو آپ کہتے ہیں ، ٹھیک ہے ۔ اس کے علاوہ فوج کا ایک قاعدہ ہے کہ ایک فوجی اپنے خیالات کا اظہار تو کر دیتا ہے اور اپنے سینئر کو بتا دیتا ہے کہ یہ اس کی رائے ہے ، اس کے بعد اسے جو حکم ملتا ہے اسے پورا کیا جاتا ہے ۔ اگر اختلافات کی وجہ سے فوج کے اندر فوراً استعفےٰ دینے شروع کر دیے جائیں تو میرا خیال ہے فوج بطور

فوج باقی نہیں رہتی ۔

نوائے وقت :۔ اصل بات یہ تھی کہ خالصتاً اس لحاظ سے فوجی معاملہ نہیں تھا ۔ یہ ایک سیاسی بحران تھا ۔ جس کا حل آپ کے نزدیک ، سیاسی تھا اور اس لیے جنرل یعقوب خان نے بھی اس وقت استعفیٰ دیا تھا ورنہ اگر جنگ شروع ہو چکی ہوتی تو ۔۔۔۔

راؤ فرمان علی :۔ ان کے استعفے کی وجوہات کچھ اور بھی تھیں ۔ یہی نہیں کہ ان کی بات سیاسی طور پر مانی نہیں جا رہی تھی بلکہ حالات ایسے خراب تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ صدرِ پاکستان ڈھاکہ آئیں لیکن انہوں نے آنے سے انکار کیا اور جب جنرل پیرزادہ نے انہیں یہ بتلایا تو اس صورت میں جنرل یعقوب نے کہا کہ میرا استعفیٰ قبول کریں ۔

نوائے وقت :۔ آپ جب مشرقی پاکستان میں تھے تو ذوالفقار علی بھٹو الیکشن جیتنے کے بعد پیپلز پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے وہاں گئے تھے اور وہاں ان کی شیخ مجیب سے گفتگو ہوئی تھی۔یہاں واپس آکر انہوں نے ایک بیان میں کہا تھا کہ چھ نکات میں سے ساڑھے پانچ نکات پر ہم نے سمجھوتہ کر لیا ہے اور اب صرف آدھے نکتے پر اختلاف باقی ہے ۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ آدھا نکتہ کیا تھا ؟

راؤ فرمان علی خان :۔ ذوالفقار علی بھٹو صاحب گئے اور وہاں ان کی مجیب الرحمٰن سے ملاقات ہوئی ۔ دریا کی سیر بھی ہوئی ۔ جہاں تک چھ نکات کا تعلق ہے تو الیکشن کے بعد مجیب الرحمٰن سے میری بات ہوئی تھی ۔ آپ ساڑھے پانچ نکات کہہ رہے ہیں ۔ وہ ساڑھے چار نکات ماننے کو تیار تھے ۔ انہوں نے کہا میں الیکشن کے بعد دونوں نکات بھی مان لوں گا ۔ جس چیز پر جھگڑا ہوا اور ہی مختلف باتیں تھیں اور وہ تھیں کہ صدرِ مملکت کون ہو گا ؟

جنوری میں بھٹو صاحب مشرقی پاکستان سے ہو کر یہاں آئے تھے۔صدرِ پاکستان بھی مشرقی پاکستان گئے اور وہاں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ مجیب الرحمٰن مستقبل کا وزیرِاعظم ہوگا ۔ مشرقی پاکستان سے واپس آکر خواہش ظاہر کی کہ مجیب

انہیں ملنے یہاں آئیں ۔ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ ابھی تو صدر یہاں سے گئے ہیں ۔ تمام مسائل پر سیر حاصل بحث وگفتگو ہو چکی ہے اور کوئی ایسی نئی بات نہیں جس پر ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کی اب ضرورت ہے یعنی مجیب نے کہا میں نہیں آسکتا ۔ میں نے اس سے سی ایم ایل اے سیکرٹریٹ میں جنرل ایم آئی کریم کو مطلع کر دیا ۔ اس اطلاع کے بعد اور مجیب کو رضامند کرنے کے لیے یہاں سے تین وزیر اور جنرل کریم جس کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا یکے بعد دیگرے وہاں دس گیارہ تاریخ تک پہنچے ۔ میں نے بھی ٹیلی فون پر مجیب سے بات کی ۔ اگرچہ اس نے ۸۔۹ مارچ تک آنے سے انکار کیا تھا کہا کہ اگر آپ زور دیتے ہیں تو میں چلا جاتا ہوں ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ تاریخ کو میری پارٹی کا اجلاس ہے ۔ جس میں اس آئین پر غور کرنا ہے جو ہمیں قومی اسمبلی میں پیش کرنا ہے اور مجھے اس کی منظوری پارٹی سے حاصل کرنی ہے تاکہ میں صدر صاحب کی یہ سیشن سے پہلے پیش کر سکوں جو ۳ مارچ کے اسمبلی کے اجلاس سے چند روز قبل تو ضرور ادھر آئیں گے اس لیے پارٹی کا اجلاس ضروری ہے اور اگر اصرار کرتے ہیں تو میں ۱۹ فروری کو اسلام آباد چلا جاؤں گا ۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے اور اس کی اطلاع صدر کے دفتر پہنچا دی ۔ یقیناً مجیب کی رضامندی اور اس کے آنے کی تاریخ سب کو معلوم ہوئی ہوگی ۔ چنانچہ ۱۸ تاریخ کو یہاں بھٹو صاحب نے تقریر کی جس میں اعلان کیا کہ جو مشرقی پاکستان گیا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی اور ہم ادھر کسی کو نہیں جانے دیں گے اور یہ کہ ڈھاکہ BUTCHER HOUSE ہے ۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ بھٹو نے یہ کہا ہے ۔ مجیب الرحمٰن نے ٹیلی فون کر کے بتایا اور کہنے لگے ، آپ نے بھٹو کی تقریر سنی ہے ۔ میں نے نفی میں جواب دیا اور کہا ۔ بھٹو نے کہا ہے کہ ڈھاکہ مغربی پاکستان والوں کے لیے BUTCHER HOUSE ہے بھئی اگر یہ بات ہے تو اسلام آباد مشرقی پاکستان والوں کے لیے BUTCHER HOUSE ہوگا ۔ اس لیے میں نہیں جا سکتا ۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ کو تو صدر نے آنے کی دعوت دی ہے ، اور یہ بات کسی اور نے کہی ہے ۔ ان دونوں میں تو کوئی تعلق نہیں ۔ مگر مجیب نے صاف انکار کر دیا اور کہا اب تو صدر یہاں آئے گا ، میں نہیں جاؤں گا ۔

نوائے وقت :۔ اس کے بعد کیا ہوا ؟

راؤ فرمان علی خان :- میں نے یہاں سی ایم ایل اے ہیڈ کوارٹر کو بتایا کہ وہ نہیں آ رہے تو انہوں نے مجھے بلا لیا کہ تم آجاؤ ۔ میں ۲۰ تاریخ کو یہاں آیا مگر آنے سے قبل مجیب سے ملاقات کی ۔ اس وقت انہوں نے بتایا کہ ان کی بھٹو سے بھی گفتگو ہوئی تھی اور آپ صدرِ مملکت کو یہ بتا دیجیے گا کہ میرے اور بھٹو کے خیالات میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ ہم دونوں بہت سے نکات پر رضا مند ہیں اور جس پوائنٹ پر ہم دونوں کا اتفاق ہے وہ یہ کہ فوج نے اس ملک پر بہت عرصہ حکومت کی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ فوجی حکومت اب ختم ہو جائے ۔ میرے اور بھٹو میں فرق یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں فوج حکومت سے الگ ہو جائے جبکہ وہ چاہتا ہے کہ فوج ختم ہو جائے ۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ صدرِ پاکستان کا چناؤ کس طرح سے ہو اور کون صدر ہو ؟ اس طرح مجیب الرحمٰن صدر کو اپنی رائے بتانا چاہ رہا ہے کہ جب وہ اور بھٹو آپس میں ملے تو بھٹو نے ان سے کہا آپ مشرقی پاکستان کے لیڈر ہیں ۔ میں مغربی پاکستان کا لیڈر ہوں ۔ آئین کی رو سے وزیرِ اعظم مشرقی پاکستان سے اور صدر مغربی پاکستان سے ہو گا ۔ اس لیے جہاں آپ وزیرِ اعظم بن جائیں تو وہاں مجھے حق دیجیے کہ میں مغربی پاکستان کے کسی شخص کو صدر کے طور پر نامزد کر سکوں ۔ مجیب نے مجھے بتایا کہ بھٹو کے الفاظ تھے :

I SHOULD HAVE THE RIGHT TO NOMINATE A PERSON FROM WEST PAKISTAN TO BE THE PRESIDENT OF PAKISTAN.

اس پر مجیب نے اس سے کہا کہ میں یہ اختیار نہیں دے سکتا ۔ کیونکہ میں لیڈر آف دی ہاؤس ہوں اور وزیرِ اعظم کی حیثیت سے میرا یہ اختیار ہو گا کہ میں صدر کو نامزد کروں اور ہو گا وہ مغربی پاکستان سے ہی ۔ دورانِ گفتگو میں نے بھٹو کو یہ بھی بتایا کہ میں نے پہلے ہی ایک شخص سے اسی قسم کا وعدہ کر لیا ہے ۔ بھٹو نے فوراً مجھ سے کہا کہ فرض کرو میں اسی شخص کو نامزد کرتا ہوں جو تمہارے ذہن میں ہے تو مجیب الرحمٰن نے میرے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا کہ اگر میں اسے یہ اختیار دے دیتا تو پتہ ہے کہ وہ کیا کرتا ۔ وہ خود اپنے آپ کو صدر نامزد کر دیتا ۔ اور چوبیس گھنٹوں کے اندر مجھے ، یعنی وزیر اعظم کو برطرف کر دیتا ۔

۲۰ فروری کو مجیب الرحمٰن سے مل کر راولپنڈی میں میں صدر سے ملا ۔

جنرل پیرزادہ بھی اس ملاقات میں موجود تھے ۔ میرے بیٹھتے ہی انہوں نے فوراً کہا :۔ ۔

I WANT TO SORT OUT THAT BASTARD

(میں اس بدمعاش کو ٹھیک کروں گا) میں نے عرض کیا،جناب ایسا نہ کریں ۔ اب وہ پاکستان کا منتخب لیڈر ہے اور اگر آپ کچھ کریں گے تو یہ میرے خیال میں صحیح نہیں ہو گا ۔ وہ پھر کہنے لگےاسے معلوم نہیں کہ میں پاکستان کا صدر ہوں میں اسے ٹھیک کروں گا ۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ان کو کہا گیا تھا کہ وہ صدر کے احکامات نہیں مان رہا ۔ وہ اسی طرح بول رہے تھےمیں نے ان سے عرض کی جناب ! میرے خیال میں چار مواقع ایسے ہو سکتے ہیں جب آپ اسے ٹھیک کر سکتے تھے ۔ ایک وقت تھاکہ آپ اسے اندر کر سکتے تھے ۔ مگر اب اس کا وقت گزر چکا ہے اور اب اسے اندر نہیں کرنا چاہیے ۔ دوسرا وقت وہ ہو گا جب وہ قومی اسمبلی میں آئین پیش کرے گا ۔ اور مغربی پاکستان کے لیڈر اس دستاویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیں ۔ آپ اس وقت پاکستان کے لیڈر ایوان میں واک آوٹ وغیرہ کرتے رہیں گے اورآئین پر بحث جاری ہو گی ۔ مغربی پاکستان کے لیڈر ایوان میں واک آوٹ وغیرہ کرتے رہیں گے اور آئین کو سب کے لیے قابل قبول بنانے کی کوشش کریں گے ۔ مجیب الرحمٰن اپنی اکثریت کے بل بوتے پر آئین زبردستی منظور کرانے کی کوشش کرے گا تو آپ اس پر دستخط نہ کریں ۔ مگر میں اس مرحلے پر بھی اس کاروائی کی سفارش نہیں کروں گا ۔ اس کے برعکس میں نے صدر کو تجویز پیش کی کہ اگر مجیب الرحمٰن کو اقتدار سونپ دیا جائے تو وہ مغربی پاکستان میں نہیں تو کم از کم مشرقی پاکستان میں چھ ماہ کے اندر مقبولیت کھو بیٹھے گا،تو یہ مناسب وقت ہو گاکہ اسے الگ کر دیا جائے ۔ مگر یحیٰی خان نے کہا ۔ ۔ نہیں نہیں ۔ان کے ساتھ کافی دیر تک بحث ہوتی رہی ۔ میں نے ان سے عرض کیاکہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا ہے ۔ جنرل پیرزادہ اٹھ کر چلے گئے ۔ میں نے ان سے اپنی اور مجیب کی گفتگو بیان کی ۔ جس میں اس نے صدر چننے کے متعلق اپنے خیالات کامجھ سے ذکر کیا تھا ۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے ۔ اور پہلی مرتبہ وہ مجھے دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئے اور ہم کمانڈر

کو سلیوٹ کیا کرتے تھے ۔ دروازے کے پاس پہنچ کر انہوں نے کندھے جھٹکے اور کہا :

I AM NOT WORRIED ABOUT MYSELF BUT WEST PAKISTAN IS MY BASE

(میں اپنے لیے فکر مند نہیں ہوں ، مغربی پاکستان میرا ٹھکانہ اور بنیاد ہے ۔)

میرے ساتھ ان کی جو گفتگو ہوئی تھی اس سے اس بات کا کوئی تعلق نہیں تھا ۔ اس کا تعلق اس افواہ سے تھا جو پھیلی ہوئی تھی کہ جنرل حمید نے یحییٰ خان سے اقتدار لے لیا ہے وہ کوئی ایسا ایکشن نہیں لے سکتے تھے جو رائے عامہ کے خلاف ہو ۔ اس لیے وہ مجبوراً اس راستے پر چل پڑے جو کہ مجیب الرحمٰن کو اقتدار میں لانے کے برعکس اس کے ساتھ سازش میں شریک ہونے کا تھا ۔ اگرچہ اس سازش کے ذریعے آپ پاکستان کے صدر ہوتے ، مگر ان کے یہ الفاظ بڑے اہم تھے کہ :

"HIS BASE IS WEST PAKISTAN"

(ان کی بنیاد مغربی پاکستان ہے) انہوں نے مشرقی پاکستان اپنا BASE نہیں یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں یہاں رہنا ہے یا جانا ہے یا کچھ کرنا ہے تو وہ مغربی پاکستان کی وجہ سے ہو گا ۔ اس لیے وہ مغربی پاکستان کے ایک لیڈر کے طرفدار ہو گئے تھے ۔

نوائے وقت : چھ نکات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟

راؤ فرمان علی خان : جہاں تک چھ نکات کا تعلق ہے تو یہ کوئی خاص بات نہ تھی ۔ ہر حالت میں یہ چھ نکات مغربی پاکستان کے مفاد میں ہوتے ۔ فرض کریں ان میں بیرونی زرمبادلہ کا ذکر ہے تو ۱۹۷۰۔۱۹۷۱ء میں پاکستان کو چھ نکات سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا میں ان دنوں کے ایئر مارشل اصغر خان کے خیالات سے اتفاق کرتا ہوں کہ بتدریج حالات بہتر ہو جاتے ۔ ان دنوں کے بعد مغربی پاکستان والوں کی تعداد بھی زیادہ ہو جاتی ۔ زرمبادلہ کی مقدار بھی بڑھ جاتی ۔

اس لیے چھ نکات کوئی ایسی خطرناک چیز نہ تھے کہ اسے زیرِ بحث نہ لایا جائے ۔ یہ سارا مقصد سیاسی طور پر حل ہو سکتا تھا ۔ اصل مقصد یہ تھا کہ طاقت کس کے ہاتھ میں ہو ؟ یہ بات نہ بن سکی ۔ مگر بھٹو کو صدرِ پاکستان کی نامزدگی پر اصرار تھا کیونکہ مغربی پاکستان ایک وحدت نہ تھی ۔ بعد میں ولی خان جیسے لیڈروں نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ ہم مسٹر بھٹو کو مغربی پاکستان کا لیڈر نہیں مانتے ، کیونکہ اس وقت کوئی مغربی پاکستان نہ تھا ۔ یہاں چار صوبے تھے ۔ اس لیے یہ سوال کہ مغربی پاکستان کا کوئی اکثریتی لیڈر ہو ۔ پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔جب یہ سوال پیدا نہ ہوا تو پھر یہی اوپشن (OPTION) رہ جاتا تھا کہ یہاں دو ملک ہوں تاکہ وہ اکثریتی لیڈر کے طور پر سامنے آ سکیں ۔

نوائے وقت : تو کیا یہ صرف طاقت حاصل کرنے کا کھیل تھا اور آپ کا یہ کہنا کہ یحییٰ خان اور مجیب الرحمٰن میں کوئی مفاہمت تھی ؟

راؤ فرمان علی : یہ مجیب کی طرف سے تھی ۔

نوائے وقت : انہی دنوں یحییٰ خان نے مجیب کو خط لکھا تھا کہ تم میرے آنے کا انتظار کرو میں تم کو چھ نکات سے بھی زیادہ دوں گا۔آپ اس بارے میں بتائیں کہ قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء میں مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کا کتنا کردار تھا اور یحییٰ خان کی کہاں تک ملی بھگت تھی کیونکہ اس میں ایک اور اہم پہلو ہے کہ قومی اسمبلی کا اجلاس طے کرنے کے کچھ ہی دنوں بعد یہ کہا جاتا ہے کہ یحییٰ خان نے لاڈویژن سے کہا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کے لیے ایک مسودہ تیار کریں ۔ جس کا مطلب ہے کہ انہوں نے پہلے سے ہی تقریر تیار کروانی شروع کر دی تھی ۔ یعنی وہ اجلاس ملتوی کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے ۔ کیاان باتوں پر روشنی ڈالیں گے ؟

راؤ فرمان علی خان : جس خط کا آپ نے ذکر کیا ہے ، وہ ۶ مارچ کے بعد کا ہے۔۳ مارچ کو اجلاس ہونا تھا ۔ولی خان نے جو دیکھا، وہ خط نہیں ٹیلیکس تھا ۔ جس کے اندر یحییٰ خان نے اجلاس ملتوی ہونے،ایجی ٹیشن شروع ہونے اور جب مجیب الرحمٰن کی طرف سے اعلان آزادی کرنے والے تھے۔ اس کو روکنے کے لیے

مجیب الرحمٰن کو یہ ٹیلکس بھیجا کہ میں چھ نکات سے زیادہ ماننے کو تیار ہوں، اس کے مطالبات تسلی بخش طریقے سے پورے ہوں گے ۔ یہ ٹیلکس مجیب ہر وقت اپنی جیب میں رکھتے تھے ۔ اور یہ ساری دنیا میں شائع ہو چکا ہے ۔

۱۶ مارچ کو صدر یحییٰ خان اپنی ٹیم سمیت ڈھاکہ میں مجیب الرحمٰن کے مہمان بن کر پہنچے۔ مذاکراتی ٹیم میں جنرل پیر زادہ ، جسٹس کارنیلس ، کرنل حسن اور ایم ایم احمد شامل تھے ۔ فوجی ٹیم جن کو HAWKS کہا جاتا تھا جنرل حمید ، جنرل عمر ، جنرل متھا ، جنرل افتخار،محترم صدر ، جنرل خداداد پر مشتمل تھی ۔ مذاکرات میں مشرقی پاکستان میں موجود جنرل ٹکا خان ، جنرل خادم حسین راجہ اور مجھے نہیں بلایا گیا ۔ اس لیے ہمیں روزانہ کی کاروائی کا علم نہ ہو سکا ۔ بہر حال میں نے ۱۹ مارچ کو مجیب الرحمٰن کو ٹیلی فون کیا اور اس سے پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے ۔ اس نے بتایا کہ فیصلہ ہو گیا ہے میں وزیر اعظم ہوں گا ۔ پانچ وزیر مغربی پاکستان سے اور پانچ مشرقی پاکستان سے ہوں گے۔میں نے پوچھا کہ آپ خوش ہیں تو اس نے کہا کہ ہاں لیکن بہت سی قانونی کاروائیاں کرنی ہوں گی ۔

اگر ہم اس سے پہلے کے واقعات پر غور کریں تو ۲۲،۲۳ اور ۲۴ فروری کو یہاں گورنروں اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹروں کااجلاس ہوا ۔ گورنر احسن اور جنرل یعقوب خان بھی اس اجلاس میں شریک ہوئے جس میں اور دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی فیصلہ کرنا تھاکہ مشرقی پاکستان میں کیا کیا جائے لیکن ،اگرچہ میں راولپنڈی ہی میں تھا ، جونیئر افسر تھا اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر یا گورنر نہیں تھا ، اس لیے میں اس میٹنگ میں نہیں گیا مگر اس اجلاس کی کاروائی کا مجھے علم ہو گیا ۔ کیونکہ گورنر احسن ، جنرل یعقوب اور میں آپس میں تبادلۂ خیالات کرتے رہتے تھے ۔ جس رات یہ اجلاس ہوا اس سے اگلی صبح مجھے ان دونوں نے بلایا ۔ ہم اس وقت مشرقی پاکستان ہاؤس میں رہتے تھے جہاں آج کل سپریم کورٹ آف پاکستان ہے ۔ گورنر بھی اس عمارت میں تھے ۔ ان دونوں نے مجھے بتایا کہ رات یہ فیصلہ ہوا ہے کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے ۔

میں نے کہا یہ تو غلط بات ہے ۔ ان دونوں کا بھی یہی خیال تھا ۔ آپس میں گفتگو کے بعد جنرل یعقوب نے جنرل پیرزادہ کو ایک خط لکھا اور اس کے اندر

صاف صاف کہا (جو تینوں کے خیالات کا نچوڑ تھا) کہ اس فیصلے کے بہت دور رس اور خطرناک اثرات ہوں گے اور یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس موقع سے بھارت فائدہ اٹھا سکتا ہے ۔

نوائے وقت : یہ تو بڑی بروقت وارننگ تھی ۔

راؤ فرمان علی : جی ہاں ، جنرل یعقوب نے یہ خط اپنے ہاتھ سے لکھا اور اسی وقت جنرل پیرزادہ کو بھیج دیا ۔ وہاں سے آٹھ دس بجے حکم آیا کہ ڈھاکہ چلے جاؤ ۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ تم یہاں شرارت کر رہے ہو اور یہاں سے ڈھاکہ چلے جاؤ ۔ اس پر میں ڈھاکہ چلا گیا ۔ جب یہ دونوں واپس ڈھاکہ پہنچے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ پر کیا گذری ۔ انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں صدر سے ملنے کے لیے گئے اور ان سے کہا کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں ، کیونکہ یہ ملٹری ایکشن کی طرف لے جانے کا جو قومی مفاد میں نہیں ہو گا۔ تو صدر صاحب نے یہ کہا کہ اگر تم بھٹو کو منا لو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔ گورنر احسن اور جنرل یعقوب راولپنڈی سے کراچی گئے ۔ انہوں نے وہاں بھٹو صاحب سے ملاقات کی ۔ بھٹو نے ان سے کہا کہ تم کس سے خوفزدہ ہو۔ عوامی لیگ ہماری پارٹی کی طرح کی پارٹی نہیں یہ بورژوا پارٹی ہے ۔ یہ گوریلا جنگ نہیں لڑ سکتی ۔ آپ کو ایجی ٹیشن سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے ۔ کراچی سے دونوں واپس راولپنڈی آئے ۔ صدر صاحب نے انہیں ہدایات دیں ۔ آخر وہ دونوں ڈھاکہ پہنچے ۔یکم مارچ کو التواء کا اعلان ہونا تھا ۔ اس سے ایک رات پہلے گورنر ہاؤس میں مجیب الرحمٰن ، تاج الدین اور کھندکر مشتاق کو بلایا گیا ۔ گورنر احسن نے ان کو بتایا کہ اجلاس ملتوی ہو رہا ہے ۔ تاج الدین نے کہا کہ ہمیں پہلے سے معلوم تھا ، مغربی پاکستان والے پُرامن طریقے سے اقتدار مشرقی پاکستان کے حوالے نہیں کریں گے ۔ اس لیے ہم جانتے ہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے ۔ صورت حال بڑی مایوس کن اور افسوسناک ہو چکی تھی ۔ چاروں طرف مُردنی چھائی ہوئی تھی ۔ تھوڑی دیر بعد مجیب نے اپنے دونوں ساتھیوں کو واپس بھیج دیا اور اس نے احسن سے کہا :

GIVE ME A FRESH DATE . THEN I CAN CONTROL MY PEOPLE.

(مہربانی کر کے مجھے کوئی نئی تاریخ دے دیں کیونکہ اس صورت میں اپنے لوگوں کو کنٹرول کر سکتا ہوں)

اس مقام پر سوچنے کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجیب علیحدگی پسند تھا اور اگر ہم تینوں اس کی طرف داری کر رہے تھے تو پھر ہم بھی صحیح راستے پر نہیں تھے ۔ وہ اگر علیحدگی پسند ہوتا تو التواء تو اس کے موافق تھا ۔ وہ کہہ رہا تھا مجھے نئی تاریخ دے دیں ۔ میں نئی تاریخ لے کر اپنے عوام کو کنٹرول کر لوں گا اور نئی تاریخ کس چیز کی ؟ پاکستان کی قومی اسمبلی کے اجلاس کی ۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ اس دن تک اس کے ذہن میں یہ تھا کہ اگر وہ وزیراعظم ہوتے تو بہتر ہو تا۔بعد میں اس کے خیالات بدل گئے ۔ اس کے جانے کے بعد ہم تینوں بیٹھ کر آپس میں مشورہ کرتے رہے کہ کیا کرنا چاہیے ۔ اس وقت ایڈمرل احسن نے بہت ہی تاریخی ٹیلکس ، جو خود اکیلے ان کی اختراع تھی ، ہمارے ساتھ مشورہ کے بعد تیار کی جس میں انہوں نے لکھا ۔

I BEG OF YOU TO ANNOUNCE THE FRESH DATE

TONIGHT , TOMORROW WILL BE TOO LATE

(میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آج کی رات ہی نئی تاریخ کا اعلان کر دیں ، کل بہت دیر ہو جائے گی) ، مگر اس تاریخ کا پھر کبھی اعلان نہ کیا گیا ۔

نوائے وقت : یہ کس تاریخ کی بات ہو گی ؟

راؤ فرمان علی : یکم مارچ کی ۔ یہ ٹیلکس پہلی کی رات کو بھیجا گیا ۔ اس رات کو جنرل حمید سے ٹیلی فون پر بات ہوئی ۔ اس رات کوشش کرتے رہے کہ کوئی مل جائے ۔ ستم ظریفی کہ گورنر اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو ٹیلی فون پر صدر یا کوئی اور ذمہ دار شخصیت مغربی پاکستان میں نہیں مل رہی تھی ۔ بہت تگ و دو کے بعد جنرل حمید ہمیں سیالکوٹ میں ملے اور ان سے کہا کہ آپ کچھ کوشش کریں کہ تاریخ تبدیل ہو جائے مگر اگلے دن بارہ بجے کے لگ بھگ اعلان ہو گیا ۔ اعلان سنتے ہی ایجی ٹیشن شروع ہو گئی ۔ انہوں نے سب کچھ جلا دیا ۔ رات کو کرفیو لگا

دیا گیا ۔ پہلے ایڈمرل احسن کو تبدیل کر دیا گیا اور ان کی جگہ جنرل یعقوب کو لگا دیا گیا ، اور جب یحییٰ خان نے کہا کہ میں ڈھاکہ نہیں آسکتا تو وہ بھی استعفیٰ دے کر الگ ہو گئے ۔ اس رات مجھے پھر حکم ملا کہ میں واپس اسلام آباد آ جاؤں ۔ رات گیارہ بجے ایک طیارہ جاتا تھا ۔ میں ساری رات سفر کر کے صبح راولپنڈی پہنچا ۔ مجھے جنرل ٹکا خان ملے جو وردی میں تھے ۔ مجھے ان سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ اسلام آباد کیوں جا رہے ہیں ؟ کیونکہ مجھے معلوم تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ اسلام آباد کیوں جا رہے ہیں ؟ یہ میرا خیال تھا اور بعض اوقات مجھے اس چیز نے نقصان بھی پہنچایا ہے کہ مجھے خود بخود بغیر پوچھے معلوم ہوتا ہے کہ بات کیا ہے ۔ خیر میں جانتا تھا کہ وہ اسلام آباد اس لیے جا رہے ہیں کہ مشرقی پاکستان سنبھال لیں۔اس لیے میں نے ان سے نہ پوچھا ۔ راستے میں ان سے عام باتیں ہوتی رہیں اور میں نے ان کو بتایا کہ میں بھی اسلام آباد صدر صاحب کو ملنے جا رہا ہوں اور یقیناً آپ بھی جا رہے ہیں ۔ انہوں نے کہا : ہاں ! چونکہ مجھے ٹائم پہلے کا دیا ہوا تھا ، اس لیے میں سیدھا پریزیڈنٹ ہاؤس پہنچا ۔ وہاں گھر پر صدر صاحب سے ملاقات ہوئی ، وہ دفتر میں نہیں تھے ۔ اس گھر میں تھے جس میں بعد میں وزیر اعظم رہتے رہے ۔ وہ باہر برآمدے میں بیٹھے تھے ۔ ان کے پاؤں میں سلیپر تھے ۔ دائیں طرف مسٹر بھٹو بیٹھے تھے ۔ بائیں طرف جنرل حمید تھے ۔ یہ دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا اور ایک آدمی چھ ہزار میل کا سفر کر کے راتوں رات وہاں پہنچتا ہے اور یہ دیکھتا ہوا آیا ہے کہ ڈھاکہ میں آگ لگی ہوئی ہے اور ملک تباہ و برباد ہو رہا ہے ۔ یہ تینوں شراب پی رہے تھے اور اس وقت مجھے نیرو کا خیال آگیا جب روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا ۔ میں نے سیلوٹ کیا اور میں کیا کر سکتا تھا ۔ ان کے کہنے پر میں بیٹھ گیا تو وہ بولے ۔ بتاؤ ، ڈھاکہ کے بارے میں تم کیا کہنا چاہتے ہو ؟ میں نے کہا میں آپ کو جو کچھ بتانے والا ہوں اس سے مسٹر بھٹو کو پریشانی ہو گی تو کیا میں ان سے درخواست کر سکتا ہوں کہ ۔۔۔۔۔۔ میں نے اپنا جملہ پورا نہیں کیا تھا کہ انہوں نے (بھٹو نے) اپنا گلاس اٹھایا اور ڈرائنگ روم کے عقب کے دروازے سے نکل گئے ۔ مجھے نہیں معلوم وہ کہاں گئے ۔ بھٹو اس وقت تو وہاں سے چلے گئے مگر میرا خیال ہے کہ اس بات پر انہوں نے مجھے کبھی معاف نہ کیا ۔ میں تو صرف ان کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا ۔

میں نے یحییٰ خان کو بتایا کہ وہاں (مشرقی پاکستان میں) ذوالفقار علی بھٹو کو کہتے ہیں KILLER NO.1 اور آپ کو کہتے ہیں KILLER NO.2 اور وہ کہتے ہیں کہ آپ نے تقریر نہیں لکھی ، یہ بھٹو نے لکھوائی تھی ، اس لیے پڑھی گئی ۔ وہ نہیں چاہتا کہ مشرقی پاکستان کے کسی شخص کے سپرد اقتدار کر دیا جائے ، اس لیے مغربی پاکستان کی فوجیں وہاں مشرقی پاکستان والوں کو مار رہی ہیں ۔

صدر صاحب نے مجھ سے کہا کہ وہ اس رات کوئی تقریر کرنے والے ہیں اور میں شام کو ایوانِ صدر میں ان کے پاس آ جاؤں ۔ میں شام کو ان کے پاس پہنچا تو صدر صاحب اپنی تقریر ریکارڈ کرا کر بیٹھے ہوئے تھے ۔ میرے علاوہ وہاں جنرل حمید اور جنرل ٹکا خان تھے ۔ یہ ڈنر کے بعد کی ملاقات تھی ۔ وہاں ہر قسم کی باتیں ہوئیں ۔ انہوں نے جنرل ٹکا خان کو احکامات دیے کہ فوج کو بیرکوں میں لے جاؤ ، ڈسپلن اور فوج کی تنظیم کو بہتر رکھو اور سڑکوں پر جو کچھ ہو رہا ہے اس میں اپنے آپ کو ملوث نہ کرو ۔ اس کا مقصد شاید یہ تھا کہ باہر سڑکوں پر دائیں اور بائیں بازو کے حامی آپس میں لڑ کر تھک جائیں گے اور پھر وہ فوج کے پاس آئیں گے ۔ جنرل ٹکا خان نے کہا ۔ ٹھیک ہے ۔ یعنی گھیراؤ ، جلاؤ وغیرہ جو کچھ ہو رہا ہے ، اس میں فوج کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گی ۔ اگلے روز جنرل ٹکا واپس ڈھاکہ گئے ۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا ۔ بزنجو بھی اسی طیارے میں سفر کر رہے تھے ۔ ہم لوگ کراچی جاتے ہوئے فضا ہی میں تھے کہ صدر صاحب کی تقریر براڈ کاسٹ ہوئی ۔ دروازہ کھلا تو بزنجو نے زور سے کہا:

NOW HE GOT WHAT HE WANTED

(اب اس نے حاصل کر لیا ہے جو وہ چاہتا تھا)

یعنی بھٹو نے ۔۔۔۔ یہاں بھی بہت سے ایسے لوگ تھے جن کا خیال تھا کہ یہ تقریر ان کے کہنے پر یا ان کے اشارے پر تیار ہوئی ہے جس میں یہ کہا گیا تھا :

ARMY WILL SORT OUT.

یہ سخت تقریر تھی ۔

نوائے وقت : ساتھ ہی قومی اسمبلی کی اگلی تاریخ کا بھی اس میں وعدہ تھا ۔

راؤ فرمان علی : جی ہاں ، ٦ تاریخ کو ہم ڈھاکہ پہنچے تو ، تاریخ کو ریس کورس گراؤنڈ میں جلسۂ عام ہو رہا تھا جہاں پانچ چھ لاکھ آدمی ہوں گے ۔ میں نے جنرل ٹکا خان سے کہا کہ یہاں یہ ہوتا ہے ۔ دراصل وہاں کی ایجی ٹیشنز دیکھنے والی ہوتی ہیں ۔ مغربی پاکستان میں تو بس مذاق ہی ہے ۔ مشرقی پاکستان میں تو چٹکی بجانے پر لاکھوں آدمی اکٹھے ہو جاتے ہیں ۔ وہاں جنرل ٹکا خان کو سب سے پہلے جس مسئلے کا سامنا کرنا پڑا وہ ریڈیو پاکستان کے ملازمین کا تھا جنہوں نے ریڈیو اسٹیشن کی عمارت کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور مطالبہ کر رہے تھے کہ مجیب الرحمٰن کی تقریر براڈ کاسٹ کی جائے گی ۔ یہ لوگ کام نہیں کر رہے تھے ۔ انہوں نے مجیب الرحمٰن کی ساری تقریر ٹیپ ریکارڈ کر رکھی تھی ۔ وہ اسے نشر کرنا چاہتے تھے ۔ یہ تقریر بڑی سخت تھی ۔

اس تقریر کے ریکارڈ بھی تیسرے چوتھے دن بجتے رہے مگر اس تقریر کی خوبی یہ تھی کہ اگرچہ مجیب نے اس میں اپنے لوگوں کے جذبات کو اتنا ابھارا کہ جس کی کوئی انتہا نہیں لیکن اس میں اس نے یکطرفہ اعلانِ آزادی نہیں کیا تھا ، مگر ایک خاص بات یہ تھی کہ ، مارچ کے بعد سے مشرقی پاکستان کی حکومت ان کی ایک کمیٹی کے ہاتھ میں چلی گئی ۔ انہوں نے ہر چیز پر قبضہ کر لیا ۔ ، مارچ سے ۲۵ مارچ تک مشرقی پاکستان پر عوامی لیگ کا قبضہ رہا ۔ اس دوران میں غیر بنگالیوں کا قتل عام ہوتا رہا ، گھیراؤ جلاؤ ہوتا رہا ۔ فوج چھاؤنیوں میں محبوس رہی ۔ کھانا پینا بھی مغربی پاکستان سے ہوائی جہازوں کے ذریعے پہنچ رہا تھا ۔

اسی روز مسٹر بھٹو ڈھاکہ پہنچے لیکن اگلے روز ۲۰ مارچ سے پریشان کن خبریں آنا شروع ہو گئیں ۔ مجیب کی تجویز تھی کہ مارشل لا فوراً ہٹایا جائے اور اقتدار انہیں سونپ دیا جائے ، وغیرہ وغیرہ ۔ بھٹو کا خیال تھا کہ مارشل لا ہٹانے سے انتقال اقتدار غیر قانونی ہو جائے گا اس طرح سے آئینی خلا پیدا ہو گا مگر حیرانی کی بات ہے کہ جب بھٹو اس قسم کے آئینی بحران سے دو چار ہوئے تو انہوں نے اس بحران کو ایک اور مارشل لا حکم کے ذریعے حل کر لیا ۔ سچ بات یہ ہے کہ اصل

مسئلہ یہ نہیں تھا ۔ ایک قانونی حکومت کو مارشل لا حکم کے ذریعے قائم کیا جا سکتا ہے اور دنیا میں کئی بار ایسا ہوا ہے ۔ وہی بھٹو جو اسمبلی کے اجلاس کی مخالفت کر رہے تھے ، اب مطالبہ کر رہے تھے کہ اسمبلی کا اجلاس طلب کر کے اس مسئلے کو قومی مسئلے کے طور پر زیرِ بحث لایا جائے ۔

یہ کش مکش اسی طرح جاری تھی اور ۲۲ مارچ تک جاری رہی ۔ مشرقی پاکستان میں یومِ شہداء منایا جا رہا تھا ۔ یہ بنگالی زبان کے مسئلے پر مارے جانے والے لوگوں کی یاد میں ہر سال منایا جاتا ہے ۔ اس روز بنگالیوں کے گروہ مجیب کے گھر کے سامنے سے مارچ کرتے ہوئے آئے ۔ اس طرح صورت حال پہلے سے زیادہ سنگین ہو گئی ۔

مغربی پاکستان کے کچھ حلقے بھی مجیب کا ساتھ دے رہے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ مجیب نے طاقت کے بل پر اقتدار حاصل کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا ۔ ۲۵ مارچ کی رات انہوں نے کرنل عثمانی مرحوم کی کمان میں زبردستی طاقت حاصل کرنے کے لیے منصوبہ بھی بنایا ہوا تھا ۔

ان رپورٹوں کے بعد حالات بہت خراب رہے ۔ میں اور جنرل خادم حسین، جنرل ٹکا خان کے پاس گئے اور کہا کہ کچھ کیا جانا ضروری ہے ، کیونکہ سازشیں جنم لے رہی ہیں ۔ ہم لوگ مکمل لاعلمی میں تھے اور فوج کو بھی پتہ نہیں تھا کہ کیا لائحہ عمل اختیار کیا جانے والا ہے ، تاہم ٹکا خان نے جواب دیا کہ جب کچھ کرنے کی ضرورت ہو گی تو آپ کو مطلع کر دیا جائے گا ۔ ہم نے ٹکا خان سے کئی ملاقاتیں کیں ۔ آخر کار وہ ۲۲ مارچ کو پریذیڈنٹ ہاؤس ڈھاکہ گئے ۔ واپس آکر انہوں نے ہمیں بتایا کہ کچھ ہونے والا ہے ، تم لوگ تیاریاں کر لو !

ان حالات میں ہم اپنا لائحہ عمل طے کرنے بیٹھ گئے ۔ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے مختلف کمانڈروں کو احکامات پہنچائے گئے کہ آئندہ چند روز میں کیا کچھ کیا جانا ہے ۔ عملی اقدام کی کوئی تاریخ تو مقرر نہیں کی گئی تھی مگر یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ عنقریب کچھ ہو گا ، لہٰذا پوری تیاری رکھیں ۔ ادھر مذاکرات جاری تھے اور ہماری عین خواہش تھی کہ یہ مذاکرات کامیاب ہوں ۔ مذاکرات کے بارے میں مجھے اور جنرل خادم حسین کو کچھ نہیں بتایا گیا تھا ، کیونکہ ہم دونوں کو اس سلسلے

میں اچھوت سمجھ کر سب کام ہماری اطلاع کے بغیر ہو رہے تھے ۔

نوائے وقت : اس زمانے میں اصلی صورتِ حال کس طرح پیش آئی ؟

راؤ فرمان علی : ۲۵ مارچ کی شام یحییٰ خان نے ٹکا خان سے ان کے گھر پر ملاقات کی ۔ یہاں سے افتخار جنجوعہ اور جنرل مٹھا کو ڈھاکہ بھیج دیا گیا تھا تاکہ اگر میں اور جنرل خادم حسین اپنا رویہ درست نہ کریں تو ہم سے وہ چارج لے لیں ۔

آپ پوچھتے ہیں اس زمانے میں کیا کیا ہوا ؟ میرا جواب ہے کہ بہت کچھ ہوا ۔ رات جنرل خداداد ، جنرل عمر ، اور جنرل یحییٰ خان نے ٹکا خان کے گھر پر بہت سی باتیں کیں ۔ ہم لوگ اس گفت و شنید میں بلائے نہیں گئے تھے ، اس لیے ہمیں علم نہیں ہے کہ کیا کیا باتیں اس رات ہوئیں ۔ ہمیں بتایا گیا کہ صدر صاحب مغربی پاکستان واپس جا رہے ہیں اور جب وہ کراچی سے چالیس میل کے فاصلے پر پہنچ جائیں تو آپریشن شروع کر دیا جائے گا ۔ اس کام کے لیے ہمیں کمانڈر مقرر کیا گیا تھا ۔ دراصل میں ایک غیر فوجی عہدہ پر تھا اور کمانڈر نہیں تھا مگر اس کام کے لیے مجھے ڈھاکہ کا کمانڈر مقرر کیا گیا اور اس لیے میں نے تمام متعلقہ لوگوں کو حرکت میں آنے کے احکامات جاری کر دیے ۔ اس سلسلے میں منصوبہ موجود تھا اور کوڈ کے خفیہ الفاظ پہلے ہی پہنچا دیے گئے تھے ۔ یحییٰ خان خاموشی سے ایک چھوٹی سی کار میں ایئرپورٹ تک گئے تھے اور وہاں انہیں کسی شخص نے خدا حافظ نہیں کہا تھا ۔ کموڈور خوند کر وہاں موجود تھے اور انہوں نے کہا دل تو پہلے سے یہی اصرار کر رہا تھا ۔ یہ ملاقات میرے دل میں گھر کر گئی لیکن اس ملاقات کے تھوڑے ہی عرصے بعد ہم اپنے آپ کو اجنبی لگنے لگے ۔ پھر وہ موقع بھی نصیب ہوا کہ رحمان بھائی اور ان کی اہلیہ نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

"شائق صاحب ! یہ دو دل آپس میں ضرور ملیں گے اگر ان دلوں کو محبت کا لہو ملا تو شاید انسانیت بانجھ ہو گئی ہے ۔ اے اللہ! و ۔۔۔۔۔" یہ کہتے جا رہے تھے ۔ میں دور تک انہیں دیکھتا رہا اور پھر میں بے اختیار رو پڑا ۔

ہمارے یہ اپنے تھوڑی سی دوری سے بالکل غیر ہو گئے ۔ وہ 'اندر' سے آج

بھی ہمارے اپنے ہیں ۔ ہم نے انہیں اپنا بنا کر اپنے ہی 'ہاتھ' سے اپنے گھر میں انہیں غیر کر دیا ہے ۔ جب 'بنگلہ دیش' کا لفظ پہلی بار ریڈیو پر نشر ہوا تھا تو میں نے کئی درد مند دلوں کی حرکت بند ہوتی محسوس کی تھی ۔ میرے نزدیک یہ عذاب الٰہی تھا ہمارے لیے ۔

ہمارے محلے میں ایک بابا 'ملنگی' رہتا تھا ۔ اس نے تحریکِ پاکستان میں اپنی بیوی بچوں کا لہو چندے کے طور پر دیا تھا ۔ یہاں وہ تانگہ چلایا کرتا تھا ۔ ایک تانگہ ، سرکنڈوں کی جھگی اور ایک ٹوٹا ہوا ٹیپ ریکارڈر اس کی پونجی تھی ۔ وہ اپنے ریکارڈر میں ایک ہی کیسٹ چلایا کرتا تھا جس میں اس نے ایک گانا چار دفعہ ریکارڈ کیا ہوا تھا ۔ وہ جب بھی اکیلا ہوتا تو یہ گانا عموماً سنا کرتا تھا ۔ اس گانے کے بول آپ بھی ملاحظہ فرمائیں :

دو دل اک دوجے کولوں دور ہو گئے

پھر ایک رات درد کی انہی سُروں میں اس کی نبض بند ہو گئی ۔ لوگ اسے چرسی کہتے تھے لیکن وہ مجھے اپنا بیٹا کہتا تھا۔میں صرف اسے سگریٹ سلگانے کے لیے ماچس دیا کرتا تھا لیکن اس آگ نے نئی جوانی کو بھسم کر کے رکھ دیا ۔ اب جب کبھی اس کی قبر پر جاتا ہوں تو بھیڑ بکریاں وہاں پر چڑھ کر گھاس پھونس چر رہی ہوتی ہیں ۔ ہماری قومی قبروں کا یہی حال ہے ۔ مینارِ پاکستان اب تو جوتوں کے اشتہاروں کے لیے بھی استعمال ہونے لگا ہے ۔ قائدِ اعظم کی قبر کو خدا ہمیشہ سلامت رکھے ۔ وہی ان قبروں کا محافظ ہے ۔

جس رات بنگلہ دیش کا اعلان ڈھاکہ ریڈیو سے ہوا تھا ،آپ نے بھی غور فرمایا ہو گا کہ وہاں سے 'اُردو سروس' میں یہ اعلان ہوا کرتا تھا "یہ ریڈیو بنگلہ دیش" ہے ۔ اس کے بعد پنجابی گانا نشر ہوتا تھا جس کے بول آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں :

دو دل اک دوجے کولوں دور ہو گئے

یہ گانا ہمارے اہلِ فہم و خرد نے بھی سنا ہو گا ۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں ؟ ایک ڈائجسٹ میں ایک قاری کا خط ملاحظہ فرمائیں :

"ویگن کے سفر میں مجھے ایک ڈائجسٹ کا مطالعہ کرتے دیکھ کر ایک بزرگ نے پوچھا ۔ 'بیٹے کیا پڑھ رہے ہو؟' میں نے کہا ۔ ڈائجسٹ ، تو وہ بولے ۔۔۔ اگر پاکستان کو بچانا ہے تو اسے جوڑ لو ورنہ عمر بھر خوار ہوتے رہو گے ۔ پھر ایک عصا کا سہارا لیے ہوئے بزرگ کہتے جا رہے تھے ۔"شاید کوئی پاکستانی لہو دے سکے" ۔

صدر نے جواب میں کہا کہ میں ایوب خان جیسی غلطی نہیں کروں گا ، میں اس طرح سے جنگ شروع نہیں کروں گا ۔ میں نے پھر پوچھا جناب اگر ایسا ہے تو پھر یہاں فوج کو محاذوں پر کیوں متعین کیا گیا ہے ۔ صدر نے جواب دیا یہ دفاعی کارروائی ہے اور ضروری ہے ۔ لیکن اطمینان رکھو میرا ادھر سے جنگ شروع کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ۔ میں اس وضاحت سے بہت خوش ہوا اور میں نے اپنے بچوں سے کہا کہ صدر نے میری بات مان لی ۔ چھ نومبر کو ہماری ملاقات لاہور میں پھر ہوئی ۔ بھٹو اس زمانے میں صدر کو مجبور کر رہے تھے کہ انہیں وزیرِاعظم بننے کے لیے ۲۵ ووٹ مشرقی پاکستان سے دلائے جائیں ۔ میرا خیال ہے کہ اگر مغربی پاکستان سے وزیرِاعظم بنا دیا گیا تو ملک قائم نہیں رہے گا ۔ اس ملاقات میں محمود علی قصوری اور مبشر حسن بھی موجود تھے ۔ میں نے ان کی موجودگی میں یحییٰ خان سے کہا کہ سیاستدانوں کو اقتدار منتقل کر دیں ، کیونکہ فوجیوں سے جھوٹ نہیں بولا جاتا ۔ یہ سیاستدان جہاز پر سوار ہوتے وقت ایک بیان دیتے ہیں اور اترتے وقت دوسرا بیان دیتے ہیں ۔ موجودہ صورتِ حال میں سیاسی حل کی ضرورت ہے مگر ہم سے سیاسی عمل مکمل نہیں کیا جا سکے گا ۔ صدر نے کہا ۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے ۔ محمود علی قصوری نے کہا کہ آپ ایک عبوری آئین دے کر ہمیں اقتدار منتقل کر دیں ۔ صدر نے کہا کہ تمام معاملہ بیس تاریخ تک حل کر لیا جائے گا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا ۔

ہم اس پس منظر میں مشرقی پاکستان آئے ۔ یہاں حالات ابتر ہو چکے تھے ۔ بھارتی افواج کا اجتماع بڑھ رہا تھا اور مکتی باہنی کے حملوں میں شدت آ چکی تھی ۔ عید سے اگلے روز ۲۱ نومبر کو بھارتی افواج نے سرحد عبور کر لی اور یہاں اڈے قائم کرنا شروع کر دیے ۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم ان پر توپ خانے سے حملہ کر رہے ہیں اور وہ توپ خانے کو دھکیلنے کی غرض سے آگے بڑھ رہے ہیں ۔

یہ ایک فرضی ڈرامہ تھا ۔ ہمارے پاس توپ خانے کی صرف چار رجمنٹیں تھیں اور ظاہر ہے کہ ہم شیلنگ نہیں کر سکتے تھے ۔ ۲۴ اور ۲۵ نومبر کو یہ ایڈوانس جاری رہا مگر اس سے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ وہ اپنے اور ہمارے درمیان مکتی باہنی والوں کو لگا دیتے تھے تاکہ مکتی باہنی کے زیادہ سے زیادہ لوگ مارے جائیں اور اس طرح مشرقی پاکستان پر قبضے کی صورت میں بھارتیوں کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہ ہو ۔ ہم نے یہ سب کچھ غیر ملکی نمائندوں کو دکھایا اور انہوں نے بھارتی مداخلت کے بارے میں بہت اچھی رپورٹیں ارسال کیں ۔ اس طرح غیر ملکی پریس نے بھارت کو جارح کے روپ میں پیش کیا ۔ ۲۵ نومبر کو گورنر نے صدر پاکستان سے ملاقات کی غرض سے مغربی پاکستان کا سفر کیا ۔ میں نے ان سے بھی کہا کہ صدر سے کہہ دیں کہ مغربی محاذ سے حملہ نہ کیا جائے ۔

یہ میرا اندازہ تھا کہ مغربی محاذ سے حملہ نہیں ہونا چاہیے ۔ آرمی میڈیکل کالج میں بھٹو سے یہی بات میں نے قید سے واپسی پر کہی کہ ہمیں ہرگز مغربی محاذ سے حملہ نہیں کرنا چاہیے تھا ، کیونکہ اس طرح بھارت کو دونوں محاذوں پر کھل کھیلنے کا موقع مل گیا اور اس نے کھلی جارحیت کا ارتکاب کیا ۔ ان کا خیال تھا کہ معاملے کو انٹرنیشنل بنانے کے لیے یہ ضروری تھا ۔

یہ بہت کم حضرات کو معلوم ہے کہ میرا ان دنوں فوج یا فوجی حکمتِ عملی یا جنگ سے کوئی تعلق نہیں تھا ۔ میں ایک سویلین تھا ۔ نیازی کور کمانڈر اور مارشل لا کے منتظم تھے اور میں ان کا مشیر تھا ۔ مجھے ان کے فوجی عمل اور حکمت عملی کا کوئی علم نہیں تھا لیکن اس سے قبل میں نے اور جنرل یعقوب نے ایک منصوبہ تیار کیا تھا جس کے تحت ہمیں پیچھے ہٹ کر دریاؤں کے کناروں پر ڈیرے جمانے تھے ۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس منصوبے کا کیا ہوا ۔ مشرقی محاذ پر حملہ ہو گیا تھا اور اس حملے کی حالت میں گورنر صاحب مغربی پاکستان واپس آ گئے ۔ ۲۹ نومبر کو میں نے ان سے ملاقات کی تو انہوں نے بتایا کہ میں نے صدر سے مغربی محاذ سے حملہ نہ کرنے کی بات کی ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ صدر نے بات نہیں مانی ۔ انہوں نے کہا کہ جنرل حمید دو دسمبر کو آ رہے ہیں ، تم اس سلسلے میں بات چیت کر لینا ۔ ۲ دسمبر کو ہمیں بتایا گیا کہ جنرل حمید نہیں آ رہے ہیں ۔ اس وقت تک مجھے

کسی نے نہیں بتایا تھا لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ اب مغربی محاذ سے حملہ ہونے والا ہے ۔ ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ ابھی جہاز آ جا رہے ہیں اس لیے قیدی بننے سے بہتر ہے کہ میں واپس مغربی پاکستان چلا جاؤں ۔ میں ۲ کو آ سکتا تھا مگر میں نے دوستوں کو چھوڑنا پسند نہیں کیا اور ان کے ساتھ ہی قیدی بننے کا فیصلہ کر لیا ۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ اب مغربی پاکستان نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ قید ہو جائیں گے ۔

پس میں جانتا تھا کہ حملہ ہونے والا ہے مگر میں نے مغربی پاکستان کا رخ نہیں کیا ۔ ہماری قسمت ہمیں بھارت کے زندانوں کی طرف دھکیل رہی تھی ۔ مجھے صدر یحییٰ خان کی طرف سے اجازت تھی کہ میں مغربی پاکستان آ سکتا تھا ۔ لیکن میں نے اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑنا پسند نہ کیا ۔

۲ دسمبر کی شام کو بی بی سی کے ڈیوڈ ینگ اور کابن مجھ سے ملنے آئے ۔ وہ اس سے پہلے صدر سے مل چکے تھے اور اب وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کیا مجیب کی رہائی ایک اچھا اقدام نہیں ہو گا ؟ میرا جواب سننے سے پہلے ہی انہوں نے جواب دیا کہ صدر کا خیال ہے کہ اس سے اس کی عزتِ نفس مجروح ہو گی ۔ بی بی سی کے نمائندوں نے صدر سے پوچھا ۔ "کیا ملک کی سالمیت سے ایک فردِ واحد کی عزتِ نفس زیادہ ہے" ؟ انہوں نے صدر سے یہ بھی کہا کہ انہیں مجیب سے مذاکرات کرنے چاہئیں ۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا کیا مغربی پاکستان سے حملہ ہو گا اور بھرپور جنگ چھڑ جائے گی ؟ میں نے جواب میں کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ جنگ ہو گی ۔ اب جنگ ہمیں شروع کرنی ہے مگر ایسا کرنا اب ہمارے لیے نقصان دہ ہو گا ۔ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ بھارت کی طرف سے اشتعال انگیزیوں کے باوجود جنگ نہیں ہو گی ۔ بس یونہی سرحدی جھڑپیں ہوتی رہیں گی ۔ میں ابھی بات کر ہی رہا تھا کہ ہیڈکوارٹر سے فون آگیا کہ مغربی محاذ سے حملہ کر دیا گیا ہے ۔

اس طرح ہماری متعدد درخواستوں کے باوجود کہ جنگ مغربی محاذ پر شروع نہ کی جائے ، تین دسمبر کو جنگ چھیڑ دی گئی ۔ ۴ تاریخ کو کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا ، کیونکہ اس روز بھارتی افواج نے اپنی جگہیں از سرِ نو ترتیب دیں ۔ ۵ دسمبر کی

صبح کو انہوں نے ڈھاکہ کا ایک رن وے والا ہوائی اڈہ تباہ کر دیا ۔ ہماری فوج میں ۳ ڈویژن ۳۲ ، بٹالین اور ناکافی سازوسامان تھا ۔ فوج کو تقریباً ۲۶ سو میل لمبی سرحد پر پھیلایا گیا تھا ۔ مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ جنرل نیازی نے فوج کو کس طرح تعینات کیا ہے ۔ ہمارے جوان مقامی شورہ پشتوں سے نپٹ رہے تھے اور بھارتی حموں سے ہماری فوج باہر کی طرف دھکیلی جا رہی تھی ۔ میں نے ۱۹۶۷ء میں 'سندر بن رن' نامی ایک فوجی مشق کے دوران یہ پیش گوئی کر دی تھی کہ ہمارے ملک کو پولینڈ جیسی صورت حال کا سامنا ہو گا ۔ ہمارے تمام بڑے شہر سرحدوں پر واقع ہیں ۔ جس کی وجہ سے جنگ کی صورت میں تمام فوج کو سرحد سے دور ہٹانا ہو گا ۔ وارسا کی طرح ڈھاکہ پر سخت حملہ شمال کی جانب سے ہو گا ۔ گوڈیرین بھی شمال کی جانب سے آئے تھے ۔ تمام فوج باہر ہٹ گئی تھی اور ایک خلاء پیدا ہو گیا تھا ۔ میں نے پیش گوئی کر دی تھی کہ ہماری فوج کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو گا اور تجویز پیش کی تھی کہ مشرقی محاذ پر فوج کو ایک ایک انچ زمین کے دفاع کی بجائے اپنے آپ کو یک جا رکھنا چاہیے ۔ یہ تجویز دفاعی منصوبے میں شامل کر لی گئی تھی ، لیکن عمل نہیں کیا گیا ۔

میں جب ۶ دسمبر کو ہیڈ کوارٹر گیا تو نقشہ دیکھ کر معلوم ہوا کہ ہماری فوج چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں پوری سرحد پر تقسیم کر دی گئی ہے ۔ میں نے جنرل نیازی سے کہا کہ آپ پیچھے کیوں نہیں ہٹ جاتے ، فوج کومیلا میں کیا کر رہی ہے ، آپ کے فوجی رنگ پور اور سید پور میں کیا کر رہے ہیں ۔ انہیں اندر کی طرف واپس بلا لیں ۔ جنرل نیازی نے پنجابی میں مجھے جواب دیا 'اوہناں تے حملہ ای ہویا ۔ میں اوہناں نوں کیوں واپس بلاواں؟' ہمارے ہاں عقلمندی کو بعض اوقات بزدلی کہا جاتا ہے ۔ اس وقت مجھے بزدل سمجھا جا رہا تھا مگر میں بزدلی نہیں کر رہا تھا ، فوجی حکمتِ عملی کی بات کر رہا تھا ۔ اس کے بعد نیازی صاحب نے کہا کہ میں نے اپنے کمانڈروں سے پوچھ لیا ہے وہ سب خوش ہیں اور ان کا ارادہ اور رویّہ میں نے بتلایا کہ اب وہ پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتے ، کیونکہ دشمن عقبی جانب بھی موجود ہے ۔ ظاہر ہے نیازی اپنی حکمتِ عملی سے لڑ رہے تھے اور اس میں میری رائے کو کوئی دخل نہیں تھا ۔

اصل صورت حال کا علم ہونے پر میں گورنر کے پاس گیا، جنہوں نے مجھے بتایا کہ دشمن ان کے آبائی گاؤں چواڈنگا تک آگیا ہے ۔ اگرچہ گورنر کو سول افسروں مثلاً ڈی سی اور کمشنر وغیرہ سے اطلاعات مل رہی تھیں مگر وہ اصل صورت حال جاننے کے خواہشمند تھے ۔ میں نے مشورہ دیا کہ آپ نیازی سے اصل صورتِ حال معلوم کریں ۔ گورنر نے چیف سیکرٹری مظفر اور ملٹری سیکرٹری کو ہمراہ لیا اور خود کور ہیڈ کوارٹر چلے گئے ۔ مجھے یہ تو علم نہیں ہو سکا کہ وہاں کیا ہوا مگر اگلی صبح گورنر نے مجھے بلایا اور بولے نیازی کی خواہش ہے کہ میں وزراء کو ان کے علاقوں میں بھیج دوں تاکہ عوام کا حوصلہ بلند کریں اور نعرۂ تکبیر لگائیں ۔ میں نے کہا کہ سڑکیں توڑ دی گئی ہیں اور پُل تباہ کر دیے گئے ہیں ۔ ایسے میں وزراء کس طرح مختلف شہروں کے دورے کریں گے ۔ گورنر نے کہا کہ وزراء ہیلی کاپٹروں میں جا سکتے ہیں ۔ میں نے جواب میں کہا کہ ہیلی کاپٹر تو فوج کے استعمال کے لیے بھی نا کافی ہیں اور وزراء کو کس طرح مل سکتے ہیں ۔ میں نے کہا کہ کمانڈر تو اپنے دفتر میں شیر ہوتا ہے اگر انہیں یہاں بلا لیا جائے تو وہ صحیح پوزیشن بتا سکیں گے ۔ گورنر نے جنرل نیازی کو گورنر ہاؤس آنے کی دعوت دی ۔

اسی دوران میں ٦ دسمبر کو جیسور ہم سے چھن گیا ۔ ہماری دو بٹالین فوج کومیلا سیکٹر میں محصور ہو گئی اور بہت سے لوگ مارے گئے ۔ طبی سہولتوں اور ایمبولینس کا فقدان تھا ۔ ہر طرف مکھی اور مچھر کی عملداری تھی ۔ صورتِ حال بے حد ابتر تھی ۔ اس صورتِ حال میں جنرل نیازی گورنر ہاؤس آئے ۔ گورنر نے کہا کہ بھئی جنگ میں کچھ بھی ہو سکتا ہے ۔ فتح ہو سکتی ہے، شکست ہو سکتی ہے اور ہتھیار ڈالے جا سکتے ہیں ۔ گورنر باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک زوردار ہچکی فضا میں بلند ہوئی اور نیازی رونے لگے، عین اس وقت چائے والا کمرے میں داخل ہوا ۔ گورنر ہاؤس میں رسم تھی کہ ملاقاتی کے آتے ہی فوراً چائے پیش کر دی جاتی تھی ۔ میں اور مظفر جلدی سے اٹھے اور میں نے چائے کی ٹرے لے کر چپراسی کو باہر دھکیل دیا، تاہم چند لمحے ہی میں یہ بات شہر میں پھیل گئی کہ گورنر کے کمرے میں کہرام مچا ہوا ہے اور صاحب لوگ رو رہے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ گورنر

ہاؤس کا کوئی آدمی نہیں رو رہا تھا صرف نیازی صاحب رو رہے تھے ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خوفزدہ نہ ہوں اور محض ملک کے مستقبل کی خاطر ان کی سسکی یا ہچکی نکل گئی ہو! تاہم جس فوج کا کمانڈر رو رہا ہو اس کی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے ۔ اس وقت فیصلہ کیا گیا کہ حالات کی صحیح عکاسی کے لیے ایک ٹیلکس مغربی پاکستان روانہ کیا جائے ۔ میں نے ٹیلکس کا مضمون بنایا اور کہا کہ صورت حال واقعی بہت خراب ہے اور ایسے میں سیاسی حل ضروری ہے ۔ اقوامِ متحدہ میں ہمارے نمائندے کے طرزِ عمل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہم شرائط عائد کر رہے ہیں ۔ میری تجویز ہے کہ جنگ بندی کا اہتمام کرایا جائے ۔

جنرل نیازی کا خیال تھا کہ یہ ٹیلکس گورنر ہاؤس سے جانا چاہیے ۔ مجھے اس وقت ذرا سا بھی گمان نہیں تھا کہ جنرل نیازی جونیئر افسر کو پھنسا رہے ہیں ۔ عام طور سے ایسا نہیں کیا جاتا ۔ یہ ٹیلکس ۷ تاریخ کو روانہ کیا گیا اور اسی روز اسلام آباد سے جواب ملا کہ گھبراؤ نہیں ، ہم ایک اعلیٰ اختیاراتی وفد خود اقوامِ متحدہ بھیج رہے ہیں ۔ تم جنگ جاری رکھو ۔ اب آپ اس لفظ 'رش' یا فوری بھیجنے پر توجہ کیجیے ۔ یہ وفد پہلے کابل کی طرف رش کیا گیا جیسے کہ عالمی سیاسی عمل کابل میں انجام پا رہا ہو ۔ کابل سے وفد نے فرینکفرٹ رش کیا ۔ یہاں وفد نے ایک رات قیام کیا اور بھٹو صاحب نے چیف سیکرٹری مظفر کی بیگم سے ملاقات کر کے کہا کہ تمہارا شوہر واپس نہیں آسکے گا ۔ بیگم مظفر نے گھبرا کر اپنے شوہر سے بات کی ۔ اب سوال یہ ہے کہ بھٹو کو پہلے سے انتظام کیے بغیر یہ کس طرح علم ہو گیا کہ مظفر واپس نہیں آسکیں گے ۔ در اصل انہیں شروع سے علم تھا کہ ڈھاکہ کا سقوط ہونے والا ہے ۔ وہ شخص جو یہ کہہ چکا ہو کہ اس نے ۱۹۵۱ء میں سورج کو مشرق سے نکلتے دیکھ لیا تھا ، وہ کس طرح ڈھاکہ کے انجام سے بے خبر ہو سکتا تھا ۔ بہر حال یہ وفد رش کرتا رہا اور تین روز کے بعد نیویارک میں وارد ہو گیا ۔

۷ یا ۹ دسمبر تک حالات خراب ہوتے رہے ۔ بھارت نے سرحد عبور کر رکھی تھی ۔ مکتی باہنی کے حملے بھی جاری تھے ۔ حالات کا دھارا ہمارے خلاف بہہ رہا تھا ۔ اس صورت میں بہت خونریزی ہوئی ۔ چاند پور بھی فتح کر لیا گیا ۔ ڈھاکہ اور جیسور کے درمیان دو کمپنیاں تھیں اور باقی بریگیڈ کھلنا کے دفاع کے لیے گیا تھا ۔ بریگیڈیر منظور کے بریگیڈ نے راجشاہی میں جمنا عبور کر لی تھی اور ادھر جنرل

انصاری پسپا ہو کر مدھومتی آچکے تھے ۔ دشمن اور ڈھاکہ کے درمیان ہماری دو کمپنیاں ہیڈ کوارٹر میں موجود تھیں ۔ کومیلا کا محاصرہ ہو چکا تھا اور کومیلا سے ڈھاکہ تک ہمارا کوئی فوجی نہ تھا ۔ اس کے برعکس دشمن بہت بڑی قوت میں موجود تھا ۔ اس کھیلے میں ہم کسی بھی قسم کے ہوائی تحفظ کے بغیر تھے اور ہمارے پاس توپ خانہ بھی نہیں تھا ۔ ہمیں ہیڈ کوارٹر سے ایک ٹیلی گرام ملا جس میں تمام صورتِ حال واضح کی گئی تھی ۔ اس میں کہا گیا تھا کہ صورتِ حال تمام سیکٹروں میں مخدوش ہے ۔ نقل وحمل کا امکان عملی طور پر ختم ہو چکا ہے ۔ فوجی بیس بیس دن سے جاگ رہے ہیں ۔ ہم محض چند دن تک لڑ سکتے ہیں ۔ راشن اور اسلحہ ختم ہو گیا ہے صرف تین دن تک مقابلہ کیا جا سکتا ہے' وغیرہ ۔ ادھر ایڈمرل شریف کا خیال تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ سات روز چل سکتے ہیں ۔ یہ ان کا ذاتی خیال تھا ۔ انہوں نے اس سے نیول ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا تھا ۔

قوموں کے لیے ایسی صورتِ حال اکثر پیدا ہو جایا کرتی ہے ۔ بھارت کو ایسی صورت حال کا سامنا کشمیر میں تھا اور اس نے اقوامِ متحدہ کے ذریعے جنگ بندی حاصل کر لی تھی ۔ مصری فوج ہتھیار ڈالنے والی تھی کہ سادات نے اقوامِ متحدہ کے ذریعے جنگ بندی حاصل کی ۔ آپ کو جنگ بندی کی سہولت بہت ملتی ہے جب آپ بعض شرائط کو قبول کریں، تاہم یہ آپ کی مرضی ہے کہ بعد میں بھی انہیں قبول کریں یا نہ کریں ۔ بھارت نے اپنے وعدوں پر عمل نہیں کیا ، سادات نے نہیں کیا ، کوئی نہیں کرتا ، یاد رکھیے جنگ بندی کے بعد دوبارہ جنگ شروع نہیں ہوا کرتی ۔ مشرقی پاکستان میں جنگ بندی کے بعد ہم بھی جنگ بندی کی شرائط کو اپنے الفاظ میں پیش کرنا شروع کر دیتے ۔ اس دوران میں ہم سیاسی حل کے ذریعے اپنی پوزیشن کو مضبوط بنا لیتے ۔

ہم نے گورنر کی طرف سے ایک ٹیلکس ارسال کیا کہ از راہِ کرم سیاسی تصفیہ کر لیجیے ۔ اس کے جواب میں یہاں سے ایک ٹیلکس گیا جو بے حد واضح تھا ۔ اس میں کہا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے بارے میں جو فیصلہ بہتر سمجھو خود ہی کر لو ۔ اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ مشرقی پاکستان کے بارے میں فیصلہ کر لو ۔ اس طرح کا دوسرا پیغام جنرل حمید نے جنرل نیازی کو بھیجا جس میں کہا گیا کہ جو بھی

ضروری اقدام ہو کر لو ۔ اس میں یہ جملہ زائد تھا کہ وقت آتے ہی تمام ساز و سامان ضائع کر دو ۔ اس کا کیا مطلب ؟ اس کا مطلب تھا کہ ہتھیار ڈال دو لیکن یہ تو ہمارا مقصد نہ تھا ، یہ پیغام تو آدھی رات کو موصول ہوا ۔

ہم سب جمع ہوئے اور ہم نے کہا ۔ بہتر حل کی بات کرتے ہیں ۔ ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے ۔ اس زمانے میں پنجاب کے تمام سیکرٹری صاحبان گورنر ہاؤس میں رہتے تھے ۔ میں بھی گورنر ہاؤس کی ایک عمارت میں اصل عمارت سے ذرا دور رہتا تھا ۔ مجھے علم نہیں تھا کہ اس قسم کا پیغام آیا ہے ۔ گورنر اور چیف سیکرٹری نے مل کر اقوام متحدہ کے لیے ایک پیغام تیار کیا ۔ صبح کو چیف سیکرٹری مظفر مجھ سے ملنے میرے آفس میں آئے ۔ مجھے وہ پیغام پڑھنے کو دیا ۔ اتنے میں گورنر بھی آ گئے اور کہنے لگے نیازی کو بھی یہ پیغام لکھوا دو ۔ اس وقت حملے اور ہوائی حملے جاری تھے ۔ ہم لوگ نیازی کے آفس سے چھ سات میل دور تھے ۔ ہم نے نیازی کو اپنی آمد کی اطلاع دی اور پرائیویٹ کاروں میں وہاں پہنچ گئے ۔ ایڈمرل شریف اور جنرل جمشید بھی وہاں موجود تھے ۔ یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے اور حمود کمشن میں بھی اس کا ذکر موجود ہے ۔ جنرل نیازی نے ٹیلیگرام پڑھا اور کہا تم کس حیثیت میں مجھ سے اس کی توثیق چاہتے ہو ۔ مظفر نے جواب دیا کہ کور کمانڈر اور سپریم باڈی کے رکن کی حیثیت سے آپ کو اس کی توثیق کرنی ہے ۔ جنرل نیازی نے اس کی توثیق کر دی اور ہم واپس گورنر ہاؤس آ گئے ۔ یہاں اقوام متحدہ کا آدمی ہمارا منتظر تھا ۔ اب یہ ایک ایسا ٹیلکس تھا جسے میں ہی فوجی حیثیت میں دستخط کر سکتا تھا، لہذا میں نے اس پر دستخط کر دیے اور اس طرح یہ میری ذمہ داری بن گیا ۔

نوائے وقت : کیا آپ کو یہ تار بھیجنے کا اختیار تھا ؟

راؤ فرمان علی : لوگ کہتے ہیں کہ مجھے یہ تار بھیجنے کا اختیار نہیں تھا ۔ میں بھی یہی کہتا ہوں مگر میں نے ٹیلیگرام گورنر کی واضح ہدایت کے تحت بھیجی تھا جو صدر کی منظوری اور براہ راست نگرانی میں کام کر رہے تھے ۔ کسی نے نہیں کہا کہ گورنر کو اختیار نہیں تھا ۔ سب نے کہا کہ فرمان کو اختیار نہیں تھا ۔ میں بھی یہی کہتا

ہوں کہ میں اسٹاف آفیسر تھا اور مجھے اختیار نہیں تھا ۔ بہر حال ٹیلکس بھیج دیا گیا ۔ اگلی صبح جنرل پیرزادہ نے ہم سے بات کی ۔

اس قرار داد میں کوئی قباحت نہ تھی ۔ یہ بھارت اور روس دونوں کو منظور تھی، تاہم پولینڈ کی قرار داد کی شکل میں اسے سبوتاژ کیا گیا ۔ اصل مقصد یہ تھا کہ ہمیں قیدی بنایا جائے ۔ فوج کی شہرت داغدار کی جائے اور آمریت کے مقابلے کے لیے فوج کی اہمیت کو ختم کیا جائے ۔ یہ ایک ماسٹر پلان تھا ۔

نوائے وقت : کیا آپ کے تار کی تردید کی گئی ؟

راؤ فرمان : آپ نے میرے تار کی تردید کے بارے میں پوچھا ہے ۔ انہوں نے دراصل اس کی تردید نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ فرمان کو اس کی ترسیل کا حق نہیں تھا ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ چھٹا بیڑہ آ رہا ہے اور چین بھی ہماری مدد کو آئے گا ۔ ہم نے ڈھاکہ میں امریکیوں سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے کافی سختی سے ہم سے سوال کیا کہ تمہیں جنگ شروع کرنے کو کس نے کہا تھا ؟ ہمیں پہلے تو جنگ بندی کی سہولت سے محروم کیا گیا اور پھر بتایا گیا کہ تم بہت اچھے لڑے ہو ۔ تین روز کے بعد کہا کہ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے ۔

ہتھیار ڈالنے پر کیوں مجبور کیا گیا ؟ دیکھیے کوئی حکومت بھی ایک علاقہ دینے کے بعد ڈھکال کی طرح قائم نہیں رہ سکتی تھی ۔ علیحدگی کا فیصلہ کبھی بھی مذاکرات کی میز پر نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ اس طرح غداری کا الزام لگ جاتا ۔ اس طرح ۲۷ کروڑ کی رقم کا دعویٰ تسلیم کرنا پڑتا اور یہ وہ رقم ہے جو رحمان سُبحان نے ایک مقدمے میں باقاعدہ طور سے حساب کتاب کے ذریعے مغربی پاکستان کے ذمے بتائی تھی ، اور تمام بہاری مغربی پاکستان آ جاتے ۔ سب سے اہم بات فوج کی عزت کو ختم کرنا مقصود تھا تاکہ دوبارہ وہ اقتدار میں نہ آئے اور وہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ فوجی شکست ہو ۔ فوج کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا تاکہ یہ پھر کبھی اقتدار نہ سنبھالے ۔

نوائے وقت : آپ اس تمام صورت حال کا کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اس سے کیا سبق حاصل کرنا چاہیے ؟

راؤ فرمان: میرے خیال میں سب سے بڑا سبق تو یہی ہے کہ جب دلوں میں کچھ رنجشیں اور کدورتیں آ جائیں اور ماحول خراب ہو جائے تو پھر اسے درست کرنا ملٹری ایکشن سے ممکن نہیں ۔ یہ صرف سیاسی عمل سے یا لوگوں کی آپس کی ملاقاتوں اور گفتگو کرنے سے حل ہو سکتا ہے ۔ ایسے علاقے جہاں پر مارشل لا لگتا ہے اور جب بھی مارشل لا لگتا ہے تو ان علاقوں کے لوگ فوج میں نہیں ہوتے ۔ جرنیل نہیں ہوتے، کرنیل نہیں ہوتے تو وہ علاقے اور وہاں کے لوگ علیحدگی محسوس کرتے ہیں ۔ انہیں احساس محرومی ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کالونی بن گئے ہیں ۔ اور ان پر حکومت کوئی دوسرا کرتا ہے ۔ ظاہر ہے ، دوسروں کی حکومت اب کوئی بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ۔ انگریزوں کو ہم نے اس لیے نکالا کہ وہ دوسرے تھے ۔ اس احساس کو بھی بہت فروغ حاصل ہوتا ہے ، فوج کے عمل دخل سے ، تیسرے یہ کہ میرے خیال میں سیاسی عمل جاری رہنا چاہیے اور سیاسی عمل کے ذریعے ہی سے ملکوں کے مسائل حل ہو سکتے ہیں ۔

گوشوارہ نمبر ۳

پاکستان کی مرکزی وزارتوں کی تفصیل ۱۵، اگست ۱۹۴۷ء سے ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱ء تک

۱ ۔ لیاقت علی خان کابینہ

نام	عرصہ	محکمے
وزیر اعظم		
لیاقت علی خان	۱۵، اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۶، اکتوبر ۱۹۵۱ء	دفاع:۔ ۱۵، اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء خارجہ تعلقات و امور دولت مشترکہ ۱۵، اگست ۱۹۴۷ء سے ۲۷، دسمبر ۱۹۴۷ء امور کشمیر: ۳۱، اکتوبر ۱۹۴۹ء سے ۱۳، اپریل ۱۹۵۰ء سرحدی علاقوں کے امور ۱۲، ستمبر ۱۹۴۸ء سے ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء
وزراء		
۱ ۔ مسٹر آئی آئی چندریگر	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ۷ مئی ۱۹۴۸ء	
۲ ۔ مسٹر غلام محمد	۱۵، اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۹ء اکتوبر ۱۹۵۱ء	خزانہ ۱۵، اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۹، اکتوبر ۱۹۵۱ء اقتصادی امور ۱۲، مارچ ۱۹۴۸ء تا ۱۹، اکتوبر ۱۹۵۱ء

نام	مدت	محکمہ
۳ ۔ سردار عبدالرب نشتر	۱۵، اگست ۱۹۴۷ء تا ۲ اگست ۱۹۴۹ء	مواصلات
۴ ۔ راجہ غضنفر علی خاں	۱۵، اگست ۱۹۴۷ء تا ۳۰، جولائی ۱۹۴۸ء	خوراک و زراعت ، صحت ، مہاجرین و بحالیات
۵ ۔ مسٹر جوگندر ناتھ منڈل (مشرقی پاکستان)	۱۵، اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۶، ستمبر ۱۹۵۰ء	قانون ، محنت ، تعمیرات
۶ ۔ مسٹر فضل الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	۱۵، اگست ۱۹۴۷ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	امورِ داخلہ ، اطلاعات و نشریات اور تعلیم
۷ ۔ سر محمد ظفراللہ خاں	۲۷، دسمبر ۱۹۴۷ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	خارجہ تعلقات اور امورِ دولتِ مشترکہ
۸ ۔ مسٹر عبدالستار پیرزادہ	۳۰، دسمبر ۱۹۴۷ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	خوراک ، زراعت ، صحت ، قانون اور محنت
۹ ۔ خواجہ شہاب الدین (مشرقی پاکستان)	۸، مئی ۱۹۴۸ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	داخلہ ، اطلاعات و نشریات ،مہاجرین و بحالیات
۱۰ ۔ مسٹر ایم اے گورمانی	(i) ۳، جنوری ۱۹۴۹ء تا ۳۱، اکتوبر ۱۹۴۹ء	(i) بے محکمہ
	(ii) ۱۳، اپریل ۱۹۵۰ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	(ii) امور کشمیر
۱۱ ۔ سردار بہادر خان	۱۰، ستمبر ۱۹۴۹ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	مواصلات ، صحت و تعمیرات
۱۲ ۔ چوہدری نذیر احمد خاں	۱۰، ستمبر ۱۹۴۹ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	صنعت و حرفت
۱۳ ۔ ڈاکٹر اے ایم مالک	۲۰، ستمبر ۱۹۴۹ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	صحت و تعمیرات اور اقلیتی امور

وزرائے مملکت

نام	مدت	محکمہ
۱۴ ۔ ڈاکٹر محمد حسین	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۰ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	ریاستیں اور سرحدی علاقے
۱۵ ۔ ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	۲۴ ، اکتوبر ۱۹۵۰ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	مہاجرین و بحالیات
۱۶ ۔ عزیز الدین احمد (مشرقی پاکستان)	۲۳، اپریل ۱۹۵۱ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	اقلیتی امور

نائب وزراء

۱ ـ ڈاکٹر محمد حسین	۳، فروری ۱۹۴۹ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۰ء	دفاع ریاستیں اور سرحدی علاقے
۲ ـ سردار بہادر خان	۱۷، فروری ۱۹۴۹ء تا ۱۰، ستمبر ۱۹۴۹ء	امورِ خارجہ ، دولت مشترکہ تعلقات اور مواصلات
۳ ـ ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	۱۷، فروری ۱۹۴۹ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۰ء	امورِ داخلہ ، اطلاعات و نشریات ، مہاجرین و بحالیات
۴ ـ سردار محمد نواز خان	۱۰، ستمبر ۱۹۴۹ء تا ۳۰، جون ۱۹۵۰ء	دفاع ، ریاستیں اور سرحدی علاقے
۵ ـ مسٹر غیاث الدین پٹھان (مشرقی پاکستان)	۲۳، اپریل ۱۹۵۱ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء	خزانہ

۲ ـ الحاج خواجہ ناظم الدین کابینہ

وزیر اعظم

خواجہ ناظم الدین (مشرقی پاکستان)	۱۹، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء	دفاع

وزراء

۱ ـ سر ظفر اللہ خاں	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء	امورِ خارجہ و دولتِ مشترکہ
۲ ـ مسٹر فضل الرحمن (مشرقی پاکستان)	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء	تجارت ، تعلیم اور اقتصادی امور
۳ ـ مسٹر محمد علی	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء	خزانہ
۴ ـ مسٹر اے ایس پیرزادہ	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۶، اپریل ۱۹۵۳ء	خوراک و زراعت و قانون
۵ ـ خواجہ شہاب الدین (مشرقی پاکستان)	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۲۶، نومبر ۱۹۵۱ء	داخلہ ، اطلاعات و نشریات
۶ ـ مسٹر ایم اے گورمانی	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء	امورِ کشمیر، داخلہ ،ریاستیں و سرحدی علاقے

۷ ـ سردار بہادر خان	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۱۱ء تا ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء	مواصلات
۸ ـ ڈاکٹر اے ایم مالک (مشرقی پاکستان)	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۱۱ء تا ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء	محنت ، صحت و تعمیرات
۹ ـ سردار عبدالرب نشتر	۲۶، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء	صنعت
۱۰ ـ ڈاکٹر محمد حسین	۲۶، نومبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء	امور کشمیر
۱۱ ـ ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	۲۶ نومبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء	مہاجرین ، بحالیات ، اطلاعات و نشریات

وزرائے مملکت

۱ ـ ڈاکٹر محمد حسین	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۲۶، نومبر ۱۹۵۱ء	دفاع ، ریاستیں اور سرحدی علاقے
۲ ـ ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۲۶ نومبر ۱۹۵۱ء	مہاجرین و بحالیات
۳ ـ مسٹر عزیز الدین احمد (مشرقی پاکستان)	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء	اقلیتی امور
۴ ـ مسٹر غیاث الدین پٹھان (مشرقی پاکستان)	۱۹، اگست ۱۹۵۲ء تا ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء	خزانہ اور پارلیمانی
۵ ـ سید خلیل الرحمن	۱۹، اگست ۱۹۵۲ء تا ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء	دفاع

نائب وزراء

۱ ـ مسٹر غیاث الدین پٹھان (مشرقی پاکستان)	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۹، اگست ۱۹۵۲ء	خزانہ

۳ ۔ محمد علی بوگرہ کابینہ

وزیرِ اعظم

محمد علی بوگرہ (مشرقی پاکستان)	۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	تجارت ، دفاع ، اطلاعات و نشریات

وزراء

۱ ۔ سر ظفر اللہ خان	۱۷ ۔ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	خارجہ امور ۔ دولتِ مشترکہ تعلقات
۲ ۔ مسٹر محمد علی	۱۷ ۔ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	خزانہ ، اقتصادی امور
۳ ۔ مسٹر مشتاق احمد گورمانی	۱۷ ۔ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	امورِ داخلہ ، ریاستیں اور سرحدی علاقے
۴ ۔ سردار بہادر خان	۱۷ ۔ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	مواصلات
۵ ۔ ڈاکٹر اے ایم مالک (مشرقی پاکستان)	۱۷ ۔ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	محنت ، صحت اور تعمیرات
۶ ۔ ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	۱۷ ۔ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	تعلیم
۷ ۔ مسٹر اے کے بروہی	۱۷ ۔ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	قانون ، پارلیمانی امور ، اقلیتی امور اور اطلاعات و نشریات
۸ ۔ خان اے کیو خان	۱۹، اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	خوراک و زراعت ، صنعت و تجارت
۹ ۔ مسٹر شعیب قریشی	۱۸ ۔ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	اطلاعات و نشریات مہاجرین و بحالیات اور امورِ کشمیر
۱۰ ۔ مسٹر تفضل حسین (مشرقی پاکستان)	۷، دسمبر ۱۹۵۳ء تا ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء	تجارت

وزرائے مملکت

۱ ۔ مسٹر غیاث الدین پٹھان (مشرقی پاکستان)	۷، دسمبر ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	زراعت، اقلیتی امور و پارلیمانی امور
۲ ۔ سردار امیر زمان خان	۷، دسمبر ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	دفاع
۳ ۔ مسٹر مرتضیٰ رضا چوہدری (مشرقی پاکستان)	۷، دسمبر ۱۹۵۳ء تا ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء	خزانہ

۴ ۔ محمد علی بوگرہ (نئی تشکیل شدہ کابینہ)

وزیراعظم

محمد علی بوگرہ (مشرقی پاکستان)	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱، اگست ۱۹۵۵ء	خارجہ امور، دولت مشترکہ تعلقات، مواصلات و صحت

وزراء

۱ ۔ مسٹر محمد علی	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱، اگست ۱۹۵۵ء	خزانہ، اقتصادی امور، مہاجرین، بحالیات اور امور کشمیر
۲ ۔ ڈاکٹر اے ایم مالک (مشرقی پاکستان)	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱، اگست ۱۹۵۵ء	محنت، صحت و تعمیرات
۳ ۔ مسٹر ایم اے ایچ اصفہانی (مشرقی پاکستان)	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء	صنعت و تجارت
۴ ۔ میجر جنرل سکندر مرزا	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۷ اگست ۱۹۵۵ء	داخلہ، ریاستیں سرحدی علاقے اور امور کشمیر

۵ ـ جنرل محمد ایوب خان	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء	دفاع
۶ ـ مسٹر غیاث الدین پٹھان	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء	خوراک ، زراعت ، اقلیتی امور و پارلیمانی امور
۷ ـ میر غلام علی تالپور	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء	اطلاعات و نشریات و تعلیم
۸ ـ ڈاکٹر خان صاحب	۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء	مواصلات
۹ ـ مسٹر ایچ آئی رحمت اللہ	۲۰ نومبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء	تجارت
۱۰ ـ مسٹر ایچ ایس سہروردی	۲۰ نومبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء	قانون
۱۱ ـ سیّد عابد حسین	۱۱ دسمبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء	خوراک و تعلیم
۱۲ ـ سردار ممتاز علی خان	۲۲ دسمبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء	اطلاعات و نشریات و امور کشمیر
۱۳ ـ مسٹر ابو حسین سرکار (مشرقی پاکستان)	۴ جنوری ۱۹۵۵ء تا ۶ جون ۱۹۵۵ء	صحت

وزرائے مملکت

۱ ـ سردار امیر اعظم خان	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱، اگست ۱۹۵۵ء	مہاجرین ، بحالیات و دفاع
۲ ـ مرتضٰی رضا چوہدری (مشرقی پاکستان)	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱، اگست ۱۹۵۵ء	خزانہ

۵ ـ چوہدری محمد علی کابینہ

وزیرِ اعظم

چوہدری محمد علی	۱۱، اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء	دفاع، امورِ خارجہ، دولتِ مشترکہ تعلقات، خزانہ، اقتصادی امور، امورِ کشمیر اور ریاستیں و سرحدی علاقے۔

وزراء

۱ ـ ڈاکٹر خان صاحب	۱۱ـ اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۴، اکتوبر ۱۹۵۵ء	مواصلات، ریاستیں و سرحدی علاقے
۲ ـ مسٹر اے کے فضل الحق (مشرقی پاکستان)	۱۲، اگست ۱۹۵۵ء تا ۹، اکتوبر ۱۹۵۶ء	داخلہ اور تعلیم
۳ ـ مسٹر ایچ آئی رحمت اللہ	۱۱، اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء	تجارت و صنعت
۴ ـ ڈاکٹر عابد حسین	۱۱، اگست ۱۹۵۵ تا ۱۴، ستمبر ۱۹۵۶ء	امورِ کشمیر و تعلیم
۵ ـ مسٹر کمینی کمار دتا (مشرقی پاکستان)	۱۱، اگست ۱۹۵۵، تا ۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء	قانون و صحت
۶ ـ پیر علی محمد راشدی	۱۱، اگست ۱۹۵۵ء تا ۲۷، اگست ۱۹۵۶ء	اطلاعات و نشریات
۷ ـ مسٹر نورالحق چوہدری (مشرقی پاکستان)	۱۱، اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء	محنت تعمیرات و اقلیتی امور
۸ ـ مسٹر اے ایل بسواس (مشرقی پاکستان)	۱۱، اگست ۱۹۵۶ء تا ۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء	خوراک و زراعت
۹ ـ مسٹر آئی آئی چندری گر	۳۱، اگست ۱۹۵۵ء تا ۲۷، اگست ۱۹۵۶ء	قانون

نام	مدت	محکمے
۱۰ ـ مسٹر حمید الحق چوہدری (مشرقی پاکستان)	۲۶، ستمبر ۱۹۵۵ء تا ۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء	امورِ داخلہ اور دولت مشترکہ تعلقات
۱۱ ـ سید امجد علی	۱۷، اکتوبر ۱۹۵۵ء تا ۱۰، ستمبر ۱۹۵۶ء	خزانہ اقتصادی امور
۱۲ ـ مسٹر ایم آر کیانی	۱۷، اکتوبر ۱۹۵۵ء تا ۱۰، ستمبر ۱۹۵۶ء	مواصلات
۱۳ ـ مسٹر عبدالستار	۱۷، مارچ ۱۹۵۶ء تا ۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء	داخلہ و تعلیم

وزرائے مملکت

نام	مدت	محکمے
۱ ـ سردار امیر اعظم خان	۱۱، اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء	مہاجرین، بحالیات و پارلیمانی امور
۲ ـ مسٹر لطف الرحمن خان (مشرقی پاکستان)	۱۱، اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء	خزانہ
۳ ـ مسٹر آکشے کمار داس (مشرقی پاکستان)	۲۶، ستمبر ۱۹۵۵ء تا ۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء	اقتصادی امور

٦ ـ ایچ ایس سہروردی کابینہ

وزیرِ اعظم

نام	مدت	محکمے
مسٹر حسین شہید سہروردی (مشرقی پاکستان)	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء	امورِ کشمیر، ریاستیں و سرحدی علاقے، اقتصادی امور، قانون، مہاجرین و بحالیات، تعلیم اور صحت

وزراء

نام	مدت	محکمہ
۱ ـ ملک فیروز خان نون	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء	امور خارجہ، دولت مشترکہ تعلقات
۲ ـ مسٹر ابوالمنصور احمد (مشرقی پاکستان)	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء	تجارت و صنعت
۳ ـ سیّد امجد علی	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۹، اکتوبر ۱۹۵۷ء	خزانہ
۴ ـ مسٹر ایم اے خلیق (مشرقی پاکستان)	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸، اکتوبز ۱۹۵۷ء	محنت و تعمیرات
۵ ـ مسٹر غلام علی تالپور	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء	داخلہ
۶ ـ مسٹر اے ایچ دلدار احمد (مشرقی پاکستان)	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء	خوراک و زراعت
۷ ـ سردار امیر اعظم خان	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۵، ستمبر ۱۹۵۷ء	اطلاعات و نشریات، قانون و پارلیمانی امور
۸ ـ میاں جعفر شاہ	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۹، اکتوبر ۱۹۵۷ء	مواصلات
۹ ـ مسٹر ظہیر الدین (مشرقی پاکستان)	۱۲، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء	تعلیم و صحت

وزرائے مملکت

نام	مدت	محکمہ
۱ ـ مسٹر راج منڈل (مشرقی پاکستان)	۲۶، ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۹، اکتوبر ۱۹۵۷ء	اقتصادی امور
۱ ـ حاجی مولا بخش سومرو	۹ـ مارچ ۱۹۵۷ء تا ۱۹، اکتوبر ۱۹۵۷ء	بحالیات
۳ ـ مسٹر عبدالحلیم (مشرقی پاکستان)	۹ـ مارچ ۱۹۵۷ء تا ۱۹، اکتوبر ۱۹۵۷ء	خزانہ

۴ ـ مسٹر نورالرحمان (مشرقی پاکستان)	۱۳، مارچ ۱۹۵۷ء تا ۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء	تجارت

۷ ـ مسٹر آئی آئی چندری گر کابینہ

وزیر اعظم

مسٹر آئی آئی چندری گر	۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء	اقتصادی امور، محنت، تعمیرات و بحالیات

وزراء

۱ ـ ملک فیروز خان نون	۱۹، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء	خارجہ امور، دولت مشترکہ تعلقات
۲ ـ مسٹر فضل الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء	تجارت و قانون
۳ ـ سید امجد علی	۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء	خزانہ
۴ ـ میاں ممتاز احمد خاں دولتانہ	۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء	دفاع
۵ ـ مسٹر مظفر علی خان قزلباش	۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء	صنعت
۶ ـ مسٹر اے لیل بسواس (مشرقی پاکستان)	۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء	خوراک و زراعت
۷ ـ مسٹر غلام علی تالپور	۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء	داخلہ

۸ ـ مسٹر مصباح الدین حسین (مشرقی پاکستان)	۱۹، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۸، دسمبر ۱۹۵۷ء	مواصلات
۹ ـ میاں جعفر شاہ	۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱٦، دسمبر ۱۹۵۷ء	ریاستیں اور سرحدی علاقے، اطلاعات و نشریات
۱۰ ـ میاں عبدالعلیم (مشرقی پاکستان)	۱۹ اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱٦، دسمبر ۱۹۵۷ء	بحالیات و تعمیرات
۱۱ ـ مسٹر یوسف اے ہارون	۱۸، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱٦، دسمبر ۱۹۵۷ء	امورِ کشمیر و پالیمانی امور
۱۲ ـ مسٹر لطف الرحمٰن خان (مشرقی پاکستان) (مشرقی پاکستان)	۱۹، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱٦، دسمبر ۱۹۵۷ء	صحت و تعلیم
۱۳ ـ مسٹر فرید احمد (مشرقی پاکستان)	۲۳، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱٦، دسمبر ۱۹۵۷ء	محنت

وزرائے مملکت

۱ ـ حاجی مولا بخش سومرو	۲۴، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱٦ء دسمبر ۱۹۵۷ء	بحالیت
۲ ـ مسٹر آکشے کمار داس (مشرقی پاکستان)	۵، نومبر ۱۹۵۷ء تا ۱٦، دسمبر ۱۹۵۷ء	تجارت

۸ ـ مسٹر فیروز خان نون کابینہ

وزیرِ اعظم

ملک فیروز خاں نون	۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	امورِ خارجہ و دولت مشترکہ، تعلقات، دفاع، اقتصادی امور، بحالیات ـ اطلاعات، نشریات، امورِ کشمیر، قانون اور پارلیمانی امور

وزراء

۱ ـ سید امجد علی	۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	خزانہ
۲ ـ مسٹر مظفر علی خان قزلباش	۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۱۸، مارچ ۱۹۵۸ء	صنعت، تجارت و پارلیمانی امور
۳ ـ میر غلام علی تالپور	۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۱۸ مارچ ۱۹۵۸ء	داخلہ و سپلائی
	۸، اپریل ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	
۴ ـ میاں جعفر شاہ	۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	
۵ ـ مسٹر عبدالعلیم (مشرقی پاکستان)	۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	
۶ ـ میاں رمیز الدین احمد	۱۶، دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	مواصلات

۷ ۔ مسٹر کمینی کمار دتا	۱۶ ، دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	صحت ، تعلیم اور قانون
۸ ۔ حاجی مولا بخش سومرو	۲۲، جنوری ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	بحالیات
۹ ۔ مسٹر محفوظ الحق (مشرقی پاکستان)	۲۴، جنوری ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	صحت ، سماجی بہبود و کمیونٹی ڈویلپمنٹ ڈویژن
۱۰ ۔ مسٹر بسنت کمار داس	۷، فروری ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	محنت اور تعلیم
۱۱ ۔ سردار عبدالرشید خان	۲۹، مارچ ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	تجارت و صنعت
۱۲ ۔ سردار امیر اعظم خاں	۲۹، مارچ ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	اقتصادی امور اور پارلیمانی امور
۱۳ ۔ مسٹر ایم اے کھوڑو	۸، اپریل ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	تجارت و صنعت
۱۴ ۔ مسٹر حمید الحق چوہدری	۱۶، اکتوبر ۱۹۵۹ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	خزانہ ۔
۱۵ ۔ مسٹر ظہیر الدین (مشرقی پاکستان)	۱۲، اکتوبر ۱۹۵۹ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۹ء	
۱۶ ۔ مسٹر اے ۔ ایچ دلدار احمد (مشرقی پاکستان)	۱۲، اکتوبر ۱۹۵۹ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۹ء	
۱۷ ۔ مسٹر نور الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	۱۲، اکتوبر ۱۹۵۹ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۹ء	

وزرائے مملکت

۱ ۔ حاجی مولا بخش سومرو	۱۶، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۷ء	دفاع ، اقتصادی امور ۔ بحالیات ، اطلاعات و نشریات

۲ ـ مسٹر آکشے کمار داس (مشرقی پاکستان)	۱۶، اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۷ء	امورِ کشمیر، قانون اور پارلیمانی امورِ خزانہ
۳ ـ خان محمد جلال الدین خان	۵، اپریل ۱۹۵۹ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۷ء	داخلہ اور خزانہ
۴ ـ سید احمد نواز شاہ گردیزی	۵، اپریل ۱۹۵۹ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۰ء	خوراک و زراعت
۵ ـ سردار محمد اکبر خان بگٹی	۲۰، نومبر ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	داخلہ
۶ ـ میاں عبدالسلام	۲۰، نومبر ۱۹۵۹ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	اطلاعات و نشریات
۷ ـ عبدالرحمن خان	۲، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۹ء	
۸ ـ مسٹر پیٹر پال گوزمیز (مشرقی پاکستان)	۲، اکتوبر ۱۹۵۹ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	
۹ ـ مسٹر عدیل الدین (مشرقی پاکستان)	۲، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۹ء	
۱۰ ـ سید علمدار حسین شاہ گیلانی	۲، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء	

جنرل محمد ایوب خان ـ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر
(۸، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۲۶، اکتوبر ۱۹۵۸ء)

صدر :

وزیرِ اعظم

اسکندر مرزا مرکزی سیکرٹریوں پر مشتمل مشاورتی کونسل کے ساتھ

جنرل محمد ایوب خان	۲۷، دسمبر ۱۹۵۸ء	دفاع اور امورِ کشمیر

وزراء

۱۔ لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خان	۲۷، دسمبر ۱۹۵۹ء	بحالیات
۲۔ لیفٹیننٹ جنرل ڈبلیو اے برکی	۲۷، دسمبر ۱۹۵۹ء	صحت اور سماجی بہبود (محنت)
۳۔ مسٹر محمد ابراہیم (مشرقی پاکستان)	۲۷، دسمبر ۱۹۵۹ء	قانون
۴۔ لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ	۲۷، دسمبر ۱۹۵۹ء	داخلہ
۵۔ مسٹر عبدالقاسم خان (مشرقی پاکستان)	۲۷، دسمبر ۱۹۵۹ء	صنعت و تعمیرات، آبپاشی و بجلی
۶۔ خان ایف ایم خان	۲۷، دسمبر ۱۹۵۹ء	مواصلات
۷۔ مسٹر زیڈ اے بھٹو	۲۷، دسمبر ۱۹۵۹ء	تجارت
۸۔ مسٹر محمد حفیظ الرحمٰن	۲۷، دسمبر ۱۹۵۹ء	خوراک و زراعت

جنرل محمد ایوب خان ۔ صدر

پہلی کابینہ

صدر

جنرل محمد ایوب خان	۲۸، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	کیبنٹ ڈویژن ، دفاع ، امورِ کشمیر، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن

وزراء

۱ ۔ لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خاں	۲۸ ، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	بحالیات ، خوراک و زراعت ۔ تعمیرات ۔ آبپاشی و بجلی
۲ ۔ لیفٹیننٹ ڈبلیو اے برکی	۲۸ ، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	صحت و سماجی بہبود
۳ ۔ مسٹر منظور قادر	۲۹، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	امورِ خارجہ و دولت مشترکہ تعلقات

۴ ـ مسٹر محمد ابراہیم (مشرقی پاکستان)	۲۸، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	قانون
۵ ـ لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ	۲۸، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	داخلہ، ریاستیں و سرحدی علاقے اور اسٹیبلشمنٹ ڈویژن
۶ ـ محمد شعیب (مشرقی پاکستان)	۱۵، نومبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	خزانہ
۷ ـ مسٹر ابوالقاسم خان (مشرقی پاکستان)	۲۸، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	صنعت و تعمیرات، آبپاشی و بجلی
۸ ـ مسٹر ایف ایم خان	۲۸، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	ریلوے و مواصلات
۹ ـ مسٹر حبیب الرحمن	۲۹ اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷ فروری ۱۹۶۰ء	تعلیم اطلاعات و نشریات، اقلیتی امور
۱۰ ـ مسٹر زیڈ اے بھٹو	۲۸، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	تجارت
۱۱ ـ مسٹر حفیظ الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	۲۸، اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷، فروری ۱۹۶۰ء	خوراک و زراعت و تجارت

دوسری کابینہ:

صدر

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	۱۷، فروری ۱۹۶۰ء تا ۸، جون ۱۹۶۲ء	امور کشمیر، دفاع، صدر کا سیکرٹریٹ، کیبنٹ ڈویژن، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن ـ ایس اینڈ ایف آر ـ اقتصادی امور ڈویژن، قومی تعمیر نو اور اطلاعات و منصوبہ بندی

وزراء

۱ ۔ لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خاں	۱۷، فروری ۱۹۶۰ء تا ۱۵، اپریل ۱۹۶۲ء	بحالیات ، خوراک ، زراعت ، تعمرات اور آبی وسائل
۲ ۔ مسٹر منظور قادر	۱۷، فروری ۱۹۶۰ء تا ۸، جون ۱۹۶۲ء	امور خارجہ ، دولت مشترکہ تعلقات ، قانون و پارلیمانی امور
۳ ۔ لیفٹیننٹ جنرل ڈبلیو اے برکی	۱۷، فروری ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۲ء	صحت ، سماجی بہبود ، تعلیم ، سائنسی تحقیق ، امور کشمیر و اقلیتی امور
۴ ۔ محمد ابراہیم (مشرقی پاکستان)	۱۷، فروری ۱۹۶۰ء تا ۱۵، اپریل ۱۹۶۲ء	قانون
۵ ۔ لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ	" " " " جون "	امور داخلہ ، بحالیات ، خوراک ، زراعت ، تعمیرات ، ہاؤسنگ ، آبی وسائل ، ریاستیں و سرحدی علاقے اور اسٹیبلشمنٹ ڈویژن

تیسری کابینہ

صدر

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	۸، جون ۱۹۶۲ء تا ۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء	صدارتی سیکرٹریٹ ، کیبنٹ ڈویژن ، ریاستیں اور سرحدی علاقوں کا ڈویژن ، امور کشمیر ڈویژن ، منصوبہ بندی ڈویژن ، دفاع ، اطلاعات و نشریات ۔

وزراء

نام	مدت	محکمہ
۱ ۔ مسٹر محمد منیر	۸، جون ۱۹۶۲ء تا ۱۷، دسمبر ۱۹۶۲ء	قانون و پارلیمانی امور
۲ ۔ مسٹر محمد علی (مشرقی پاکستان)	۱۳، جون ۱۹۶۲ء تا ۲۳، جنوری ۱۹۶۳ء	خارجہ امور
۳ ۔ مسٹر عبدالقادر	۸ جون ۱۹۶۲ء تا ۱۵ دسمبر ۱۹۶۲ء	خزانہ
۴ ۔ مسٹر عبدالمنعم خان (مشرقی پاکستان)	۱۳، جون ۱۹۶۲ء تا ۷، نومبر ۱۹۶۲ء	صحت ، محنت و سماجی بہبود
۵ ۔ مسٹر حبیب الرحمٰن خان	// // // // ۲۳، مارچ ۱۹۶۵ء	امورِ داخلہ و امورِ کشمیر
۶ ۔ مسٹر وحید الزمان (مشرقی پاکستان)	۱۳، جون ۱۹۶۲ء تا ۲۰ مارچ ۱۹۶۵ء	تجارت ، صحت ، محنت و سماجی بہبود
۷ ۔ مسٹر زیڈ اے بھٹو	۱۳، جون ۱۹۶۲ء تا ۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء	صنعت ، قدرتی وسائل ، بحالیات ، تعمیرات و خارجہ امور ۔
۸ ۔ مسٹر عبدالصبور خان (مشرقی پاکستان)	۱۳، جون ۱۹۶۲ء تا ۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء	مواصلات
۹ ۔ مسٹر اے کے ایم فضل القادر چوہدری	۱۳، جون ۱۹۶۲ء تا ۲۸، اکتوبر ۱۹۶۳ء	خوراک ، زراعت ، بحالیات و تعمیرات ۔ تعلیم ۔ اطلاعات و نشریات ، محنت ، سماجی بہبود و صحت
۱۰ ۔ شیخ خورشید احمد	۱۷، دسمبر ۱۹۶۲ء تا ۲۳، مارچ ۱۹۶۵ء	قانون و پارلیمانی امور
۱۱ ۔ رانا عبدالحمید	۱۷، دسمبر ۱۹۶۲ء تا ۲۳، مارچ ۱۹۶۵ء	صحت ، محنت ، سماجی بہبود و بحالیات ، تعمیرات و خوراک وزارعت ۔
۱۲ ۔ مسٹر محمد شعیب (مشرقی پاکستان)	۱۵ دسمبر ۱۹۶۲ء تا ۲۳، مارچ ۱۹۶۵ء	خزانہ

۱۳ ـ مسٹر اے ٹی ایم مصطفی (مشرقی پاکستان)	۲، ستمبر ۱۹۶۳ء تا ۲۳، مارچ ۱۹۶۵ء	تعلیم، اطلاعات و نشریات
۱۴ ـ مسٹر عبداللہ المحمود (مشرقی پاکستان)	۴ ستمبر ۱۹۶۳ء مارچ ۱۹۶۵ء	صنعت و قدرتی وسائل
۱۵ ـ مسٹر عبدالوحید خان	۹، جنوری ۱۹۶۴ء تا ۲۳، مارچ ۱۹۶۵ء	اطلاعات و نشریات
۱۶ ـ الحاج عبداللہ ظہیرالدین لال میاں (مشرقی پاکستان)	۲۰، جنوری ۱۹۶۲ء تا ۲۲ مارچ ۱۹۶۵ء	صحت، محنت و سماجی بہبود

چوتھی کابینہ

صدر

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	۲۳، مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء	کیبنٹ ڈویژن، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن، ریاستوں و سرحدی علاقوں کا ڈویژن، اقتصادی امور ڈویژن، منصوبہ بندی ڈویژن۔ دفاع ڈویژن، سائنسی و تکنیکی تحقیق، داخلہ و امورِ کشمیر

وزراء

۱ ـ خواجہ شہاب الدین — ۲۴، مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء — اطلاعات و نشریات

۲ ـ مسٹر محمد شعیب (مشرقی پاکستان) — ۲۴، مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵، اگست ۱۹۶۶ء — خزانہ

۳ ـ مسٹر عبدالصبور خاں (مشرقی پاکستان) — ۲۴، مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء — مواصلات

۴ ـ مسٹر زیڈ اے بھٹو — ۲۴، مارچ ۱۹۶۵ء تا ۳۱، اگست ۱۹۶۶ء — امورِ خارجہ

۵ ـ مسٹر غلام فاروق — ۲۹، مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵، جولائی ۱۹۶۷ء — سائنس و تکنیکی تحقیق و تجارت

۶ ـ مسٹر الطاف حسین (مشرقی پاکستان) — ۲۹، مارچ ۱۹۶۵ء تا ۱۵، مئی ۱۹۶۸ء — صنعت و قدرتی وسائل

۷ ـ مسٹر ایس ایم ظفر — ۲۹، مارچ ۱۹۶۵ء تا ۱۵، مئی ۱۹۶۸ء — قانون و پارلیمانی امور

۸ ـ قاضی انوارالحق (مشرقی پاکستان) — ۲۹، مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء — تعلیم، صحت، محنت و سماجی بہبود

۹ ـ چوہدری علی اکبر خان — ۱۷، اگست ۱۹۶۵ء تا ۳۰، نومبر ۱۹۶۶ء — امورِ داخلہ و امورِ کشمیر

۱۰ ـ اے ایچ ایم ایس دوہا (مشرقی پاکستان) — ۱۷، اگست ۱۹۶۵ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء — خوراک و زراعت، بحالیات و تعمیرات

۱۱ ـ سید شریف الدین پیرزادہ — ۲۰ جولائی ۱۹۶۷ء تا یکم مئی ۱۹۶۸ء — امورِ خارجہ

۱۲ ـ مسٹر این ایم عقیلی — ۲۵، جولائی ۱۹۶۸ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء — خزانہ

۱۳ ـ وائس ایڈمرل اے آر خان — ۲۱، اکتوبر ۱۹۶۶ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء — دفاع، امورِ داخلہ و امورِ کشمیر

۱۴ ـ نواب زادہ عبدالغفور خان ہوتی — ۵، جولائی ۱۹۶۷ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء — تجارت

۱۵ ـ مسٹر ایم ارشد حسین — ۷، مئی ۱۹۶۸ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء — امورِ خارجہ

۱۶ ـ مسٹر اجمل علی چوہدری (مشرقی پاکستان) — ۶، جولائی ۱۹۶۸ء تا ۲۵، مارچ ۱۹۶۹ء — صنعت و قدرتی وسائل

جنرل اے ایم یحییٰ خان ۔ صدر

انتظامی کونسل

صدر

جنرل آغا محمد یحییٰ خاں	۲۶، مارچ ۱۹۶۹ء تا ۳، اگست ۱۹۶۹ء	
۱ ۔ وائس ایڈمرل اے آر خان	۲۶، مارچ ۱۹۶۹ء تا ۵، اپریل ۱۹۶۹ء	دفاع
۲ ۔ میاں ارشد حسین	۲۶، مارچ ۱۹۶۹ء تا ۴، اپریل ۱۹۶۹ء	امورِ خارجہ
۳ ۔ ایس فدا حسن	۲۶، مارچ ۱۹۶۹ء تا ۳۱، مارچ ۱۹۶۹ء	عمومی انتظام و رابطہ

صدر و چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر

جنرل آغا محمد یحییٰ خان	۵، اپریل ۱۹۶۹ء تا ۳، اگست ۱۹۶۹ء	کیبنٹ ڈویژن ، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن ، قانون و پارلیمانی امور ۔ دفاع ، امورِ خارجہ

ڈپٹی چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر اور مشیران (دوسرا مارشل لا)

نام	مدت	محکمے
۱ ۔ لیفٹیننٹ جنرل عبدالحمید خان	۵، اپریل ۱۹۶۹ء تا ۳، اگست ۱۹۶۹ء	داخلہ ، امورِ کشمیر ، ریاستیں و سرحدی علاقے
۲ ۔ وائس ایڈ مرل ایس ایم احسن	۵، اپریل ۱۹۶۹ء تا ۳، اگست ۱۹۶۹ء	منصوبہ بندی کمیشن و بشمول منصوبہ بندی و اقتصادی ڈویژن ، خزانہ ، تجارت ، صنعت ، قدرتی وسائل ، خوراک و زراعت ۔
۳ ۔ ایئر مارشل نور خان	۵، اپریل ۱۹۶۹ء تا ۳، ستمبر ۱۹۶۹ء	مواصلات ، صحت ، محنت ، سماجی بہبود ، تعلیم ، بحالیات ، تعمیرات ، خاندانی منصوبہ بندی ، سائنسی و تکنیکی تحقیق ڈویژن ۔

صدارتی کابینہ

صدر

نام	مدت	محکمے
جنرل آغا محمد یحییٰ خان	۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱ء	زراعت و تعمیرات ، مواصلات (۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۱۴، اگست ۱۹۶۹ء) کیبنٹ ڈویژن (۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱ء) ۔

دفاع (۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱ء) ، اقتصادی امور (۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء) ، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن (۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱) قانون (۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۱۶، ستمبر ۱۹۶۹ء) امورِ خارجہ (۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱ء) منصوبہ بندی ڈویژن (۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱ء) وزارت اطلاعات و قومی امور (۱۵، دسمبر ۱۹۷۰ء تا ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱ء)

وزارتی کونسل

۱ ـ ڈاکٹر اے ایم مالک (مشرقی پاکستان) — ۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲ فروری ۱۹۷۱ء — صحت ، محنت ، خاندانی منصوبہ بندی ، مواصلات (۱۵، اگست ۱۹۶۹ء تا ۷، اکتوبر ۱۹۶۹ء)

۲ ـ سردار عبدالرشید — ۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲ فروری ۱۹۷۱ء — داخلہ ، امورِ کشمیر ، ریاستیں و سرحدی علاقے

۳ ـ مسٹر ابوالخیر محمد حفیظ الدین (مشرقی پاکستان) ۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲ فروری ۱۹۷۱ء — صنعت و قدرتی وسائل

۴ ـ نواب مظفر علی قزلباش	۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲، فروری ۱۹۷۱ء	خزانہ
۵ ـ مسٹر محمد شمس الحق (مشرقی پاکستان)	۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲ فروری ۱۹۷۱ء	تعلیم و سائنسی تحقیق
٦ ـ نواب زادہ شیر علی خان	۴، اگست ۱۹۶۹ء تا ۱۵، دسمبر ۱۹۷۰ء	اطلاعات قومی امور
۷ ـ مسٹر احسان الحق (مشرقی پاکستان)	۴، اگست ۱۹۶۹ء ۲۲، فروری ۱۹۷۱ء	تجارت
۸ ـ مسٹر محمود اے ہارون	۱۵، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲، فروری ۱۹۷۱ء	زراعت
۹ ـ مسٹر اے آر کارنیلس	۱۷، ستمبر ۱۹۶۹ء تا ۲۲، فروری ۱۹۷۱ء'	قانون
۱۰ ـ ڈاکٹر غلام وحید چوہدری مشرقی پاکستان	۸، اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲، فروری ۱۹۷۱ء	مواصلات

صدارتی مشیر

۱ ـ مسٹر ایم ایم احمد	۸، ستمبر ۱۹۷۰ء تا ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱ء	اقتصادی رابطہ اور بیرونی امداد ڈویژن و مالیات ڈویژن
۲ ـ مسٹر اے آر کارنیلس	۲۲، فروری ۱۹۷۱ء تا ۲۰، دسمبر ۱۹۷۱ء	قانون و پارلیمانی امور
۳ ـ مسٹر ایم ایچ صوفی	۱۳، مارچ ۱۹۷۱ء تا ۲۹، دسمبر ۱۹۷۱ء	زراعت ، تعمیرات ، امورِ کشمیر ڈویژن
۴ ـ مسٹر ایس غیاث الدین احمد	۲، ستمبر ۱۹۷۱ء تا ۲۹، دسمبر ۱۹۷۱ء	دفاع

اشاریہ